BASO301CCT

سماجیاتی نظریات

(Sociological Theories)

بیچلر آف آرٹس (بی۔اے۔)

(تیسرا سمسٹر)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-انڈیا

© Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

Course- Sociological Theories
ISBN: 978-93-95203-11-1
First Edition: **2022**

ناشر : رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

اشاعت : 2022

تعداد : 1150

ترتیب و تزئین : ڈاکٹر امتیاز احمد، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

سرورق : ڈاکٹر محمد اکمل خان، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

مطبع : پرنٹ ٹائم اینڈ بزنس انٹرپرائزس، حیدرآباد

Copy Editor
Dr. Malik Raihan Ahmad

Bachelor of Arts (B.A.)
Sociological Theories
3rd Semester

On behalf of the Registrar, Published by:
Directorate of Distance Education
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), India
Director: dir.dde@manuu.edu.in *Publication:* ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

© All rights reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing from the publisher (registrar@manuu.edu.in)

Editor

ایڈیٹر

Dr. Malik Raihan Ahmad
Assistant Professor (Sociology)
DDDE, MANUU, Hyderabad

ڈاکٹر ملک ریحان احمد
اسسٹنٹ پروفیسر (سماجیات)، نظامت فاصلاتی تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Language Editors

لینگویج ایڈیٹر

Dr. Abu Shaheem
Associate Professor, Dept. of Urdu, MANUU, Hyd.

ڈاکٹر ابو شہیم
اسوسیٹ پروفیسر، شعبہ اردو، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Dr. Malik Raihan Ahmad
Assistant Professor (Sociology),DDE, MANUU, Hyd.

ڈاکٹر ملک ریحان احمد
اسسٹنٹ پروفیسر (سماجیات)، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

Dr. Imtiyaz Ahmad
Guest Faculty/Assistant Professor (Cont.), Sociology
DDE, MANUU

ڈاکٹر امتیاز احمد
گیسٹ فیکلٹی / اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، سماجیات
نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی، حیدرآباد

Editorial Board

مجلس ادارت

Prof. Noor Mohammad
Former Chairman Department of Sociology, AMU, Aligarh
Former Emeritus Professor Kumaun University
Nainital, Uttarakhand

پروفیسر نور محمد
سابق صدر، شعبہ سماجیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
سابق ایمرٹس پروفیسر، کماؤں یونیورسٹی، نینی تال، اتراکھنڈ

Prof. Azra Abidi
Department of Sociology, JMI, New Delhi

پروفیسر عذرا عابدی
شعبہ سماجیات، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

Dr. Malik Raihan Ahmad
Assistant Professor (Sociology)
DDDE, MANUU, Hyderabad

ڈاکٹر ملک ریحان احمد
اسسٹنٹ پروفیسر (سماجیات)، نظامت فاصلاتی تعلیم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Dr. Imtiyaz Ahmad
Guest Faculty/Assistant Professor (Contractual), Sociology
DDE, MANUU

ڈاکٹر امتیاز احمد
گیسٹ فیکلٹی / اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، سماجیات
نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی، حیدرآباد

Shafeeque Ahmad
Department of Social Work, MANUU, Hyderabad

شفیق احمد
شعبہ سوشل ورک، مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی، حیدرآباد

کورس کوآرڈی نیٹر

ڈاکٹر ملک ریحان احمد، اسسٹنٹ پروفیسر (سماجیات)

نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مصنفین	اکائی نمبر
ایم۔پی۔ سدید ازہر، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ سماجیات، دی نیو کالج، چنئی	اکائی 12، 11، 10، 9، 1
ڈاکٹر ملک ریحان احمد، اسسٹنٹ پروفیسر (سماجیات) نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی، حیدرآباد	اکائی2, 23,24
ڈاکٹر عزیز الرحمان اعظمی، اسسٹنٹ پروفیسر (سماجیات) شعبہ ویسٹ ایشین اسٹڈیز، اے۔ ایم۔ یو، علی گڑھ	اکائی 4، 3
آصف ، اسسٹنٹ پروفیسر (سماجیات) شعبہ قانون، اے۔ ایم۔ یو کیمپس، مرشد آباد	اکائی 7,8، 6، 5
ڈاکٹر امتیاز احمد گیست فیکلٹی / اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)، سماجیات نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی، حیدرآباد	اکائی17,18,19,20,21,22
نوشین شعبہ سماجیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، گڑھ	اکائی13,14,15,16

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	7
پیغام	ڈائرکٹر	8
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	9

بلاک 1 : سماجیاتی نظریات کا تعارف

اکائی 1	نظریہ کیا ہے؟	11
اکائی 2	نظریہ، سائنس اور عام شعور	20
اکائی 3	سماجیاتی نظریات کا ظہور	28
اکائی 4	سماجیاتی نظریات کے اقسام	43

بلاک 2 : اگست کومٹ

اکائی 5	کومٹ کی حیات و تاریخ	56
اکائی 6	تین مراحل کا قانون	67
اکائی 7	علوم کی درجہ بندی	79
اکائی 8	مثبتیت	94

بلاک 3 : ابن خلدون

اکائی 9	ابن خلدون: حیات و تاریخ	108
اکائی 10	ابن خلدون کے نزدیک سماج کے اقسام	118
اکائی 11	ابن خلدون کا تصور عصبیت	130
اکائی 12	ابن خلدون: سماجی تبدیلی	145

بلاک 4 : کارل مارکس

اکائی 13	کارل مارکس: حیات و تاریخ	159
اکائی 14	تاریخی مادیت	171
اکائی 15	طبقہ اور طبقاتی جدوجہد	183
اکائی 16	کارل مارکس کا تصور علاحدگی	195

بلاک 5 : امائل درکھائم

اکائی 17	امائل درکھائم: حیات و تاریخ	207
اکائی 18	درکھائم کا سماجی حقائق کا نظریہ	221
اکائی 19	درکھائم کا نظریۂ خودکشی	233
اکائی 20	درکھائم کے یہاں یکجہتی کے اقسام	245

بلاک 6 : میکس ویبر

اکائی 21	میکس ویبر: حیات و تاریخ	254
اکائی 22	ویبر کا نظریہ آئیڈیل ٹائپ اور سماجی عمل	267
اکائی 23	مذہب اور سماج پر ویبر کے افکار	278
اکائی 24	ویبر کے مطابق اتھارٹی کے اقسام	291
	نمونہ امتحانی پرچہ	300

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔ اس کے چار نکاتی مینڈیٹس یہ ہیں۔ (1) اردو زبان کی ترویج و ترقی (2) اردو میڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3) روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور (4) تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جو اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند "ادبی" اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت اکثر رسائل و اخبارات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ اُردو قاری اور اُردو سماج دورِ حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔ چاہے یہ خود ان کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گرد و پیش ماحول کے مسائل ہوں، عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیر بحث آتے ہیں۔ چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ یونیورسٹی کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرین علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ ہماری یونیورسٹی اپنی تاسیس کی 25 ویں سالگرہ منا رہی ہے، مجھے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ یونیورسٹی کا نظامتِ فاصلاتی تعلیم از سرِ نو اپنی کارکردگی کے نئے سنگِ میل کی طرف رواں دواں ہے اور نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی جانب سے کتابوں کی اشاعت اور ترویج میں بھی تیزی پیدا ہوئی ہے۔ نیز ملک کے کونے کونے میں موجود تشنگانِ علم فاصلاتی تعلیم کے مختلف پروگراموں سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ گرچہ گزشتہ دو برسوں کے دوران کووڈ کی تباہ کن صورتِ حال کے باعث انتظامی امور اور ترسیل و ابلاغ کے مراحل بھی کافی دشوار کن رہے تاہم یونیورسٹی نے اپنی حتی المقدور کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل کیا ہے۔ میں یونیورسٹی سے وابستہ تمام طلبا کو یونیورسٹی سے جڑنے کے لیے صمیم قلب کے ساتھ مبارک باد پیش کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کرتا ہوں کہ ان کی علمی تشنگی کو پورا کرنے کے لیے مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کا تعلیمی مشن ہر لحہ ان کے لیے راستے ہموار کرے گا۔

پروفیسر سید عین الحسن

وائس چانسلر

پیغام

فاصلاتی طریقۂ تعلیم پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہورہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طرزِ تعلیم کو اختیار کیا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور ٹرانسلیشن ڈِویژن سے ہوا اوراس کے بعد 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ نو قائم کردہ شعبہ جات اور ٹرانسلیشن ڈِویژن میں تقرریاں عمل میں آئیں۔ اس وقت کے اربابِ مجاز کے بھرپور تعاون سے مناسب تعداد میں خود مطالعاتی مواد تحریر و ترجمے کے ذریعے تیار کرائے گئے۔

گزشتہ کئی برسوں سے یو جی سی۔ ڈی ای بیUGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کما حقہ ہم آہنگ کر کے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات کو ہم آہنگ اور معیار بلند کر کے خود اکتسابی موادSLM از سرِ نو بالترتیب یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کرائے جارہے ہیں۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سر ٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلارہا ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جائیں گے۔ متعلمین کی سہولت کے لیے 9علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 6 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِ دست 144 متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centres) نیز 20 پروگرام سنٹرس (Programme Centres) کام کررہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ نظامت فاصلاتی تعلیم نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کردیا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جارہی ہیں، نیز جلد ہی آڈیو۔ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جارہی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوئوں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو مرکزی دھارے میں لانے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

یہ کتاب مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس کے اسباق یونیورسٹی کے شعبۂ سماجیات کے ذریعے بنائے گئے اس نصاب کے عین مطابق ہیں جو اس نے بی۔ اے۔ کے تیسرے سمسٹر کے لیے بنایا ہے۔ یہ نصاب سماجیاتی نظریات سے متعلق ہے۔ نظریات کی نوعیت تجریدی ہوتی ہے لہٰذا ان کو تحریری شکل میں عام فہم بنانا نسبتاً مشکل کام ہوتا ہے۔ اس کتاب کو لکھتے وقت اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ اس کی تجریدیت کو کم کیا جائے اور اسے عام فہم بنایا جائے تاکہ ہر دلچسپی رکھنے والا شخص اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

دراصل یہ کتاب ان طالب علموں کے لئے بنائی گئی ہے جنھوں نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں فاصلاتی نظام کے تحت بی۔ اے۔ میں داخلہ لیا ہے یا آئندہ لیں گے اور سماجیات کو اختیاری مضمون کے طور پر چنیں گے۔ مگر اس کا فیض ان تمام لوگوں تک پہنچ سکتا ہے جو بنیادی سماجیاتی نظریات کو جاننا اور سمجھنا چاہتے ہیں۔

اس کتاب کی تیاری میں یو جی سی-ڈی ای بی (UGC-DEB) کے ذریعے دی گئی ہدایات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ان کو اپنانے کا مقصد اس کتاب کے اسباق کو خود اکتسابی مواد بنانا ہے۔ یعنی طالب علم از خود اس کا مطالعہ کر سکیں اور سمجھ سکیں۔ یونیورسٹی میں بی۔ اے۔ کے دوسرے کور (Core) کورسیز کی طرح یہ کورس بھی چھ بلاک پر مبنی ہے۔ ہر بلاک چار اکائیوں پر مشتمل ہے۔ پہلا بلاک تعارفی نوعیت کا ہے جس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ نظریہ کسے کہتے ہیں اور سماجیات میں اس کا استعمال کس طرح کیا جاتا ہے۔ باقی کے پانچ بلاکس سماجیات کے پانچ بنیادی مفکرین کے حیاتی پس منظر اور ان کے بنیادی خیالات و نظریات پر مبنی ہے۔ ہر اکائی کے تحت خود اکتسابی نتائج، فرہنگ اور اپنی معلومات کی جانچ کے لیے سوالات دیے گئے ہیں تاکہ طالب علم کو سمجھنے اور اپنی تعلیمی استعداد کی تعین میں آسانی ہو۔

ڈاکٹر ملک ریحان احمد

کورس کوآرڈینیٹر

سماجیاتی نظریات

(Sociological Theories)

اکائی 1۔ نظریہ کیا ہے؟

(What is Theory?)

اکائی کے اجزا

1.0	تمہید
1.1	مقاصد
1.2	نظریہ کیا ہے؟
1.3	سماجیاتی نظریات
1.4	سائنسی نظریے کی خصوصیات
1.5	نظریے کے عناصر
1.6	سماجی نظریات کا سماجی پس منظر
1.7	اکتسابی نتائج
1.8	کلیدی الفاظ
1.9	نمونہ امتحانی سوالات
1.10	مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1.0 تمہید (Introduction)

سماجیات کے مطالعے کا ایک اہم حصہ سماجیاتی نظریات کا مطالعہ ہے۔ سماجیاتی نظریات کا تعلق سماجیات کے تمام شعبوں سے ہے۔ سماجیات کی کوئی بھی شاخ سماجیاتی نظریات سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔ سماجیاتی نظریات دراصل سماجی دنیا کے مختلف مظاہر سے متعلق سائنسی تشریحات ہوتے ہیں جن کی مدد سے ہم سماجی دنیا کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ ہم روزمرہ کی زندگی میں سماجی دنیا کے مختلف پہلوؤں کے

تعلق سے رائے قائم کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہم یہ آراء قیاس آرائیوں کی بنیاد پر قائم کرتے ہیں اور ان میں ذاتی رجحان کو زیادہ دخل ہوتا ہے۔ یہ آراء معروضی نہیں ہوتے جبکہ سائنسی نظریات معروضی ہوتے ہیں۔ اس اکائی میں ہم نظریے اور سماجیاتی نظریے کے معنی و مفہوم، سائنسی نظریے کی خصوصیات اور اس کے عناصر کا مطالعہ کریں گے۔

1.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ یہ جانیں گے کہ:

- نظریہ کس کو کہتے ہیں؟
- سماجیاتی نظریہ سے مراد کیا ہے؟
- نظریے کی کیا خصوصیات ہیں؟
- نظریے کی تشکیل کے بنیادی عناصر کیا ہیں؟

1.2 نظریہ کیا ہے؟ (What is theory?)

نظریہ دراصل ان عمومی خصوصیات کو دریافت کرنے کی کوشش ہے جن کے ذریعے روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات کی تشریح کی جاسکے۔

نظریے کی آسان تعریف یوں کی جاسکتی ہے: "نظریہ ان تجریدی، منطقی اور بامعنی مفروضوں کا مجموعہ ہوتا ہے جن کا مقصد کسی مظاہر یا عمل کی تشریح ہو۔"

(A set of abstract, logical and meaningful propositions that aim at explaining or interpreting a phenomenon or a process at the general level)

سماجیاتی نظریے کی آسان تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے: "سماجیاتی نظریہ ان تجریدی، منطقی اور بامعنی مفروضوں کا مجموعہ ہوتا ہے جن کا مقصد کسی سماجی مظاہر یا عمل کی تشریح ہو۔"

(A set of abstract, logical and meaningful propositions that aim at explaining or interpreting a social phenomenon or a process at the general level)

1.3 سماجیاتی نظریات(Sociological Theories)

آپ یہ جان چکے ہیں کہ نظریات چیزوں کی وضاحت کرتے ہیں۔ سماجیاتی نظریہ یہ واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ سماجی دنیا کیسے عمل کرتی ہے۔ سماجی دنیا انسانوں کے رویوں(behaviours) ، تعاملات (interactions) اور ان میں سماجی تنظیم کے طریقے (patterns of social organisation) پر مشتمل ہوتی ہے۔ سماجیاتی نظریہ انسانوں کے باہمی رویوں، تعاملات اور سماجی تنظیم کے طریقوں کی وضاحت کرتا ہے۔ لوگ سماجی دنیا کے بارے میں مختلف مفروضے قائم کرتے رہتے ہیں۔ ان مفروضوں کی بنیاد قیاس آرائی ہوتی ہے۔ سماجیاتی نظریات قیاس آرائی کی بنیاد پر نہیں قائم ہوتے۔ یہ تجرباتی حقائق(empirical facts) کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔ سماجی نظریات اس بات کی توضیح ہوتے ہیں کہ مختلف سماجی عمل(Social Processes) کیوں اور کیسے انجام پاتے ہیں؟ ان نظریات کی پشت پر بہت سارے ثبوت(evidence)اور اعداد و شمار(data)ہوتے ہیں۔

قدرتی سائنس ہی کی طرح ماہرین سماجیات کو بھی تحقیق کے ذریعے حاصل شدہ ثبوتوں کی توضیح کے لیے تجریدی تشریحات (abstract interpretations)وضع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ سماجیاتی نظریات سائنسی طریقے اختیار کرتے ہیں اور تحقیق کے ذریعے حاصل کردہ تجرباتی دریافتوں کی تشریح کی کوشش کرتے ہیں۔

کلاسیکی ماہرین سماجیات میں سے کارل مارکس نے سرمایہ دارانہ معیشت کی حرکیات ، غربت کی وجوہات اور بڑھتے ہوئے سماجی تفاوت کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ درکھائم نے صنعتی معاشرے کی نوعیت اور سیکولرائزیشن کے عمل کی توضیح کی کوشش کی ہے۔ جدید سماجیاتی نظریہ سازوں نے گلوبلائزیشن کے سماجی وسیاسی اثرات کیا ہیں؟، صنفی تعلقات میں کیوں اور کیسے تبدیلی آرہی ہے اور اس کے نتائج کیا ہیں؟ کثیر ثقافتی معاشروں کا مستقبل کیا ہوگا؟ ان جیسے بہت سارے سوالات کا جواب دینے کے لیے نئے نظریات وضع کیے ہیں۔

1.4 سائنسی نظریے کی خصوصیات(Characteristics of Scientific Theory)

سماجی سائنسی نظریات اس مفروضے کے ساتھ شروع ہوتے ہیں کہ کائنات، بشمول سماجی کائنات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر کچھ بنیادی خصوصیات(properties) ہیں اور کچھ طریق وعمل (processes)جاری ہیں جن کے ذریعے خاص پس منظر میں رونما ہونے والے واقعات کی تشریح کی جاسکتی ہے۔

سائنسی نظریات ہمیشہ خاص تجرباتی واقعات(empirical) سے اوپر اٹھ کر تجریدی (abstract)انداز میں بیان کیے جاتے ہیں۔ ان نظریات میں ان قوتوں کو نمایاں کیا جاتا ہے جو ہر زمان و مکان میں رونما ہونے والے واقعات کے پیچھے کارفرما ہوتے ہیں۔ سائنسی نظریات کسی خاص رویے کے بارے میں یا ایک مخصوص ماحول میں افراد کے درمیان خاص تعامل کے بارے میں نہیں ہوتے بلکہ افراد کے مابین باہمی رویے کی عمومی نوعیت اور ان قوتوں کے بارے میں ہوتے ہیں جو افراد کے درمیان باہمی تعامل کے وقت ہمیشہ کارفرما ہوتی ہیں۔

سائنسی نظریات کا مقصد ان قوتوں کو جو مخصوص تجرباتی واقعات کو کنٹرول کرتی ہیں، دریافت کرنا اور ان کے ذریعے ان واقعات کی تشریح کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ نظریات کسی ایک مخصوص حالت یا معاملے کی منفرد خصوصیات سے آگے بڑھ کر عام خصوصیات اور کارروائیوں کو بیان کریں ۔ چنانچہ سائنسی نظریات عام، اساسی، وقت کی قید سے ماوراء اور آفاقی ہوتے ہیں۔

سائنسی نظریات کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ عام (ordinary) زبان کے بجائے زیادہ رسمی (formal) زبان میں بیان کیے جاتے ہیں۔ بعض علوم میں نظریات کو بیان کرنے کے لیے دوسری زبان مثلاً ریاضی کا استعمال کیا جاتا ہے لیکن عام طور پر سماجی علوم اور بالخصوص سماجیات میں نظریات عام زبان ہی میں بیان کیے جاتے ہیں تاہم اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ کوئی بھی نظریہ معروضی اور واضح اصطلاحات میں بیان کیا جائے تاکہ اس نظریہ کا جائزہ لینے والے تمام لوگ اس سے وہی بات سمجھیں جو اس سے مراد ہو۔ دنیا اور اس کی حرکیات کی خصوصیات بیان کرنے والی اصطلاحات کی واضح تعریف کی جاتی ہے تاکہ اس سے مراد واضح ہو اور کسی مظہر کو بتانے والے تصورات کے مابین تعلقات کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ اس نظریہ کا جائزہ لینے والے تمام لوگ ان تصورات کے باہمی ربط کو سمجھ سکیں۔ بسا اوقات اس رسمیت (formalism) کی وجہ سے نظریات مشکل اور بوجھل معلوم ہونے لگتے ہیں خصوصاً جب رسمیت کے ساتھ تجریدیت (abstraction) بھی شامل ہو جائے۔

سائنسی نظریات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اس طرح وضع کیے جاتے ہیں کہ انہیں مخصوص تجرباتی ماحول کے حقائق کو سامنے رکھ کر منظم طور پر (systematically) اور قابل نقل (replicable) طریقوں سے جانچا جاسکے۔ اگر تجرباتی حقائق کے جائزے کی روشنی میں نظریہ معقول نظر آئے تو اسے وقتی طور پر واقعات کی بہترین تشریح کے طور پر قبول کر لیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر تجرباتی ٹسٹ نظریہ کی تائید نہ کریں تو نظریے کو رد کر دیا جاتا ہے یا اس پر نظر ثانی کی جاتی ہے۔ اگر کئی متقابل نظریات ایک ہی مظہر کی تشریح کے لیے وجود میں آئے ہوں تو ان سب کا تجرباتی جائزہ لیا جاتا ہے اور ان میں سے بہترین تشریح کو قبول کیا جاتا ہے۔

1.5 نظریے کے عناصر (Elements of Theory)

نظریہ سازی دراصل ایک ذہنی عمل ہے جو ایسے خیالات وضع کرنے پر مرکوز ہوتا ہے جو یہ وضاحت کر سکیں کہ کیوں اور کیسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ نظریہ کی تشکیل کئی بنیادی عناصر کے ذریعے ہوتی ہے۔ ۱۔ تصورات (concepts) ۲۔ متغیرات (variables) ۳۔ بیانات (statements) اور ۴۔ تشکیل (formulation)

۱۔ تصورات (Concepts)

ہم اپنے افعال کو بیان کرنے، ان کا جائزہ لینے اور اپنے خیالات اور جذبات کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے زبان کا استعمال کرتے ہیں۔ ہم الفاظ اور الفاظ کے مجموعوں یعنی جملوں کے ذریعے اپنی بات کی ترسیل کرتے ہیں۔ ہم کسی چیز کو بیان کرنے کے لیے جو لفظ استعمال کرتے ہیں دوسرے لوگ بھی اس لفظ سے وہی چیز مراد لیتے ہیں۔ جب ہم لفظ کرسی استعمال کرتے ہیں تو اس سے وہ چیز مراد لیتے ہیں جس کے چار پائے ہوتے ہیں اور لوگ بیٹھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہی لفظ جب ہم سیاست و اقتدار کے پس منظر میں استعمال کرتے ہیں تو

اس سے مراد سیاسی عہدہ و منصب ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ کے معانی لوگوں کے درمیان مشترک ہوتے ہیں۔ الفاظ کے مشترک معنی کے وجود ہی سے لوگوں کے درمیان ابلاغ و ترسیل کا عمل انجام پاتا ہے اور سماجی میل جول ممکن ہوتا ہے۔ جب کسی علم کے ماہرین کسی لفظ کو ایک مخصوص معنی میں استعمال کرتے ہیں تو اس لفظ کے اندر تکنیکی معنی پیدا ہو جاتا ہے اور وہ "تصور" بن جاتا ہے۔ جب کسی تصور کا نام لیا جاتا ہے تو اس شعبے سے متعلق تمام افراد اس سے ایک ہی چیز مراد لیتے ہیں۔

نظریات تصورات سے بنائے جاتے ہیں۔ تصورات وہ تجریدی افکار ہیں جو مظہر کو بیان کرتے ہیں۔ ان میں دنیا کی ان خصوصیات کو الگ کر لیا جاتا ہے جنہیں تجزیے کے لیے وقتی طور پر اہم سمجھا جاتا ہے۔ طاقت، تعامل، رول، اسٹیٹس، سماج کاری وغیرہ کچھ سماجیاتی تصورات ہیں۔ ان میں ہر تصور سماجی دنیا کے کچھ پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے۔

تصورات تعریفات (definitions) کے ذریعے تشکیل دیے جاتے ہیں۔ تعریف اصطلاحات کا ایک نظام ہوتا ہے جو تفتیش کار کو کسی تصور کے ذریعے بتائے جانے والے مظہر کے بارے میں بتاتا ہے۔ یہ کسی زبان کے جملوں کی شکل میں بھی ہو سکتا ہے اور ریاضی کی علامتوں کی شکل میں بھی۔ مثلاً تنازعہ (conflict) سماجیات کا ایک تصور ہے۔ اس کی ایک تعریف یہ ہو سکتی ہے کہ "تنازعہ سماجی اکائیوں کے درمیان ایسے تعامل کا نام ہے جس میں ایک اکائی دوسری اکائی کو اس کے مقاصد کے حصول سے روکتی ہے۔" اس طرح کی تعریف سے تصور کے ذریعے بیان کیے جانے والے مظہر کو سمجھنا ممکن ہوتا ہے۔ یہ تمام تفتیش کاروں کو ایک ہی چیز دیکھنے اور یہ سمجھنے میں معاون ہوتی ہے کہ کیا چیز ہے جو زیر مطالعہ ہے۔

۲۔ متغیرات (Variables)

تصورات کی ایک قسم وہ ہے جو کسی مظہر کو صرف بیان کرتی ہے۔ تصورات کی دوسری قسم وہ ہے جو ایسے مظہر کو بتاتی ہے جس میں درجے کا تفاوت ہو۔ انہیں متغیرات (variables) کہتے ہیں۔ یہ تصورات مظاہر میں حجم، وزن، عدد وغیرہ جیسی بہت ساری خصوصیات میں درجے کے تفاوت کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ سماجیات بھی دیگر سائنسس کی طرح ہے وہ ان تصورات کو ترجیح دیتے ہیں جو متغیرات میں تبدیل کیے جا سکیں۔ ان کے نزدیک سائنسی نظریے کے کچھ تصورات کو دنیا کی متغیر خصوصیات کو بیان کرنا چاہئے۔ واقعات کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم یہ جانیں کہ کس طرح ایک ظاہرے میں تبدیلی دوسرے ظاہرے میں تبدیلی کا سبب بنتی ہے۔ جو لوگ سماجیات کو قدرتی سائنس کی طرح نہیں بنانا چاہتے وہ تصورات کو متغیرات میں تبدیل کرنے پر زیادہ اصرار نہیں کرتے۔

۳۔ نظریاتی بیانات اور تشکیل (Theoretical Statements and Formats)

تصورات اسی وقت مفید ہو سکتے ہیں جب ان کے درمیان ربط قائم کیا جائے۔ اس طرح کے ربط ہی سے نظریاتی بیانات (Theoretical Statements) تشکیل دیے جاتے ہیں۔ یہ بیانات یہ بتاتے ہیں کہ کس طرح وہ واقعات جن کی طرف تصورات نشاندہی کرتے ہیں آپس میں مربوط ہیں اور وہ یہ توضیح بھی کرتے ہیں کہ کس طرح اور کیوں واقعات مربوط ہونا چاہیے۔ جب ان نظریاتی بیانات کو ایک ساتھ جمع کر دیا جاتا ہے تو نظریاتی فارمیٹ (Theoretical Format) تشکیل پاتا ہے۔

1.6 سماجیاتی نظریات کا سماجی پس منظر (Social Context of Sociological Theories)

اگرچہ نظریہ سازی میں عام طور پر قدرتی سائنس ہی کے طریقے کو اختیار کیا جاتا ہے لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ قدرتی سائنس کے نظریات اور سماجی سائنسی نظریات میں فرق ہوتا ہے۔ سماجیاتی نظریات مخصوص سماجی پس منظر کی پیداوار ہوتے ہیں اور ان پر سماجی پس منظر کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ ہر سماجیاتی مفکر یا نظریہ ساز جن سماجی حالات میں جیتا ہے وہ انہیں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور ان پر اپنا ردعمل ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح ہر سماجیاتی نظریہ اس ماہر سماجیات نظریہ ساز کا اس ماحول اور پس منظر کے تئیں ردعمل ہوتا ہے جس میں وہ جیتا ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ پس منظر داخلی بھی ہوتا ہے اور خارجی بھی۔ ان دونوں کے درمیان تعامل سے سماجیاتی نظریہ وجود میں آتا ہے۔ داخلی پس منظر سے نظریہ ساز کا ذاتی پس منظر، اس کی ذہنی ساخت اور وہ افکار مراد ہوتے ہیں جو اس پر گہرا اثر ڈالتے ہیں اور اسے نظریہ سازی پر ابھارتے ہیں۔ خارجی پس منظر سے سماج کا مجموعی ماحول مراد ہوتا ہے یعنی اس کا طبعی ماحول بھی اور سماجی ماحول بھی۔ تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایک دوسرے سے مماثل پس منظر میں متقابل نظریات وجود میں نہیں آتے یا نہیں آسکتے۔

1.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں آپ نے یہ جانا کہ نظریہ کسے کہتے ہیں اور سماجیاتی نظریہ کیا ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ نے سائنسی نظریات کی خصوصیات کے بارے میں بھی پڑھا۔ آپ نے جانا کہ سائنسی نظریات ہمیشہ خاص تجرباتی واقعات (empirical) سے اوپر اٹھ کر تجریدی (abstract) انداز میں بیان کیے جاتے ہیں۔ سائنسی نظریات رسمی زبان میں بیان کیے جاتے ہیں اور اس بات کی کوشش ہوتی ہے کہ نظریے کے بیان سے تمام لوگ فہم میں کسی اختلاف کے بغیر اس کے مدلول تک پہنچ جائیں۔ یہ نظریات اس طرح وضع کیے جاتے ہیں کہ منظم طور پر اور قابل نقل طریقوں سے انہیں جانچا جاسکے۔ آپ نے اس اکائی میں ان عناصر کے بارے میں بھی جانکاری حاصل کی جن کے ذریعے نظریات تشکیل دیے جاتے ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. نظریے کی اصطلاح سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. سماجیاتی نظریات سے آپ کیا مفہوم سمجھتے ہیں؟
3. نظریات کے عناصر کیا ہیں؟

1.8 کلیدی الفاظ (Key Words)

نظریہ (Theory): نظریہ ان تجریدی، منطقی اور بامعنی مفروضوں کا مجموعہ ہوتا ہے جن کا مقصد کسی مظہر یا عمل کی تشریح ہو۔

سماجیاتی نظریہ(Sociological Theory): ان تجریدی، منطقی اور بامعنی مفروضوں کا مجموعہ ہوتا ہے جن کا مقصد کسی سماجی مظہر یا عمل کی تشریح ہو۔

تصور(Concept): وہ تجریدی خیال ہوتا ہے جو کسی مظہر کو بیان کرتا ہے۔

تجرباتی/تجربی (Empirical): وہ چیز جو تجربے یا مشاہدے میں آئے۔

تجریدی (Abstract): وہ چیز جو صرف خیال کی سطح پر ہو اور جس کا کوئی جسمانی وجود نہ ہو۔

متغیرات (Variables): ایسے تصورات ہیں جن کی خصوصیات میں تفاوت ہو۔

1.9 نمونہ امتحانی سوالات(Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ ______ ان تجریدی، منطقی اور بامعنی مفروضوں کا مجموعہ ہوتا ہے جن کا مقصد کسی ظاہرے یا عمل کی تشریح ہو۔

(A) نظریہ (B) تصور

(C) تعریف (D) سماجیات

2۔ ______ وہ تجریدی خیال ہوتا ہے جو کسی ظاہرے کو بیان کرتا ہے۔

(A) تجربیت (B) تصور

(C) تعریف (D) سماجیات

3۔ ______ حقائق سے مراد وہ حقائق ہیں جو تجربے یا مشاہدے میں آئیں۔

(A) تجریدی (B) مذہبی

(C) تجرباتی (D) نظریاتی

4۔ ______ سے مراد کسی چیز کا صرف خیال کی سطح پر ہونا موجود ہونا ہے۔

(A) تجریدیت (B) مذہبیت

(C) تجربیت (D) نظریات

5۔ ______ نظریہ کے عناصر میں سے ایک عنصر ہے۔

(A) تعریف (B) تجریدیت

(C) تجرباتیت (D) تصور

6۔ ___________ نظریے کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے۔

(A) متغیرات (B) تجریدیت

(C) تجربیت (D) تصور

7۔ وہ خصوصیات جن کے اندر درجہ میں تفاوت ہو انہیں __________ کہتے ہیں۔

(A) نظریات (B) تجریدیت

(C) تجربیت (D) متغیرات

8۔ تصورات ________ کے ذریعے تشکیل دیے جاتے ہیں۔

(A) نظریات (B) سماجیات

(C) تعریفات (D) متغیرات

9۔ نظریات _______ سے بنائے جاتے ہیں۔

(A) تصورات (B) سماجیات

(C) تعریفات (D) قیاس آرائی

10۔ سائنسی نظریات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ________ زبان میں بیان کیے جاتے ہیں۔

(A) رسمی (B) عام

(C) آسان (D) انگریزی

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. نظریے کی تعریف کیجیے۔
2. سماجیاتی نظریے کی تعریف کیجیے۔
3. تصور کی تعریف کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سائنسی نظریے کی خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔
2. نظریے کے بنیادی عناصر پر روشنی ڈالیے۔
3. سماجیاتی نظریات کی اہمیت وضرورت کے بارے میں لکھیے۔

1.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Jonathan H. Turner, 2002, The Structure of Sociological Theory, Wadsworth Publishing Co Inc, Belmont
2. Paramjit S Judge, 2012, Foundations of Classical Sociological Theory: Functionalism, Conflict and Action, Pearson, New Delhi
3. Bert N. Adams and R. A. Sydie, 2002, Sociological Theory, Vistar Publications, New Delhi
4. George Ritzer, 2011, Sociological Theory, McGraw-Hill, New Delhi
5. John J. Macionis, 2006, Sociology, Pearson, New Delhi
6. Anthony Giddens, 2017, Sociology, Polity, New Delhi

اکائی 2۔ نظریہ، سائنس اور عام شعور

(Theory, Science and Common Sense)

اکائی کے اجزا

2.0	تمہید
2.1	مقاصد
2.2	نظریہ اور سماجیات
2.3	سائنس اور سماجیات
2.4	عام شعور اور سماجیات
2.5	اکتسابی نتائج
2.6	کلیدی الفاظ
2.7	نمونہ امتحانی سوالات
2.8	مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

2.0 تمہید (Introduction)

سماجیات کو بسا اوقات ایک مخصوص قسم کا علمی کام نہیں سمجھا جاتا۔ اس کے مقاصد، وسعت، طریقہ کار، تصورات اور مرکزی موضوع کے تیئں ماہرین کی مختلف آراء ہیں۔ کبھی کبھی ماہرین اس کے کچھ موضوعات کو سماجیات کے دائرے سے خارج کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جبکہ کچھ عام لوگ جو محض سماجیات کی چند بنیادی اصطلاحات سے واقف ہیں اس کے موضوعات کے بارے میں پر اعتمادی سے بولتے ہیں۔ سماجیات کے موضوع اور وسعت کے متعلق اس غیر یقینی اور ابہام کی جزوی وجہ یہ ہے کہ سماجیات عام آدمی کے روزمرہ کی زندگی کے مختلف جہات سے متصل ہے۔ جس کے نتیجے میں اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ انسانی عام شعور سے کافی قریب ہے۔

ماہرین کے درمیان سماجیات کے سائنس ہونے اور نا ہونے سے متعلق بحثیں ہیں۔ اس حوالے سے ہر گروہ کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں۔ سماجیات میں اثباتیت (Positivism) کی بحث اسی کے ضمن میں آتی ہے۔ ماہرین کے ایک گروہ کا یہ کہنا ہے کہ سائنسی طریقۂ

کار خالص مشاہدات اور تجربات پر مبنی ہوتا ہے لہذا سماجیات میں ان کا استعمال اس طرح سے نہیں کیا جا سکتا جس طرح سائنسی علوم میں ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرا گروہ سماجیاتی تحقیقات میں ان کے استعمال کے حق میں ہے۔

سماجی مظہر (Social Phenomenon) کو سمجھنے اور ان کی تشریح کرنے کے اس عمل کو نظریہ کہا جاتا ہے جو منطقی اور بامعنی مفروضوں کی بنیاد پر کی گئی ہو۔ماہرین اپنے تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر سماجی دنیا اور سماجی بین عمل (Social Interaction) کے متعلق اپنی رائے بناتے ہیں۔ بسا اوقات نظریے کی بنیاد محض قیاس آرائی سمجھی جاتی ہے مگر یہ چیز درست نہیں ہے۔ نظریے سے متعلق قیاس تجرباتی حقائق اور مختلف اعداد و شمار کی بنیاد پر بنتا ہے جو سماجی طریق (Social Processes)، سماجی بین عمل اور انسانی رویوں کی تشریح اور توضیح کرتا ہے۔

مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سماجیات بحیثیت علم ان تینوں سے مختلف ہوتے ہوئے ان سے مستفید بھی ہوتا ہے۔ سماجیات سائنسی طریقہ کار کو استعمال کرتا ہے جس کے نتیجے میں سماجیاتی نظریات وجود میں آتے ہیں اور ان ہی بنیادوں پر یہ اپنے آپ کو ایک علم کی حیثیت سے مستحکم کرتا ہے اور عام شعور سے الگ اپنی پہچان بناتا ہے۔

2.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے سے طلبہ کو درج ذیل معلومات حاصل ہوں گی:

- نظریہ اور اس کے بنیادی مفروضات نیز سماجیات سے اس کا تعلق۔
- سائنس کی تعریف اور سماجیات سے اس کا تعلق۔
- عام شعور اور سماجیات کا باہمی تعلق۔

2.2 نظریہ اور سماجیات (Theory and Sociology)

نظریہ کسی مظہر کے بارے میں منطق پر مبنی ایک تجریدی سوچ یا اس کا نتیجہ ہے۔ اس طرح کی سوچ اکثر کسی تحقیق یا تحقیقی طریقۂ کار سے جڑی ہوتی ہے۔ جدید سائنس میں نظریہ سے مراد وہ سائنسی نظریات ہیں جو مستحکم طریقوں سے فطرت کی تشریح کرتے ہیں۔ ان نظریات کو اس طرح سے پیش کیا جاتا ہے کہ سائنسی طریقہ کار اور تجربہ یا تو ان کی توثیق کرے یا تردید۔ نظریات بہت ہی مستحکم اور ہمہ گیر علم کا حصہ ہوتے ہیں۔ سائنسی نظریہ مفروضے سے مختلف ہے۔ مفروضہ ایک انسان کی قیاس آرائی ہے جس کا استعمال تحقیق میں غیر ثابت شدہ چیزوں کے لیے کیا جاتا ہے۔ نظریہ ہمیشہ سچائی تک پہنچنے کی جرآت مندانہ کوشش ہوتی ہے۔ نظریے کا مقصد کسی خاص تحقیقی مقاصد تک پہنچنا نہیں ہوتا۔ یہ ہمیشہ علم کا وہ جز ہوتا ہے جس کا کسی خاص تشریحی نمونے سے متصل ہونا ضروری نہیں۔ نظریہ سازی کا مطلب علم کی تشکیل ہے۔ یعنی کوئی نظریہ اسی وقت وجود میں آتا ہے جب علم بڑھتا ہے یا اس کی کوئی نئی شاخ وجود میں آتی ہے۔ درج بالا نکات کو سامنے

رکھتے ہوئے پچھلی اکائی میں ماہرین کے ذریعے دی گئی چند تعریفات اور اس کی خصوصیات پیش کی گئی ہیں۔ جنہیں مزید سمجھنے کے لیے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

نظریات کا تعلق تمام علوم سے ہے۔ لہٰذا سماجیات کے لیے بھی کچھ نظریات وضع کیے گئے ہیں۔ ماہرین نے اپنے تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر سماجی مظہر کو سمجھنے اور ان کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان ہی کو سماجیاتی نظریات کہا گیا ہے۔ سماجیات کا موضوع انسانی رشتوں کا بلاواسطہ یا بلواسطہ مطالعہ ہے۔ لہٰذا سماجیاتی نظریات ان ہی سماجی رشتوں، برتاؤ اور ان پر مبنی سماجی تنظیم اور سماجی اداروں کی تشریح کرتے ہیں۔ لوگ سماجی تنظیم اور ساخت کے بارے میں مختلف مفروضات بناتے ہیں۔ مگر یہ مفروضات محض مفروضہ ہیں جو نظریات سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ سماجیاتی نظریات کی بنیاد سماجیاتی حقائق کا تجرباتی مطالعہ، سماجیاتی طریق کا مشاہداتی مطالعہ اور ان سب کا اعداد و شمار اور منطقی استدلال کی بنیاد پر مطالعہ ہے۔ سماجیاتی مفکرین جیسے امائل درکھائم، میکس ویبر، کارل مارکس اور ٹالکٹ پارسن وغیرہ نے سماج کے مختلف طریق کا مطالعہ کیا اور ان کی تشریح کی۔ ان ہی تشریحات کو سماجیاتی نظریات کہا گیا۔

2.3 سائنس اور سماجیات (Science and Sociology)

پوری انسانی تاریخ میں انسان مختلف ذرائع اور طریقوں کو استعمال کرتے ہوئے علم کے حصول کے لیے کوشاں رہا ہے۔ بلآخر اس جدوجہد میں انسانوں نے یہ محسوس کیا کہ کچھ ایسے طریقے بنائے جائیں جن کے استعمال سے صحیح علم کا حصول ممکن ہو سکے اور انسان کی ذاتی فکر کا اثر نتائج پر نا پڑے۔ دوسرے لفظوں میں علمی تحقیق کے لیے ایسے طریقہ کار اپنائے جائیں کہ ہر صورت میں ایک ہی نتیجہ سامنے آئے۔ علم کے حصول کی کوشش میں اس طرح کے طریقہ کار کے استعمال کو سائنس کہا جا سکتا ہے۔ سائنس کو مختلف طریقوں سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کچھ کے نزدیک سائنس کا مطلب مشاہداتی اور تجرباتی مظہر کی معروضی تحقیق ہے۔ یعنی سماجیاتی اور طبیعاتی حقائق کی تحقیق میں معروضیت کو برتنا سائنس کہلاتا ہے۔ جب کہ دوسرے کچھ لوگوں کے نزدیک سائنس کا مطلب علم کا منظم حصول ہے۔ یعنی علم کے حصول میں ان طریقوں کا استعمال کیا جائے جو انسان کی ذاتی فکر کو نتائج سے دور کرتی ہیں۔ یا یہ کہ وہ تمام علوم جن کو سائنسی طریقۂ تحقیق کے ذریعے حاصل کیا گیا ہو سائنس کہا جاتا ہے۔ بہر حال ان ساری باتوں کا محور طریقۂ تحقیق ہے۔ یعنی علم کے حصول میں اگر سائنسی طریقۂ تحقیق کا استعمال کیا جاتا ہے تو وہ سائنس ہے ورنہ نہیں۔ طریقۂ تحقیق ایک منظم اور واضح اصول و ضوابط اور متعینہ مراحل کا مجموعہ ہوتا ہے جس کا استعمال حصول علم کے لیے کیا جاتا ہے۔ سائنس کے لیے ان واضح ضوابط و مراحل کا استعمال ضروری ہے۔ سائنس کا مقصد ایسے مستند علم کو پیدا کرنا ہے جو لوگوں کو دنیا اور اس سے متعلقات کے بارے میں آگاہ کرے۔ اس علم کا اطلاق عمومی طور کیا جا سکے اور اس کی بنیاد پر پیشن گوئی کی جا سکے۔

سماجیات کے بارے میں ماہرین کے درمیان ایک بحث رہی ہے کہ کیا علم سماجیات سائنس ہے یا نہیں؟ ابتدائی سماجی مفکرین نے اپنے کاموں میں سائنسی اصطلاحات کا استعمال سماجیات کے لیے خوب کیا ہے۔ مثلاً، سماجی سکونیت (Social Static)، سماجی حرکیت (Social Dynamics)، میکانکی استحکام (Mechanical Equilibrium) جیسے اصطلاحات کا استعمال کیا گیا۔ کومٹ اور درکھائم

نے سماجیات میں سائنسی مزاج پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ کومٹ نے ابتدا میں سماجیات کو سماجی طبعیات (Social Physics) کہا اور اسی طرح درکھائم نے طبعی حقائق اور سماجی حقائق کو ایک ہی طرح دیکھنے کی کوشش کی اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔ ایک اور ابتدائی سماجیاتی مفکر ہربرٹ اسپنسر نے اپنے سماجیاتی مطالعے میں نامیاتی تشبیہ (Organic Analogy) کا استعمال حیاتیاتی سائنس سے متاثر ہو کر کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تجرباتی تحقیق میں منظم طریق کا استعمال، مواد کا تجزیہ، نظریاتی سوچ اور منطقی استدلال کے ذریعے علم کے ارتقا کو سائنس کہا جاسکتا ہے۔ ابتدائی سماجیاتی ماہرین جیسے کومٹ اور درکھائم نے انہیں کو اپنے سماجیاتی تحقیق میں اپنانے کی کوشش کی ہے۔

لیکن بعد کے کچھ ماہرین سماجیات نے یہ محسوس کیا کہ اس طرح کے سائنسی طریق جن کا استعمال طبعی علوم میں کیا جاتا ہے، سماجی مطالعے کے لیے مناسب نہیں ہے۔ چونکہ سماجیات انسانی بین عمل کا مطالعہ ہے جس میں انسانی احساسات، افکار، اقدار وغیرہ جیسے عوامل کار فرما ہوتے ہیں۔ ان عوامل کو مادی عناصر کی طرح نہیں سمجھا جاسکتا۔ مادی عناصر کا برتاؤ کلی طور پر خارجی عوامل پر منحصر ہوتا ہے۔ جب کہ انسانی برتاؤ خارجی عوامل کے ساتھ ساتھ اس کے اندرونی احساسات و جذبات، سوچ و فکر، اقدار و معیارات اور سماجی پس منظر کا بھی نتیجہ ہوتے ہیں اور انہیں مادی عناصر کی طرح مشاہدے میں نہیں لایا جاسکتا۔ لہٰذا سماجیات کو طبعی علوم کے اصول و ضوابط اور طریقۂ تحقیق سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ مشہور ماہر مظہریات (Phenomenologist) پیٹر برجر کہتا ہے کہ سماجی حقائق ہمیشہ ایک خاص پس منظر میں وجود پذیر ہوتے ہیں۔ ان کا وجود خلا میں نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کو سمجھنے کے لیے اس کے پس منظر کو سمجھنا بھی بہت اہم ہے۔ ان حقائق کو پس منظر سے الگ کر کے بالکل نہیں سمجھا جاسکتا۔ اسی طرح الفرڈ شوٹز (Alferd Schultz) کا کہنا ہے کہ انسان اپنی سماجی دنیا کی تعمیر عام شعور، اخلاقی اقدار اور مفروضات کی بنیاد پر کرتا ہے۔ اس لیے ماہرین سماجیات کو تحقیق کے دوران ان ساری چیزوں کو اہمیت دینی چاہیے اور ان کے پس منظر میں سماجی مظہر کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

2.4 عام شعور اور سماجیات (Common Sense and Sociology)

عام شعور (Common Sense) کو اس علم کے مترادف سمجھا جاتا ہے جو لوگ روزمرہ کی زندگی کے متعلق رکھتے ہیں۔ اس علم کے ذریعے روزمرہ کی زندگی میں ہونے والی چیزوں کو سمجھا جاتا ہے اور ان کی توضیح کی جاتی ہے۔ عموماً عام شعور کی بنیاد روایات کے ذریعے حاصل شدہ جانکاری پر ہوتی ہے۔ سماجیات پر اکثر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ علم محض عام شعور ہے۔ اس میں عام شعور کو بھاری بھر کم اصطلاحات اور الفاظ کو استعمال کرتے ہوئے پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس علم میں کوئی خالص نئی چیز نہیں بتائی جاتی بلکہ وہی باتیں بتائی جاتی ہیں جن کی جانکاری کسی نا کسی شکل میں پہلے سے لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ عام شعور یقیناً ہمیشہ غلط نہیں ہوتا، بلکہ کبھی کبھی یہ بعینہٖ حقیقت ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ خلا یہ ہے کہ اس کی بنیاد حقائق کے تجزیے پر نہیں بلکہ محض عام عقائد اور روایات پر ہے۔ اسی لئے عام شعور پر ہمیشہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ مثال کے طور پر کسی زمانے میں سماج کا یہ عام شعور تھا کہ زمین چپٹی ہے اور سورج اس کے گرد گھومتا ہے۔ اس کو ماضی قریب تک صحیح سمجھا گیا۔ اسی طرح ہزاروں سال تک عام شعور لوگوں کو یہ بتاتا رہا کہ بڑی چیزیں چھوٹی چیزوں کے مقابلے زیادہ تیز رفتار ہوتی ہیں۔ لوہے اور پتھر کو سب سے ٹھوس مواد سمجھا گیا۔ سائنسی تحقیقات نے دھیرے دھیرے ان

چیزوں کو غلط ثابت کیا۔ ان عام شعور کی بنیاد صرف لوگوں کی روایتی جانکاری تھی۔ سائنس نے منظم تجربے اور حقائق کا تجزیہ کر کے ان باتوں کو غلط ثابت کیا۔ اسی طرح سماج سے متعلق بھی بہت سی ایسی باتیں تھیں اور آج بھی ہیں جن کی بنیاد محض عام شعور ہے۔ مثلاً یہ ماننا کہ تعلیم کا فروغ سماج سے ذات اور اس سے متعلق مسائل، جہیز، تشدد پسندی، صنفی مسائل، غربت وغیرہ ختم کر دے گا۔ اسی طرح سماج کا یہ بھی ماننا تھا کہ اونچی ذات اور گورے لوگ زیادہ ذہین ہوتے ہیں، مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ ساری چیزیں غلط ثابت ہوئیں۔ لوگوں کو یہ ماننا پڑا کہ عام شعور کی بنیاد پر بنائے گئے تصورات ہمیشہ درست نہیں ہوتے ہیں۔ کیونکہ اکثر عام شعور گمان، کم علمی، تعصب، غلط سمجھ اور اسی طرح کی مختلف انسانی کمزوریوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف سائنس مشاہدات پر مبنی قابل توثیق حقائق اور منظم تجزیے کا نتیجہ ہے۔

سماجی مظہر (Social Phenomenon) کو سمجھنے کے لئے سماجیات کا زاویہ عام آدمی کے شعور سے مختلف ہے۔ ماہرین سماجیات سماجی مظاہر کو سائنسی نقطۂ نظر سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے یہاں سائنسی طریقہ کار جیسے معروضیت، تجربہ، مشاہدہ اور توثیق اہم سمجھے جاتے ہیں۔ محض اس بنیاد پر کوئی بات صحیح نہیں مانی جاتی کہ اسے ہر آدمی جانتا ہے۔ ماہرین سماجیات سائنسی طریقوں کو استعمال کر کے حقائق کو جمع کرتے ہیں، ان کا تجزیہ کرتے ہیں اور سماجی مظاہر کو بیان کرتے ہوئے مستقبل کی رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ سماج کو تنقیدی نظر سے دیکھتے ہیں اور ایسی کسی چیز کا بالکل اثر قبول نہیں کرتے جو روایات یا روایتی عقیدوں پر مبنی ہو۔

عام شعور کو سماجیاتی نظریے سے درج ذیل بنیادوں پر الگ کیا جاتا ہے:

عام شعور	**سماجیات**
1. عام شعور کا تعلق صرف ظاہری چیزوں سے ہوتا ہے۔	1. سماجیات سماجی مظاہر کے اسباب کو جاننے کی کوشش کرتا ہے چاہے وہ ظاہر ہوں یا مخفی۔
2. عام شعور چیزوں کی تشریح پرانے مروجہ عقائد کی بنیاد پر کرتا ہے۔	2. سماجیات چیزوں کی تشریح کے لئے اسباب اور منطقی طریقہ اپناتا ہے۔
3. عام شعور مفروضات پر مبنی ہوتا ہے۔	3. سماجیات دلائل پر مبنی ہوتا ہے۔
4. عام شعور جانچ اور تجربے کے مراحل سے نہیں گزرتا۔	4. سماجیات کی نوعیت تجرباتی ہوتی ہے۔
5. عام شعور وجدانی (Intuitive) ہوتا ہے۔	5. سماجیاتی علم معروضی ہے۔
6. عام شعور اکثر ذاتی ہو سکتا ہے۔	6. سماجیاتی علم عمومیت اور نظریہ سازی میں معاون ہوتا ہے۔
7. عام شعور اکثر غیر متغیر ہوتا ہے۔	7. سماجیاتی علم تغیر پذیر ہوتا ہے۔
8. عام شعور میں سوالات اور بحث و مباحثہ کا دروازہ بند رہتا ہے۔	8. سماجیات میں بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔
9. عام شعور کم و بیش ذاتی سمجھ پر مبنی ہوتا ہے۔	9. سماجیات کے پاس اپنی اصطلاحات، تصورات، طریقہ کار اور مواد ہیں۔

سماج کے بارے میں عام شعور کے ذریعے کئے گئے سارے مشاہدات سماجیاتی نہیں ہوتے، مگر اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ عام شعور سماجیات اور ماہرین سماجیات کے لئے بے معنی ہے۔ان کے درمیان اوپر بیان کئے گئے فرق کا مقصد یہ بتانا ہے کہ سماجی مظہر کو سماجیات اور عام شعور کس طرح دیکھتے ہیں۔ماہرین سماجیات عام شعور کا استعمال کرتے ہیں۔ تحقیقی مفروضات کو بنانے کے لئے ماہرین عام شعور کا استعمال کرتے ہیں۔اسی طرح عام شعور ماہرین سماجیات کو سماجی مسائل کی تحقیق کے لئے ابتدائی سراغ فراہم کرتے ہیں۔ سماجیات میں تصورات کی تشکیل کے لئے عام شعور کی بھی مدد لی جاتی ہے۔

2.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں تین اہم موضوعات نظریہ، سائنس اور عام شعور کو بیان کیا گیا ہے۔اس کے مطالعے سے ہمیں ان تینوں کے بارے میں بنیادی معلومات ہوئی ہیں۔اس کے مطالعے سے ہمیں نظریہ کے حوالے سے بنیادی مباحث کے بارے میں واقفیت ہوئی۔ نیز ہم نے یہ بھی جانا کہ سماجیات سے اس کا کیا تعلق ہے۔اس کے علاوہ سائنس کی تعریف اور سماجیات سے اس کے رشتے سے بھی واقفیت ہوئی اور عام شعور اور عام سماجیات کے باہمی تعلق کے بارے میں بھی معلومات ہوئی۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. سائنس سے آپ کیا معنی سمجھتے ہیں؟
2. عام شعور سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
3. سماجیات اور عام شعور کے مابین کیا فرق ہے؟

2.6 کلیدی الفاظ (Key Words)

نظریہ (Theory): یہ کسی مظہر کے بارے میں منطق پر مبنی ایک تجریدی سوچ یا اس کا نتیجہ ہے۔اس طرح کی سوچ اکثر کسی تحقیق یا تحقیقی طریقہ کار سے جڑی ہوتی ہے۔جدید سائنس میں نظریہ سے مراد وہ سائنسی نظریات ہیں جو مستحکم طریقوں سے فطرت کی تشریح کرتے ہیں۔

سائنس (Science): اس سے مراد مشاہداتی اور تجرباتی مظہر کی معروضی تحقیق ہے۔یعنی سماجیاتی اور طبیعاتی حقائق کی تحقیق میں معروضیت کو برتنا سائنس کہلاتا ہے۔

عام شعور (Common Sense): اسے اس علم کے مترادف سمجھا جاتا ہے جو لوگ روزمرہ کی زندگی کے متعلق رکھتے ہیں۔اس علم کے ذریعے روزمرہ کی زندگی میں ہونے والی چیزوں کو سمجھا جاتا ہے اور ان کی توضیح کی جاتی ہے۔ عموماً عام شعور کی بنیاد روایات کے ذریعے حاصل شدہ جانکاری پر ہوتی ہے۔

2.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

(1) ________ تعلق صرف ظاہری چیزوں سے ہوتا ہے۔

(a) عام شعور کا (b) نظریے کا

(c) سائنس کا (d) سماجیات کا

(2) درج ذیل میں کس کی بنیاد مفروضات پر ہوتی ہے؟

(a) عام شعور (b) سماجیات

(c) علم (d) سائنس

(3) درج ذیل میں کس کی بنیاد دلائل پر ہوتی ہے؟

(a) سماجیات (b) عام شعور

(c) سائنس (d) ان میں سے کوئی نہیں

(4) کس نے ابتدا میں سماجیات کو سماجی طبعیات (Social Physics) کہا؟

(a) اگست کومٹ (b) امائل درکھائم

(c) کارل مارکس (d) ہربرٹ اسپنسر

(5) درج ذیل میں کس کے پاس اپنی اصطلاحات، تصورات، طریقہ کار اور مواد ہیں؟

(a) سماجیات کے پاس (b) نظریے کے پاس

(c) عام شعور کے پاس (d) ان میں سے کوئی نہیں

(6) درج ذیل میں کس کے یہاں بحث ومباحثہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے؟

(a) سماجیات میں (b) عام شعور میں

(c) دونوں میں (d) ان میں سے کسی میں نہیں

(7) ________ معروضی ہوتا ہے؟

(a) سماجیاتی علم (b) عام شعور

(c) دونوں (d) ان میں سے کوئی نہیں

(8) درج ذیل میں کس کا علم وجدانی (Intuitive) ہوتا ہے؟

(a) عام شعور کا (b) سائنس کا

(c)سماجیات کا　　　(d)ان میں سے کسی کا بھی

(9)درج ذیل میں کون جانچ اور تجربے کے مراحل سے نہیں گزرتا ہے؟

(a)عام شعور　　　(b)سماجیات

(c)سائنس　　　(d)ان میں سے کوئی بھی نہیں

(10) درج ذیل میں کون سا علم عمومیت اور نظریہ سازی میں معاون ہوتا ہے؟

(a)سماجیاتی علم　　　(b)عام شعور پر مبنی علم

(c)دونوں　　　(d)ان میں سے کوئی نہیں

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. نظریہ کسے کہتے ہیں؟اس پر ایک مختصر مضمون لکھیے۔
2. سائنس سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ مختصراً بیان کیجیے۔
3. عام شعور کا کیا مطلب ہے؟واضح کیجیے۔
4. 'عام شعور مفروضات پر مبنی ہوتا ہے' ۔اس پر ایک مضمون لکھیے۔
5. 'سماجیاتی علم معروضی ہے' ۔اس کی وضاحت کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. نظریہ اور سماجیات کے مابین تعلق کی وضاحت کیجیے۔
2. سائنس اور سماجیات کے درمیان تعلق کو بیان کیجیے۔
3. عام شعور اور سماجیات کے باہمی ربط کو واضح کیجیے۔

2.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں(Suggested Books for Further Readings)

1. Giddens, Anthony & Sutton, P.W, 2017, Sociology, Atlantic Publishers & Distributors, New Delhi
2. Coser, Lewis A, 1971, Masters of Sociological Thought: Ideas in Historical and Social Context, Harcourt Brace Jovanovich. Inc: New York.

اکائی 3۔ سماجیاتی نظریات کا ظہور

(Emergence of Sociological Theory)

اکائی کے اجزا

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 سماجیات کا ظہور

3.3 فکری عوامل

3.4 تاریخ کا فلسفہ

3.5 ارتقا کے حیاتیاتی نظریات

3.6 سماجی حالات

3.7 یورپ میں سماجی تبدیلی اور سماجیات کا ظہور

3.8 فرانسیسی انقلاب

3.9 صنعتی انقلاب

3.10 اکتسابی نتائج

3.11 کلیدی الفاظ

3.12 نمونہ امتحانی سوالات

3.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

3.0 تمہید (Introduction)

سماجیاتی نظریہ کی تاریخ پیش کرنا ایک مشکل کام ہے۔ یہ اکائی سماجیات کے ظہور اور اٹھارویں اور انیسویں صدی میں یورپ کے سماجی اور فکری حالات کے درمیان تعلق کو نمایاں کرے گی۔ چونکہ سماجیات وہ مضمون ہے جس کا آغاز سب سے پہلے یورپ میں ہوا۔ اس لحاظ سے سماجیات کا مطالعہ اس وقت کے یورپ میں رائج سماجی اور فکری ماحول کے ردعمل کے طور پر کیا جاسکتا ہے۔ اس کی صحیح تفہیم سماجیات کے بانیوں کے خیالات کو بہتر طور پر سمجھنے میں مددگار ثابت ہوگی۔

سماجیاتی نظریات کے ظہور کو سمجھنے کے لیے معاشرے اوراس کے خیالات کے مابین تعلق اور اس دور کے سماجی حالات اور نظریات کے درمیان پائے جانے والے تعلقات کو سمجھنا ضروری ہے۔ یہ حالات و نظریات ہمیشہ ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔ سائنسی انداز میں سماج کا مطالعہ 1839 کے بعد ہوا جب کومٹ نے سماجیات کی اصطلاح وضع کی اور لوگوں کے سامنے اس کی ضرورت پیش کی۔ یہ سچ ہے کہ تمام تہذیبوں کے فلسفیوں اور مذہبی اساتذہ کی تحریروں میں ہمیں معاشرے سے متعلق افکار نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر، کوٹلیہ کا ارتھ شاستر، ارسطو کی سیاست، ابن خلدون کا مقدمہ وغیرہ۔ یہ سب معاشرے کا ان طریقوں سے تجزیہ کرتے ہیں جو آج بھی ماہر سماجیات کے لیے دلچسپی کا باعث ہیں۔ حقیقی معنوں میں سماج کی ایک منفرد سائنس 1839 میں وجود میں آئی۔ کچھ مخصوص حالات کے تحت جو یقیناً قابل غور ہیں سماجیات کا جنم ہوا۔ سماجیات کے ظہور کے لیے جو حالات ذمہ دار تھے وہ فکری اور سماجی دونوں تھے۔

انیسویں اور بیسویں صدی کے اوائل سماجیات کی ترقی کو لے کر کافی اہم ہیں ۔یہی وہ دور تھا جب سماجی نظریے کی تاریخ میں منفرد علم کا تعارف شروع ہوا۔ سیاسی انقلابات کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا آغاز فرانس سے ہوا اور جو 18 ویں اور 19 ویں صدی کے دوران سماجی نظریہ سازی کے اہم وجوہات میں سے ہیں۔ سماج پر ان انقلابات کے اثرات بہت زیادہ تھے، اور بہت سی مثبت تبدیلیاں رونما ہوئیں جس نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ بہت سے ابتدائی نظریہ سازوں (تھیورسٹ) کی توجہ اس طرح کی تبدیلیوں کے مثبت نتائج پر نہیں بلکہ منفی اثرات کی طرف تھی۔ اور یہ لوگ اس کے نتیجے سے خاصے پریشان تھے۔ وہ خاص طور پر فرانس میں افراتفری اور انتشار کو کم کرنے اور امن بحال کرنے کے لئے متحد تھے ۔ اس دور کے کچھ مفکرین معاشرے کو پرانے پرامن دور میں لے جانا چاہتے تھے۔ مگر پھر مفکرین نے یہ تسلیم کیا کہ سماجی تبدیلی نے ایسی واپسی کو ناممکن بنادیا ہے۔ اس طرح وہ لوگ سماج میں نظم و نسق اور امن و امان کے نئے راستے تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اور یہیں سے سماجیاتی نظریات کی بنیاد پڑی۔

3.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے سے آپ کو درج ذیل معلومات حاصل ہوں گی؛

- آپ سماجیات اور سماجیاتی نظریات کے ظہور، اس کے فکری عوامل، تاریخ کا فلسفہ اور ارتقا کے حیاتیاتی نظریات سے واقف ہوسکیں گے۔

- فرانسیسی انقلاب اور اس وقت کے سیاسی و معاشی احوال کے بارے میں جانیں گے۔
- صنعتی انقلاب اور صنعتی انقلاب کے معاشرے پر اثرات کے بارے میں جانیں گے۔

3.2 سماجیات کا ظہور (Emergence of Sociology)

سماجیات کے ظہور اور اس کے عوامل کو ہم درج ذیل خاکے سے سمجھ سکتے ہیں۔

سماجیات کا ظہور **Emergence of Sociology**	
سماجی عوامل Social Factors	فکری عوامل Intellectual factors
فرانسیسی انقلاب French Revolution	تاریخ کا فلسفہ Philosophy of History
صنعتی انقلاب Industrial Revolution	سیاسی فلسفہ Political Philosophy سماجی اور سیاسی اصلاحات کے لیے تحریکیں یا سماجی سروے Movements for Social and Political Reforms or Social Survey حیاتیاتی نظریات Biological Theories

3.3 فکری عوامل (Intellectual Factors)

1. سیاسی فلسفہ
2. تاریخ کا فلسفہ
3. ارتقاء کے حیاتیاتی نظریات
4. سماجی اور سیاسی اصلاحات کے لیے تحریکیں

سماجیات یورپ میں اٹھارویں اور انیسویں صدی کے دوران رونما ہونے والی تبدیلیوں کے رد عمل کے طور پر ابھرا۔ ابتدائی سماجی تحریروں میں جن نظریات پر بار بار بحث کی گئی ہے وہ بنیادی طور پر اس دور کے نظریات ہیں۔ ابتدائی سماجیات کا زیادہ تر حصہ اٹھارویں صدی کے روشن خیالوں سے متاثر نظر آتا ہے۔ سماجی نظریے کے ابتدائی دور میں روشن خیالی مختلف وجوہات کی بناء پر پیش رفت کے سب سے موزوں نقطہ کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ معاشرے کے مطالعہ کے لیے سائنسی نقطہ نظر روشن خیالی کی روایت سے تعلق رکھتا ہے۔ اٹھارویں صدی کے مفکرین نے اپنے پیشروؤں سے زیادہ مستقل مزاجی سے انسانی حالات کا سائنسی انداز میں فطری علوم کے طریقوں سے مطالعہ کرنا شروع کیا۔ انہوں نے شعوری طور پر انسانوں اور ان کی فطرت اور معاشرے کے مطالعہ پر تجزیے کے سائنسی اصولوں کا اطلاق کیا۔

دوم، انہوں نے سماجی ادارے اور انسانی فطرت اور ان کی مناسبیت کا فیصلہ کرنے کے لیے عقل کو برقرار رکھا۔ ان کا خیال تھا کہ انسان بنیادی طور پر عقلی ہیں اور یہی عقلیت انہیں فکر و عمل کی آزادی کی طرف لے جا سکتی ہے۔

تیسرے ان کا عقیدہ تھا کہ انسان کمال تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ سماجی اداروں پر تنقید اور تبدیلی کے ذریعے وہ اپنے لیے آزادی کے اور بھی بڑے درجات پیدا کر سکتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنی ممکنہ تخلیقی قوتوں کو عملی جامہ پہنانے کے قابل ہو جائے گا۔

3.4 تاریخ کا فلسفہ (Philosophy of History)

اس فلسفے کا بنیادی مفروضہ یہ تھا کہ معاشرہ سادہ سے پیچیدہ حالت تک پہنچنے کے کئی مراحل سے گزرتا ہے۔ ہم سماجیات میں تاریخ کے فلسفے کا مختصراً جائزہ لے سکتے ہیں جس میں کہ فلسفیانہ پہلو سے ترقی اور پیشرفت کا ذریعہ رہا ہے۔ سائنسی لحاظ سے اس نے تاریخی ادوار اور سماجی اقسام کے تصورات پیش کیے ہیں۔ سماجی مفکرین، جنہوں نے تاریخ کا فلسفہ تیار کیا ان کا سروکار پورے معاشرے سے تھا نہ کہ صرف سیاسی، یا معاشی یا ثقافتی پہلوؤں سے -بعد میں کامٹے، اسپنسر، مارکس اور بہت سے دوسرے لوگوں نے اپنی سماجیات کی تحریروں میں اس فکری رجحان کے نقصان کے اثرات کو ظاہر کیا۔

3.5 ارتقا کے حیاتیاتی نظریات (The Biological Theories of Evolution)

تاریخ کے فلسفے کے اثر کو حیاتیاتی نظریہ ارتقاء سے مزید تقویت ملی۔ اس طرح سماجیات بھی ایک ارتقائی نقطہ نظر کی طرف بڑھا۔ جس کسی نے بھی سماجی ارتقاء کے بنیادی مراحل کی شناخت اور ان کا تجزیہ کرنا چاہا وہ حیاتیات سے متاثر تھا۔ اس کا پتہ معاشرے کے وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے حیاتیاتی تصور اور سماجی ارتقا کی عمومی اصطلاحات وضع کرنے کی کوششوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ہربرٹ اسپنسر اور درکھیم کی تحریر۔

3.6 سماجی حالات (Social Conditions)

سماجی سروے جدید سماجیات میں ایک اہم عنصر کی تشکیل کرتا ہے۔ یہ دو وجوہات کی وجہ سے ابھرتا ہے، پہلی وجہ اس بات میں بڑھتا ہوا یقین تھا کہ قدرتی علوم کے طریقوں کو انسانی معاملات کے مطالعہ تک وسعت دینی چاہئے اور یہ کہ انسانی رجحان کی درجہ بندی اور پیمائش کی جاسکتی ہے۔ دوسری وجہ یہ تسلیم کرنا کہ غربت فطری نہیں بلکہ سماجی ہے۔ سماجی سروے سماجی تحقیقات کے بنیادی طریقوں میں سے ایک ہے۔ بنیادی مفروضہ جو اس طریقہ کار پر روشنی ڈالتا ہے وہ یہ ہے کہ معاشرتی حالات کے علم کے ذریعے معاشرے میں پائے جانے والے معاشرتی مسائل کو حل کرنے کے طریقے تک پہنچا جاسکتا ہے۔

ایک الگ سائنس کے طور پر سوشیالوجی کا ابتدائی دور انیسویں صدی کے دوسرے نصف اور بیسویں صدی کے ابتدائی حصے پر محیط ہے۔ سروے سے ان خصوصیات کو محسوس کیا جاسکتا ہے جن کو ابتدائی دنوں میں سماجیات نے پیش کیا تھا۔ سب سے پہلے، یہ انسائیکلوپیڈیک تھا، کیونکہ اس کا تعلق انسان کی پوری سماجی زندگی اور پوری انسانی تاریخ سے تھا۔ دوم، تاریخ کے فلسفے کے زیر اثر یہ ارتقائی تھا۔ جسے بعد میں ارتقاء کے حیاتیاتی نظریہ سے تقویت ملی اور جو سماجی ارتقاء کے بنیادی مراحل کی شناخت اور ان کا محاسبہ کرنا چاہتا تھا۔ تیسرا، اسے عام طور پر ایک مثبت سائنس کے طور پر تصور کیا گیا تھا، جو کہ قدرتی علوم کی طرح ہو۔ اٹھارویں صدی میں سماجی علوم کا تصور طبیعیات کے طرز پر وسیع پیمانے پر کیا گیا۔ سماجیات انیسویں صدی میں حیاتیات کے طرز پر وضع کی گئی تھی، جو کہ ایک نامیاتی وجود کے طور پر معاشرے کے وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے تصور اور سماجی ارتقا کے عمومی قوانین وضع کرنے کی کوششوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ چوتھا، عام سائنس ہونے کے دعوے کے باوجود، سماجیات نے خاص طور پر اٹھارویں صدی کے سیاسی اور معاشی انقلابات سے پیدا ہونے والے سماجی مسائل سے نمٹا، یہ سب سے بڑھ کر نئے صنعتی معاشرے کی سائنس تھی۔ اس کا ایک نظریاتی اور سائنسی کردار بھی تھا۔ قدامت پسند اور بنیاد پرست خیالات اس کی تشکیل میں شامل ہوئے۔ ابتدائی ماہرین سماجیات کے وسیع دعوے نے فطری طور پر مخالفت کی دعوت دی، خاص طور پر ان لوگوں کی طرف سے جو تنگ اور زیادہ مخصوص شعبوں میں کام کر رہے تھے، جیسے ماہرین تاریخ، اقتصادیات اور سیاسیات۔

3.7 یوروپ میں سماجی تبدیلی اور سماجیات کا ظہور

(Social Change and the Emergence of Sociology in Europe)

اگرچہ افلاطون کی ریپبلک، سیسرو کی ڈی آفیشس اور کوٹلیہ کے ارتھ شاستر جیسے مختلف مقالوں میں سماجیات پر اور سماجیاتی نقطہ نظر پر بات کی گئی تھی۔ لیکن یہ صرف 19 ویں صدی میں ہوا کہ اس طرح کے خیالات کو ایک منظم شعبہ علم کی شکل میں ترتیب دیا گیا۔

18 ویں صدی کے دوران پہلی بار انگلستان میں رونما ہونے والا صنعتی انقلاب پورے یورپ میں بڑی تبدیلیاں لے کر آیا۔ تاریخ میں اس سے پہلے کبھی اتنے بڑے پیمانے پر سماجی تبدیلیاں رونما نہیں ہوئیں۔ سماجیات ان بڑی تبدیلیوں کے تناظر میں ابھرا۔ کارخانہ دار نظام پیداوار اور اس کے نتیجے میں مشینوں کا کثیر استعمال اور صنعت کاری نے معاشرے میں افراتفری کو جنم دیا۔ نئی صنعتیں اور ٹیکنالوجی سماجی اور جسمانی ماحول کو بدل دیتی ہیں۔

سادہ دیہی زندگی اور چھوٹے پیمانے کی گھریلو صنعتوں کی جگہ پیچیدہ شہری زندگی اور سامان کی بڑے پیمانے پر پیداوار نے لے لی۔ صنعت کاری نے مروجہ تہذیب کا رخ بدل دیا۔ اس نے قرون وسطیٰ کے رسوم ورواج، عقائد اور خیال کو یکسر تبدیل کر دیا۔ صنعت کاری نے شہریت کو جنم دیا۔ بہت سے کسان دیہی علاقوں کو چھوڑ کر شہروں میں چلے گئے، جہاں وہ پر خطر حالات میں صنعتی مزدور کے طور پر کام کرنے لگے۔ شہروں میں غیر معمولی شرح سے اضافہ ہوا جس نے لوگوں کو گمنام ماحول فراہم کیا۔

تیزی سے ترقی کرنے والے شہروں میں سماجی مسائل نے جنم لیا۔ اشرافیہ اور بادشاہتیں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئیں۔ مذہب اور اخلاقی اتھارٹی اپنی قوت کھونے لگے۔ "تاریخ میں پہلی بار، تیزی سے سماجی تبدیلی ایک غیر معمولی حالت کے بجائے معمول بن گئی، اور لوگ اب یہ توقع نہیں کرسکتے کہ ان کے بچے ویسی ہی زندگی گزاریں گے جیسا کہ انہوں نے گزاری تھی۔ سماجی تبدیلی کی سمت واضح نہیں تھی اور سماجی نظام کے استحکام کو خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ بہر حال جو کچھ ہو رہا تھا اس کی تفہیم کی فوری ضرورت تھی۔

سماجیات نے انہیں تبدیلیوں کو سمجھنے کی کوشش سے جنم لیا تھا۔ یہ وہ تبدیلیاں تھیں جنہوں نے یورپی معاشرے کے استحکام کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ کومٹ اور اسپینسر جیسے دیگر سماجی مفکرین نے دلیل دی کہ معاشرے کی ایک الگ سائنس قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ایسی سائنس معاشرے کی نوعیت اور مسائل کو سمجھنے اور ان کا حل تلاش کرنے میں بہت مددگار ثابت ہوگی۔

3.8 فرانسیسی انقلاب (The French Revolution)

فرانسیسی انقلاب 1789 میں رونما ہوا۔ یہ آزادی اور مساوات کے لیے انسانی جدوجہد کی تاریخ میں ایک اہم موڑ تھا۔ اس نے جاگیرداری کے دور کا خاتمہ کیا اور معاشرے کی ایک نئی ترتیب کا آغاز کیا۔ اس انقلاب نے نہ صرف فرانسیسی معاشرے میں بلکہ پورے

یورپ کے معاشروں میں دور رس تبدیلیاں لائی۔ یہاں تک کہ دوسرے براعظموں جیسے کہ ہندوستان جیسے ممالک بھی اس انقلاب کے دوران پیدا ہونے والے خیالات سے متاثر ہوئے۔

فرانسیسی معاشرے کی بنیادی تصویر (The Basic Picture of the French society

فرانسیسی معاشرہ جاگیر دارانہ 'جائیدادوں' میں تقسیم تھا۔ جاگیر دارانہ فرانسیسی معاشرے کا ڈھانچہ 'تین اسٹیٹس' (Estates) پر مشتمل تھا۔ پہلی اسٹیٹ پادریوں پر مشتمل تھی، جو اعلیٰ پادریوں، جیسے کارڈینل، آرچ بشپ، بشپ اور ایبٹس پر مشتمل تھی۔ دوسری اسٹیٹ خاندانی شرافت پر مشتمل تھی۔ امرا دو قسم کے تھے، تلوار والے رئیس اور چوغے والے۔ تیسری اسٹیٹ میں باقی سوسائٹی کے لوگ جس میں کسان، تاجر، کاریگر اور دیگر مماثل لوگ شامل تھے۔ کسانوں، پادریوں اور خاندانی شرفا کی حالت میں ایک وسیع فرق تھا۔ کسانوں نے دن رات کام کیا لیکن وہ اتنے زیادہ ٹیکسوں کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے کہ انھیں زندگی گزارنا دوبھر ہو گیا تھا۔

فرانسیسی معاشرے کے سیاسی پہلو (The Political Aspects of the French society)

تمام مطلق العنان بادشاہتوں کی طرح فرانس میں بھی بادشاہ کے خدائی حق کے نظریے کی پیروی کی گئی۔ تقریباً 200 سال تک بوربن خاندان کے بادشاہوں نے فرانس پر حکومت کی۔ بادشاہ کے دور میں عام لوگوں کو کوئی ذاتی حقوق حاصل نہیں تھے۔ انہوں نے مختلف طریقوں سے صرف بادشاہ اور اس کے امرا کی خدمت کی۔ بادشاہ کا لفظ قانون تھا اور بادشاہ کے حکم پر کسی شخص کو گرفتار کرنے کے لیے کسی مقدمے کی ضرورت نہیں تھی۔ مختلف خطوں میں قوانین بھی مختلف تھے جو ابہام اور من مانی کو جنم دیتے تھے۔

فرانسیسی سماج کے معاشی پہلو (The Economic Aspects of the French society)

لوئس XIV اور اس کے جانشین فرانس کے بادشاہوں نے بہت مہنگی جنگیں لڑیں جنھوں نے ملک کو برباد کر دیا۔ اور جب 1715 میں لوئس XIV کا انتقال ہوا تو فرانس دیوالیہ ہو چکا تھا۔ لوئس XV اس بربادی سے نکلنے کے بجائے بینکوں سے قرض لیتے رہے۔ اس کا مشہور جملہ، "میرے بعد سیلاب" فرانس کے مالی بحران کی وضاحت کرتا ہے۔ لوئس XVI، ایک بہت ہی کمزور اور بے اثر بادشاہ کو دیوالیہ حکومت وراثت میں ملی۔ اس کی ملکہ میری اینٹونیٹ اپنی مہنگی عادتوں کے لیے مشہور تھی۔ یہ بادشاہ بھی فرانس کو معاشی طور سے مضبوط نہ کر سکا۔ ملکہ کا ایک جواب جو بہت ہی مشہور ہوا جو اس نے فرانس کے غریب بھوکے لوگوں کو دیا تھا جو اس کے پاس روٹی مانگنے آئے تھے۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ 'اگر آپ کے پاس روٹی نہیں ہے تو کیک کھاؤ'۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ملکہ کس قدر سماجی حقائق سے نابلد تھی۔

فرانس میں دانشورانہ ترقی (Intellectual Developments in France)

اٹھارویں صدی کے دوران دیگر یورپی ممالک کی طرح فرانس بھی عقلیت کے دور میں داخل ہو چکا تھا۔ کچھ بڑے فلسفیوں جن کے خیالات نے فرانسیسی عوام کو متاثر کیا۔ یہ وہ عقلیت پسند تھے جن کا ماننا تھا کہ تمام سچی چیزیں عقل سے ثابت ہو سکتی ہیں۔ ان مفکرین میں مونٹسکیو (1689-1755)، لاک (1632-1704)، والٹیئر (1694-1778)، اور روسو (1712-1778) وغیرہ کا نام اہم ہے۔

ان جیسے اور کئی دوسرے دانشوروں کے خیالات نے فرانسیسی عوام کے تخیل کو متاثر کیا۔ اس کے علاوہ فرانس کے وہ شہری جو فرانسیسی فوج میں خدمات انجام دے چکے تھے اور جنہیں برطانوی سامراج کے خلاف امریکیوں کی جنگ آزادی میں مدد کے لیے بھیجا گیا تھا وہ مساوات اور اپنی حکومت خود منتخب کرنی چاہیے جیسی فکر کے ساتھ اپنے ملک واپس آئے۔ فرانس کا متوسط طبقہ آزادی اور مساوات کے ان نظریات سے بہت متاثر ہوا۔

اس نے یورپی معاشرے کے سیاسی ڈھانچے کو تبدیل کر دیا اور جمہوریت کی آمد کا اعلان کیا۔ ان تبدیلیوں کے نتیجے میں بہت سے اہم موضوعات جو اس انقلاب کے اثرات کی وجہ سے پیدا ہوئے، ابتدائی ماہرین سماجیات کی دلچسپی کا مرکز رہے۔ ان اہم موضوعات میں جائیداد کی تبدیلی، سیاسی ڈھانچے میں تبدیلی اور ان کی وجہ سے پیدا ہونے والی سماجی خرابی اور معاشی ڈھانچے پر اس کے اثرات شامل تھے۔

3.9 صنعتی انقلاب (The Industrial Revolution)

صنعتی انقلاب 1760 عیسوی کے آس پاس انگلستان میں شروع ہوا۔ اس نے پہلے انگلستان پھر یورپ کے دوسرے ممالک اور بعد میں دوسرے براعظموں میں لوگوں کی سماجی اور معاشی زندگی میں بڑی تبدیلیاں پیدا کیں۔ یورپ، خاص طور پر انگلینڈ میں، نئے علاقوں کی دریافت اور تجارت کی ترقی اور اس کے نتیجے میں شہروں کی ترقی نے اشیاء کی طلب میں اضافہ کیا۔ پہلے اشیاء گھریلو سطح پر تیار کی جاتی تھیں۔ اس کا مطلب ہے کہ پیداوار کا ایک گھریلو نظام موجود تھا۔ بڑھتی ہوئی مانگ کے ساتھ سامان کو بڑے پیمانے پر تیار کیا جانے لگا۔

صنعتی انقلاب کے دوران، نئے آلات اور تکنیک ایجاد ہوئیں، جن سے بڑے پیمانے پر سامان تیار کیا جا سکتا تھا۔ 1760-1830 کے دوران آلات، تکنیکوں اور پیداوار کی تنظیم میں ایجادات کا ایک سلسلہ شروع ہوا اور اس نے پیداوار کے کارخانے کے نظام کو جنم دیا۔ اس طرح معیشت جاگیردارانہ نظام سے سرمایہ دارانہ نظام میں تبدیل ہو گئی۔ اس کے بعد سرمایہ داروں کا ایک طبقہ ابھرا جس نے پیداوار کے نئے نظام کو کنٹرول کیا۔ اس انقلاب کی وجہ سے معاشرہ ہاتھ سے بنی اشیا کے پرانے دور سے مشینی اشیا کے نئے دور میں چلا گیا۔ اس تبدیلی نے صنعتی انقلاب کا آغاز کیا۔

صنعتی انقلاب کے سماج پر اثرات (Impact of the Industrial Revolution on Society)

صنعتی انقلاب نے مغربی معاشرے میں ایک زبردست ہلچل پیدا کی، جس نے سماجیات کے ماہرین کو متاثر کیا۔ سماجی نظریہ کی ابتدائی تاریخ میں چار اہم شخصیات - کارل مارکس، میکس ویبر، ایمائل درکھائم، اور جارج سمل شامل ہیں۔ ان مفکرین نے اپنی پوری زندگی ان مسائل کا مطالعہ کرنے میں صرف کر دیا۔

نئے صنعتی معاشرے میں کسان کارخانوں میں مزدور ہو گئے اور انہوں نے اپنے آپ کو اپنے جیسے ہزاروں دوسرے لوگوں کے ساتھ کپاس سمیٹتے ہوئے ٹیکسٹائل مل یا اس جیسے کارخانوں میں پایا۔ صنعتی ترقی کے نتیجے میں پیداوار میں اضافہ ہوا۔ پیداوار میں اضافے کے ساتھ آبادی بڑھنے لگی۔ آبادی میں اضافے کی وجہ سے شہرکاری کی شرح میں اضافہ ہوا۔ صنعتی شہروں نے تیزی سے ترقی کی۔ صنعتی شہروں

میں لوگوں کے درمیان سماجی و اقتصادی فرق بہت وسیع ہو گیا۔ فیکٹری میں کام کرنے والے ایک طرح کے کام سے بندھے رہے جس کے نتیجے میں وہ کام سے لطف اندوز نہ ہو سکے اور اس سے بیزار ہو گئے۔ مارکسی اصطلاح میں مزدور اپنی محنت کی پیداوار سے بیگانہ ہو گیا۔ صنعتی معاشرے میں شہری زندگی بالکل مختلف طرز زندگی بن گئی۔

سوشلزم کا عروج (Climax of Socialism)

جی۔ بیل۔ ہارز (2005) کے مطابق سوشلزم تبدیلیوں کا ایک مجموعہ ہے جس کا مقصد صنعتی نظام کی زیادتیوں کا مقابلہ کرنا تھا اور یہ مانتا تھا کہ سرمایہ داری کو سوشلزم کے تحت جوڑا جا سکتا ہے۔ اگرچہ کچھ ماہرین سماجیات نے صنعتی مسائل کے حل کے طور پر سوشلزم کی حمایت کی لیکن زیادہ تر نے ذاتی اور فکری طور پر اس کی مخالفت کی ۔ کارل مارکس سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے اور اس کی جگہ سوشلسٹ نظام کے لیے سرگرم تھا۔ اگرچہ مارکس نے سوشلزم کا نظریہ خود تیار نہیں کیا، لیکن اس نے اس کے اطلاق پر بہت زیادہ زور دیا۔ اس کے علاوہ اس نے سرمایہ دارانہ معاشرے کے مختلف پہلوؤں پر تنقید کی اور اس امید کا اظہار کیا کہ اس سے سوشلزم کے عروج میں مدد ملے گی۔

سوشلسٹ سماج (Socialist Society)

سماجی نظریے کے ابتدائی دور میں مارکس غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ زیادہ تر ابتدائی نظریہ ساز، جیسے ویبر اور درکھائم، سوشلزم کے مخالف تھے۔ اگرچہ انہوں نے سرمایہ دارانہ معاشرے کے مسائل کو تسلیم کیا، لیکن انہوں نے سماجی انقلاب کے بجائے سرمایہ داری کے اندر سماجی اصلاح کی کوشش کی۔ لیکن مارکس کی طرف سے یہ دلیل دی گئی کہ وہ سرمایہ داری سے زیادہ سوشلزم سے ڈرتے تھے۔ اس خوف نے سوشلسٹ سماجی نظریہ کی تشکیل میں مارکس کی حمایت سے کہیں زیادہ کردار ادا کیا۔

شہر کاری (Urbanization)

صنعتی انقلاب کے نتیجے میں، انیسویں اور بیسویں صدی میں لوگوں کی بڑی تعداد اپنے دیہی گھروں سے نکل کر شہروں میں منتقل ہو گئی۔ یہ شہری ترقیات بڑے پیمانے پر نقل مکانی اور شہری علاقوں میں صنعتی نظام کے ذریعے پیدا ہونے والی ملازمتوں کی وجہ سے ہوئی۔ لیکن اس شہر کاری نے ان لوگوں کے لیے بہت سی مشکلات پیدا کیں جنہیں مختلف اسباب کی بنا پر شہروں میں رکنا پڑا۔ مزید بر آں، شہروں کی توسیع نے شہری مسائل کی ایک بظاہر نہ ختم ہونے والی فہرست تیار کی جیسے - زیادہ بھیڑ، آلودگی، شور، ٹریفک، وغیرہ۔ بہت سے ابتدائی ماہرین سماجیات، خاص طور پر میکس ویبر اور جارج سمل نے شہری زندگی کی نوعیت اور اس کے مسائل پر توجہ مبذول کرائی۔ اصل میں، سب سے پہلے امریکی سماجیات کے بڑے اسکول، جسے شکاگو اسکول کے نام سے جانا جاتا ہے اس کی دلچسپی سے شہر کاری اور اس کے مسائل کا مطالعہ کرنے کے لیے اس کی بڑی حد تک تعریف کی گئی۔

سائنس کی ترقی (Development of Science)

جیسے جیسے سماجی نظریہ تیار کیا جا رہا تھا، سائنس کی ترقی پر زور بڑھتا جا رہا تھا۔ سائنس نہ صرف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھائی

جانے لگی تھی بلکہ پورے معاشرے کے ہر شعبے میں پھیلی گئی۔طبیعیات، حیاتیات اور کیمیا کو سماج میں قدر ومنزلت کا مقام دیا گیا۔شروع سے سماجی تفہیم کے لیے جانے جانیوالے فلسفی خاص طور پر کومٹ، درکھائم، اسپنسر، میڈ وغیرہ فطری سائنس میں مشغول تھے۔اوران میں بہت سے لوگوں نے کامیاب حیاتیاتی تجربات کے بعد سماجیات کے لیے کام کیااور اس کو استحکام دینے کے لیے کوشش کی۔ تاہم جلد ہی ایک بحث چھڑ گئی۔سماجیات اور سائنس کے درمیان تعلق کا مسئلہ آج تک زیر بحث ہے۔حالانکہ اس میدان میں بڑے جرائد سماجیات کو سائنس کے طور پر کام کرنے کی وکالت کرتے ہیں۔

کومٹ نے منفی فلسفوں اور سماجی انارکی کا مقابلہ کرنے کے لیے سماجی طبیعیات کا علم وضع کیا جسے اس نے 1822 میں سماجیات کہا۔سماج کی سائنس یعنی سماجیات کا تعلق سماجی سکونیت (موجودہ سماجی ڈھانچے) اور سماجی حرکیات (سماجی تبدیلی) دونوں سے ہے۔کومٹ نے محسوس کیا کہ سماجی حرکیات سماجی سکونیت سے زیادہ اہم ہیں۔کومٹ نے کسی انقلابی تبدیلی پر زور نہیں دیا، کیونکہ اس نے محسوس کیا کہ ایک دن معاشرے کا فطری ارتقاء ہوگا۔

تین مراحل کا قانون (Law of Three Stages)

کومٹ کا خیال تھا کہ انفرادی ذہن، انسانی سرگرمی اور معاشرہ تاریخی ارتقاء کے یکے بعد دیگرے مراحل سے گزرتا ہے۔ایک حقیقی سائنس ارتقاکے آخری درجے مثبتیت تک جاتا ہے۔اس نے کہا کہ سماجیات علم کی حیثیت سے ان قوانین کی تلاش میں ہے، جس کے ذریعے سماج کے ماضی کو سمجھا جاسکے اور مستقبل کی پیشین گوئی کی جاسکے۔

سائنسی ذہنیت (Scientific Temper)

سائنسی ذہنیت سماج کی ارتقائی تاریخ کا آخری مرحلہ ہے۔کومٹ کے مطابق ذہن تین مراحل سے گزرتا ہوا وہاں پہنچا ہے۔جو درج ذیل ہیں؛

مذہبی مرحلہ۔اس مرحلے کے دوران لوگوں کا خیال تھا کہ فطرت کے تمام مظاہر یا تو الٰہی یا مافوق الفطرت کی تخلیق ہیں۔لوگ مختلف مظاہر کی فطری وجوہات کو دریافت کرنے میں ناکام رہے اور اس وجہ سے انہیں کسی مافوق الفطرت یا الٰہی طاقت سے منسوب کردیا گیا۔

کومٹ نے ترقی کی تین سطحوں پر تبادلہ خیال کیا۔

I) فیٹشزم: یہ وہ دور ہے جب فطرت کی ہر چیز کو زندگی سمجھا جاتا ہے۔اوراسے مقدس قرار دیا جاتا ہے۔

ii) تعدد پرستی: یہ وہ مرحلہ ہے جب فیٹشزم نے اپنے ماننے والوں کے ذہنوں میں شک پیدا کرنا شروع کیا۔اس کے نتیجے میں، لوگ متعدد طاقتوں کی طرف متوجہ ہوئے۔بہت سے خداؤں کے توسط سے چیزوں کی وضاحت کرنے لگے۔ اس دور میں یہ مانا جاتا تھا کہ تمام قدرتی قوتیں مختلف خداؤں کے زیر کنٹرول ہیں۔جیسے پانی کا خدا، بارش کا خدا، آگ کا خدا، ہوا کا خدا، زمین کا خدا، وغیرہ۔

iii) یکتائیت: یکتائیت کا مطلب ہے ایک خدا کو ماننا۔ سب کو ایک واحد طاقت سے منسوب کرنا۔ یہ وہ دور یا مرحلہ ہے جس میں لوگوں کا خیال ہے کہ کائنات کے تمام مظہر کے لیے ایک واحد ہستی ذمہ دار ہے۔

مابعد الطبیعاتی مرحلہ: یہ مذہبی مرحلے کی توسیع ہے۔ اس سے مراد تجریدی تصورات کی وضاحت ہے۔ اس دور میں لوگ اکثر خدا کو ایک تجریدی وجود کے طور پر بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ ایک تجریدی طاقت یا قوت مظہر کے لئے ذمے دار ہے۔ مابعد الطبیعاتی سوچ ایک ٹھوس چیز میں یقین کو رد کر دیتی ہے۔

مثبتیت کا مرحلہ: اسے سائنسی مرحلہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جس میں وضاحت مشاہدے، تجربے اور موازنہ پر مبنی ہوتی ہے۔ مثبت وضاحتیں اپنے جواز کے لیے سائنسی طریقہ پر انحصار کرتی ہیں۔

معاشرے کی معیشت میں تبدیلی ہوئی۔ صنعتی انقلاب کے ساتھ معیشت سرمایہ دارانہ نظام کی طرف چل پڑی اور اس کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ معیشت کی تبدیلی کے ساتھ کئی سماجی تبدیلیاں بھی آئیں۔ مثال کے طور پر

- اس نے فیکٹری سسٹم آف پروڈکشن کو جنم دیا۔
- جیسے جیسے سرمایہ داری زیادہ سے زیادہ پیچیدہ ہوتی گئی، بینکوں، انشورنس کمپنیوں، اور مالیاتی کارپوریشن جیسے اداروں کا وجود ہوا۔
- صنعتی کارکنوں، منتظمین اور سرمایہ داروں کا نیا طبقہ سامنے آیا۔
- اس معاشی ترقی سے متوسط طبقے کا ظہور ہوا۔
- اس نے جاگیر دارانہ نظام کی جاگیریں تباہ کر دیں۔
- چھوٹے خاندان کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔
- گنجان ہوئی کچی بستیاں، مزدوروں کی تنزلی، صفائی کی خراب صورتحال، غربت اور جرائم کی نئی شکلیں سامنے آئیں۔
- غلامی کے خلاف اور متوسط طبقے کے سیاسی حقوق کے لیے تحریک اور خواتین کے حق رائے دہی اور صنعتی اور شہری اصلاحات کی قانون سازی کے لیے بڑے پیمانے پر تحریکیں ہوئیں۔

ان سماجی تبدیلیوں نے مفکرین کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ قدامت پسندوں کو خدشہ تھا کہ اس طرح کے حالات افراتفری اور انتشار کو جنم دیں گے۔ لہٰذا پرانا نظام برقرار رکھنے میں سماج کی بھلائی ہے۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا۔ لہٰذا انہیں حقائق کو سمجھنا اور ان کو حل کرنا ہی ایک واحد راستہ تھا۔

روشن خیالی (Enlightenment)

روشن خیالی ایک فکری اور فلسفیانہ تحریک تھی جس نے 17ویں اور 18ویں صدی میں عالمی اثرات کے ساتھ یورپ پر غلبہ حاصل کیا۔ روشن خیالی کی جڑیں ایک یورپی فکری اور علمی تحریک میں ہیں جسے نشاۃ ثانیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ روشن خیالی میں انسانی خوشی کی

قدر، عقل اور حواس کے ثبوت کے ذریعے حاصل کردہ علم، آزادی، ترقی، رواداری، بھائی چارہ، آئینی حکومت اور حکومتی معاملات سے چرچ کی علاحدگی جیسے نظریات شامل تھے۔

روشن خیالی کی روایت (Tradition of Enlightenment)

کومٹ فرانس کے انقلاب کے بعد بھی زندہ رہا اور فرانس کا انقلاب تاریخ کا اہم موڑ ہے۔ کومٹ کے خیالات کی جڑیں اس دور میں تھیں جسے 'عقل کا دور' کہا جاتا تھا اور جہاں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ معاشرے کا مطالعہ ایک معروضی اور عقلی نظریہ سے کیا جا سکتا ہے۔ علم اور صنعت کاری میں ایک نئی سیاست کی ضرورت تھی، اس لیے اس نے معاشرے کی مکمل تعمیر نو کی وکالت کی۔

جدیدیت (Modernity)

جدیدیت میں روایت پر سوال اٹھانا، اجتماعیت پر انفرادیت کو ترجیح دینا، خیالات کی آزادی، زندگی کے تمام شعبوں میں مساوات، سائنسی اور تکنیکی ترقی کو فروغ دینا، اداروں اور نظریات کی معقولیت شامل ہے۔

- یہ جاگیر داری سے سرمایہ داری اور منڈی کی معیشت، صنعت کاری، شہر کاری اور سیکولر سماج کی طرف ایک تحریک کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔
- روسو، مونٹسکیو کے جدید سیاسی نظریات اور ایڈم اسمتھ، ریکارڈو اور جے ایس مل کے تجویز کردہ نئے معاشی نظام جدید وقت کی ضرورت بن گئے تھے۔

نشاۃ الثانیہ (Renaissance)

روشن خیالی کے دور سے پہلے یورپ کا سماج روایتی سماج تھا اور یورپ میں اس دور کو تاریک دور کہا جاتا ہے۔ سماجی برائیاں، جہالت اور جاگیر دارانہ ڈھانچے کا غلبہ تھا جبکہ نئے خیالات اور اختراعات کا فقدان تھا۔ اس دور کے بعد نظریات اور مادی ترقی کے ایک مخصوص نئے دور کا آغاز ہوا جسے نشاۃ ثانیہ (The Renaissance) کہا جاتا ہے۔ نشاۃ ثانیہ ایک ثقافتی تحریک تھی جو 14ویں صدی میں اٹلی میں شروع ہوئی۔ اس نے فنون لطیفہ اور ادب کو تقویت بخشی۔ انسانی وجود کے بارے میں خیالات نے بعد کے سماجی منطقی خیالات کے لیے بھی زرخیز زمین فراہم کی۔

'نشاۃ ثانیہ' کے دور میں 'سائنسی انقلاب' کا آغاز ہوا۔ اس نے سائنس کے میدان میں وضاحت اور تنقید کے ایک شعبے کو نشان زد کیا۔ اس دور کے فن اور سائنس میں ہونے والی چند اہم پیش رفتوں کا ذکر درج ذیل؛

- بصری آرٹ، فن، ادب اور سائنس سب پروان چڑھے۔
- طب انسانی قابل قبول ہو گیا۔ اس طرح اناٹومی، فزیالوجی اور پیتھالوجی کے شعبوں کو بہت فائدہ ہوا۔
- کیمیا کا ایک عمومی نظریہ تیار کیا گیا۔ کیمیائی عمل جیسے آکسیڈیشن، کمی، کشید وغیرہ کا مطالعہ کیا گیا۔

- نیویگیشن اور فلکیات جیسے علمی میدان میں پیش رفت ہوئی۔
- واسکو ڈی گاما 1498 میں ہندوستانی ساحلوں پر پہنچا۔ کولمبس نے 1492 میں امریکہ کو دریافت کیا۔ یہ تجارت کی توسیع اور نو آبادیات کے آغاز کا دور تھا۔
- علماء سماجی نظریات کو فروغ دے رہے تھے جبکہ عبد الرحمان ابن خلدون کے خیالات دنیا کے کچھ حصوں میں پھیل چکے تھے۔

ابن خلدون 27 مئی 1332 کو شمالی افریقہ کے شہر تیونس میں ایک پڑھے لکھے گھرانے میں پیدا ہوئے، ابن خلدون نے مسلمانوں کی مقدس کتاب قرآن پاک، ریاضی اور تاریخ میں تعلیم حاصل کی۔ اپنی زندگی میں انہوں نے تیونس، مراکش، اسپین اور الجزائر کے سلاطین کے لئے بطور سفیر، چیمبرلین، اور علماء کونسل کے رکن کے طور پر خدمت کی۔ اس نے دو سال مراکش کی جیل میں بھی گزارے۔ تقریباً کئی دہائیوں کی سیاسی سرگرمیوں کے بعد، ابن خلدون شمالی افریقہ واپس آئے، جہاں وہ مطالعہ اور تحریر کی ایک گہری پانچ سالہ مدت کا آغاز کیا۔ اس عرصے کے دوران تیار کردہ کام کی وجہ سے اس کی شہرت میں اضافہ ہوا جو جامعہ الازہر، قاہرہ میں ان کی لیکچر شپ کا باعث بنی۔ سماج اور سماجیات پر ابن خلدون نے سماجی منطقی فکر اور تاریخی مشاہدے کو جوڑنے کی اہمیت پر زور دیا۔ 1406 میں جب اس کی وفات ہوئی تو ابن خلدون نے اپنے کام کا ایک ذخیرہ تیار کر لیا تھا۔ اس میں عصری سماجیات کے ساتھ بہت سے نظریات مشترک تھے۔ معاشرے کا سائنسی مطالعہ، تجرباتی تحقیق اور سماجی مظاہر کے اسباب کی تلاش پر انہوں نے بات کی۔ انہوں نے مختلف سماجی اداروں اور ان کے باہمی تعلقات پر کافی توجہ دی۔

3.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے سے آپ نے یہ جانا کہ سماجی حالات کس طرح لوگوں کے خیالات کو متاثر کرتے ہیں۔ آپ نے سیکھا کہ یورپ میں اٹھارویں اور انیسویں صدی میں رونما ہونے والی بعض تبدیلیوں نے سماجی مفکرین کو کس طرح پریشان کیا۔ اس طرح سماجیات بنیادی طور پر عظیم مفکرین کے خیالات اور فکر کے انعکاس کی پیداوار کے طور پر بڑھی جو معاشرے کی عکاسی کرتے ہیں۔ آپ نے تجارتی، فرانسیسی اور صنعتی انقلابات کے سماجی طور پر اہم موضوعات کے بارے میں سیکھا۔ آخر میں، آپ نے فکری اثرات جیسے کہ تاریخ کا فلسفہ، ارتقاء کے حیاتیاتی نظریات اور سماجی حالات کے سروے کے بارے میں پڑھا، جس نے یورپ میں سماجیات کے ظہور کو متاثر کیا۔

سماجیات تبدیلی کی قوتوں کے رد عمل کے طور پر ابھری، جو یورپ میں اٹھارویں اور انیسویں صدی کے دوران رونما ہوئی۔ اس وقت یورپ بے پناہ تبدیلیوں کے دور سے گزر رہا تھا جو کہ فرانسیسی اور صنعتی انقلابات کے نتیجے میں شروع ہوئی تھی۔ در حقیقت، سماجیات کو نئے صنعتی معاشرے کی سائنس سے بالاتر سمجھا جا سکتا ہے۔ ابتدائی سماجی تحریروں میں جن نظریات پر بار بار بحث کی گئی ہے، وہ بنیادی طور پر اس دور کے نظریات ہیں۔ اٹھارویں صدی کے روشن خیالوں نے ابتدائی سماجیات کو بہت زیادہ متاثر کیا۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. سماجیات کے ظہور میں کون سے فکری عوامل تھے ؟
2. سماجیات کے ظہور میں جدیدیت اور روشن خیالی کا کردار ہے ؟
3. سماجیات کے ظہور میں صنعتی انقلاب کا کیا رول ہے ؟

3.11 کلیدی الفاظ (Key Words)

جمہوریت: جمہوریت حکومت کی ایک شکل ہے جس میں سب سے زیادہ طاقت عوام کو اجتماعی طور پر دی جاتی ہے۔ یہ معاشرے کی ایک ریاست ہے جس کی خصوصیات حقوق اور مراعات کی مساوات، سماجی اور قانونی طور پر یکساں طور پر تسلیم کئے جاتے ہیں۔

روشن خیالی: روشن خیالی سے مراد یوروپی تاریخ کا وہ دور ہے، جو اٹھارویں صدی کے فرانسیسی فلسفیوں کی روح کو مجسم کرتا ہے۔ اس دور میں یہ عقیدہ پیدا ہوا کہ فطرت اور سماج دونوں کا سائنسی طور پر مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ انسانی عقل اور ترقی کے نظریات پروان چڑھے۔

لبرل: لبرل ایک ایسا شخص جو وسیع النظر ہے اور اتھارٹی یا روایتی آر تھوڈوکس یعنی پرانے زمانے کے مذہبی عقائد کا پابند نہیں ہے۔

جاگیر دارانہ: جاگیر دارانہ نظام (جسے جاگیر داری بھی کہا جاتا ہے) سماجی اور سیاسی نظام کی ایک قسم ہے جس میں زمیندار کرایہ داروں کو ان کی وفاداری اور خدمت کے بدلے زمین فراہم کرتے ہیں۔

3.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ فرانس کا انقلاب کس سال ہوا؟

(a) 1798 (b) 1787 (c) 1769 (d) 1789

2۔ فرانسیسی انقلاب کا باعث بننے والا اہم عنصر کیا تھا؟

(a) روشن خیالی (b) صنعتی انقلاب (c) مثبت فلسفہ (d) جائیداد کا نظام

3۔ روشن خیالی کے دور کو اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

(a) تاریکی کا دور (b) استدلال کا دور (c) انقلاب کا دور (d) عقل کا دور

4۔ صنعتی انقلاب کب آیا؟

(a) 16ویں صدی (b) 17ویں صدی (c) 18ویں صدی (d) 19ویں صدی

5۔ صنعتی انقلاب کس ملک میں شروع ہوا؟

(a) فرانس (b) انگلینڈ (c) امریکہ (d) روس

6۔ مونٹسکیو کا تعلق کہاں سے تھا۔

(a) جرمنی (b) روس (c) فرانس (d) ناگالینڈ

7۔ سماجی معاہدہ کتاب کس نے لکھی؟

(a) کومٹ (b) مونٹسکیو (c) لوکی (d) روسو

8۔ اسپننگ جینی مشین کس نے ایجاد کی؟

(a) جیمز ہارگریویس (b) آرک رائٹ (c) سیموئل کرمپٹن (d) لوئس فلپ

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Question)

1. سماجیات کی ترقی کے اہم عوامل پر ایک مختصر نوٹ لکھیں؟
2. یورپ میں تجارتی انقلاب سے آپ کیا مراد لیتے ہیں؟ چند سطروں میں بیان کریں۔
3. پرانے یورپی معاشرے کی دو خصوصیات کا ذکر کریں۔
4. فرانسیسی انقلاب سے کیا مراد ہے؟ اسے چند سطروں میں بیان کریں۔
5. صنعتی انقلاب کی وجہ سے یورپ میں رونما ہونے والی دو تبدیلیوں کی فہرست بنائیں۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سماجیات کے ظہور کو متاثر کرنے والے دو فکری نقطہ نظر کی نشاندہی کریں۔
2. یوروپ میں سماجیات کے ظہور کی بنیادی وجوہات کیا ہیں؟
3. پرانے یورپی معاشرے کی خصوصیات کا ذکر کریں؟

3.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Berger, P. 1963, *Invitation to Sociology A Humanistic Perspective,* Anchor.
2. Books Double Day & Company, Inc.: New York

اکائی 4۔ سماجیاتی نظریات کے اقسام

(Types of Sociological Theories)

اکائی کے اجزا

4.0 تمہید
4.1 مقاصد
4.2 سماجیاتی نظریات کے اقسام
4.3 کلاسیکی نظریاتی روایات
4.4 فنکشنلسٹ نظریہ
4.5 ساختی فعلیت
4.6 تصادمی نظریات
4.7 علامتی تعامل
4.8 افادیت پسندی کا نظریہ
4.9 نسائی نظریہ
4.10 نسائی نظریہ میں مخصوص توجہ طلب شعبے
4.11 جائزہ
4.12 صنفی اختلافات
4.13 صنفی عدم مساوات
4.14 صنفی جبر
4.15 ساختی جبر
4.16 بنیادی نظریہ
4.17 اکتسابی نتائج

4.19 کلیدی الفاظ
4.20 نمونہ امتحانی کے سوالات
4.21 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں

4.0 تمہید (Introduction)

سماج، انسانی رویے اور سماجی ساخت کو سمجھنے کے لیے ماہرین سماجیات نے اپنی فکر کے مطابق الگ الگ نظریے استعمال کیے ہیں۔ ہر نظریہ سماجی حقیقت اور سماجی اعمال کی اپنے مخصوص انداز میں تشریح کرتا ہے۔ اس اکائی میں سماجیاتی نظریات کے اقسام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

4.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ؛

- کلاسیکی نظریاتی روایات اور فنکشنلسٹ تھیوری یا فنکشنلزم کو سمجھ سکیں
- ساختی فعلیت، تصادمی نظریات، علامتی تعامل، افادیت پسندی کا نظریہ اور نسائی نظریہ سے واقف ہو سکیں
- نسائی نظریہ میں مخصوص توجہ طلب شعبے سے واقف ہو سکیں
- صنفی اختلافات، صنفی عدم مساوات، صنفی جبر اور ساختی جبر سے واقف ہو سکیں۔

4.2 سماجیاتی نظریات کے اقسام (Types of Sociological Theories)

سماجی نظریہ ایک ایسا قیاس ہے جو سماجی حقیقت پر غور کرنے، تجزیہ کرنے یا سماجیات کے نقطہ نظر سے ان کی وضاحت کرنے سے تعلق رکھتا ہے اور سماجی علوم کو منظم کرنے کے لیے انفرادی تصورات کے درمیان روابط پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا علم پیچیدہ نظریاتی فریم ورک اور طریقہ کار پر مشتمل ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سماجی نظریہ اس سیاق وسباق کے بارے میں ماہرین سماجی علوم کا رد عمل ہے جس میں وہ رہتے اور کام کرتے ہیں۔ یہ نظریات سماجی عمل کی تفصیل سے لے کر اس کا تجزیہ اور تشریح ایک وسیع دائرہ کار میں کرتے ہیں۔ کچھ سماجی نظریات سماجی دنیا کے پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہیں اور مستقبل کے واقعات کے بارے میں پیشین گوئی کے قابل بناتے ہیں، جب کہ دیگر وسیع تناظر کے طور پر کام کرتے ہیں جو مزید سماجی تجزیوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ نظریہ سازوں کے سیاق وسباق میں

نظریہ ساز کا زمانی و مکانی پس منظر، ذہن سازی اور اس دور کے مروجہ نظریات ہوتے ہیں جو ایک مفکر کو سماجی نظریہ بنانے کی تحریک دیتے ہیں۔

سماجی نظریہ اور اس کی نشوونما الگ الگ سماجی اور نفسیاتی سیاق میں ہوتی ہے۔ اب ہم اس مجموعی سماجی سیاق وسباق کی تفصیل جاننے کی کوشش کریں گے جس میں سماجیات کا نظریہ تیار ہوا ہے۔

4.3 کلاسیکی نظریاتی روایات (Classical theoretical traditions)

سماجیات کا علم بذات خود نسبتاً نیا ہے اور اسی طرح سماجیات کے نظریات بھی نئے ہیں۔ دونوں کا تعلق 18ویں اور 19ویں صدی کے شدید سماجی تبدیلی کے ان ادوار سے ہے۔ جہاں معاشروں میں صنعت کاری، شہر کاری، جمہوریت اور ابتدائی سرمایہ داری کا ظہور شروع ہو گیا تھا۔ ان تبدیلیوں نے مغربی مفکرین کو معاشرے میں ہونے والی اتھل پتھل کے بارے میں کافی حد تک آگاہ کیا۔ اس طرح مفکرین نے اس سماجی اتھل پتھل کو سمجھنے اور انہیں درست کرنے کے لیے کوشش کی اور نظریات پیش کیے۔

کلاسیکی سماجیات کا اصول کارل مارکس، میکس ویبر، اور ایمائل درکھائم کے کاموں سے تیار کیا گیا ہے۔ کارل مارکس نے تاریخی مادیت اور 'تاریخ کے قوانین' کی ایک خاص سمجھ پر انحصار کیا۔ میکس ویبر کی پروٹسٹنٹ اخلاقیات اور سرمایہ داری کی روح مارکس کی تاریخی مادیت پر تنقید کرتے ہوئے یہ استدلال کرتی ہے کہ سرمایہ داری کو ہوا دینے کے لیے درکار مادی حالات کافی نہیں ہیں اور سرمایہ داری کو بھی نظریاتی فارمولیشن کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ جاگیرداری سے سرمایہ داری کی طرف مکمل طور پر منتقلی کے لیے درکار حالات پیدا کرنے میں مدد ملے۔ دوسری طرف ایمائل درکھائم نے دلیل دی کہ روایتی آدمی سے جدید معاشروں کی طرف منتقلی ایک ارتقائی عمل ہے جس کے لیے ترقی یافتہ معاشروں کے ساتھ ساتھ قدرتی تبدیلیوں کے ذریعے قدیم معاشروں میں مداخلت کی ضرورت ہوتی ہے۔

سماجیاتی نظریہ کے ایک اچھی طرح سے حوالہ کردہ سروے کے ذریعے، رینڈل کولنز (1994) نے مختلف نظریہ سازوں کو چار نظریاتی روایات یعنی فنکشنلزم، تصادم، علامتی تعامل پسندی، اور افادیت پسندی سے تعلق رکھنے والوں کے طور پر دیکھا ہے۔

اگرچہ جدید سماجیات کا نظریہ بنیادی طور پر سماجی ڈھانچے کے فنکشنلسٹ اور تصادم پر مبنی نقطہ نظر سے آتا ہے، لیکن یہ علامتی تعامل پسند روایت سے سماجی تبادلے اور افادیت پسندی وغیرہ سے بھی بہت زیادہ متاثر نظر آتا ہے۔

رین کونل (Raewyn Connell) نے کہا ہے کہ ایک روایت جو اکثر بھلا دی جاتی ہے وہ سماجی ڈارونیت ہے جو سماجی دنیا پر حیاتیاتی ارتقاء کی منطق کا اطلاق کرتی ہے۔ یہ روایت اکثر کلاسیکی فنکشنلزم کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے اور سماجیات کے کئی بانیوں، بنیادی طور پر ہربرٹ اسپنسر، لیسٹر ایف وارڈ اور ولیم گراہم سمنر سے وابستہ ہے۔ عصری سماجی نظریہ ان روایتوں میں سے ہر ایک کے نشانات کو برقرار رکھتا ہے، جو کسی بھی طرح سے ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔

4.4 فنکشنلسٹ نظریہ (Functionalist Theory or Functionalism)

فنکشنلسٹ نظریہ جسے فنکشنلزم بھی کہا جاتا ہے، سماجیات کے اہم نظریات میں سے ایک ہے۔ اس کی ابتدا ایمائل درکھائم کے کاموں سے ہوئی ہے، جو خاص طور پر اس بات میں دلچسپی رکھتے تھے کہ سماجی نظم کیسے ممکن ہے یا معاشرہ نسبتاً مستحکم کیسے رہتا ہے۔ اس طرح، یہ ایک ایسا نظریہ ہے جو روزمرہ کی زندگی یعنی سماج کی چھوٹی سطح کے بجائے سماجی ڈھانچے یعنی اس کی بڑی سطح پر توجہ کرتا ہے۔ اس نظریے کے قابل ذکر نظریہ نگاروں میں ہربرٹ اسپنسر، ٹالکٹ پارسنز اور رابرٹ کے مرٹن شامل ہیں۔

فنکشنلزم معاشرے میں موجود اتفاق اور نظم پر زور دیتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ سماجی استحکام اور مشترکہ عوامی اقدار پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے۔ درکھائم نے معاشرے کو ایک جاندار کے طور پر تصور کیا کیونکہ اس کا ماننا ہے کہ ہر جزو ایک اہم اور ضروری کردار ادا کرتا ہے لیکن اکیلے کام نہیں کر سکتا۔ جب ایک حصہ بحران کا سامنا کرتا ہے، تو دوسرے پر بھی اس اثر پڑتا ہے۔

فنکشنلسٹ نظریے کے مطابق معاشرے کے مختلف حصے بنیادی طور پر سماجی اداروں کی شکل میں ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو مختلف ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بنایا گیا ہوتا ہے۔ فنکشنلزم کے مطابق، ادارہ صرف اس لیے موجود ہوتا ہے کہ یہ معاشرے کی ضرورت کو پورا کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اگر یہ ادارے کردار ادا نہیں کرتے تو وہ خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ جب سماج کو نئی ضرورتیں درپیش ہوتی ہیں تو ان کو پورا کرنے کے لیے نئے ادارے بنائے جاتے ہیں۔

فنکشنلزم معاشرے میں موجود اتفاق اور نظم پر زور دیتا ہے۔ یہ سماجی استحکام اور مشترکہ عوامی اقدار پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ فنکشنلسٹ یہ بھی مانتے ہیں کہ ایک کامیاب معاشرے کا ایک مستحکم سماجی ڈھانچہ ہوتا ہے، جس میں مختلف ادارے منفرد کام انجام دیتے ہیں جو کہ پورے نظام کو برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح جسم کے مختلف اعضاء انسان کو صحت مند رکھنے کے لیے مختلف افعال انجام دیتے ہیں۔۔ جب نظام کا ایک حصہ غیر فعال ہوتا ہے تو یہ دوسرے تمام حصوں پر اثر انداز ہوتا ہے اور سماجی مسائل پیدا کرتا ہے، جس سے سماجی تبدیلی کا آغاز ہوتا ہے۔

صنعتی انقلاب نے تیزی سے شہر کاری کی اور شہروں میں لوگوں کی نقل و حرکت کو تیز کیا۔ کاشتکاری میں تبدیلیاں، بڑھتی ہوئی آبادی میں اضافہ، اور محنت کشوں کی مسلسل بڑھتی ہوئی مانگ نے لوگوں کی بڑی تعداد کو کھیتوں سے شہروں کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ راتوں رات کوئلے یا لوہے کی کانوں کے آس پاس کے چھوٹے چھوٹے قصبے پھیل کر شہر بن گئے۔

ٹالکٹ پارسن کی فنکشنلزم (Talcott Parson's Functionalism)

پارسن کا خیال تھا کہ معاشروں میں کچھ عملی شرائط ہوتی ہیں جنہیں معاشرے کی بقا کے لیے پورا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح انسانوں کو زندہ رہنے کے لیے کچھ چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح ہر معاشرے کو صحیح طریقے سے چلنے کے لیے کچھ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

پارسن کے مطابق ایک سماجی نظام کی چار ضروریات ہیں جنہیں مسلسل بقا کے لیے پورا کرنا ضروری ہے۔ یہ موافقت، ہدف کا

حصول، انضمام اور تاخیر ہیں. ان کو مسائل کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ اگر معاشرے کو زندہ رہنا ہے تو اسے حل کرنا لازمی ہوتا ہے۔

رابرٹ مرٹن کی فنکشنلزم(Robert Merton's Functionalism)

فنکشنلزم کو آگے بڑھانے میں مرٹن کے کردار کو بہت اہم مانا جاتا ہے۔ اس نے اس دور میں رائج فنکشنلزم کی بنیادوں پر تنقید کی اور اس نظریے کو آگے بڑھایا۔ اس کے مطابق سماج کے لئے ضروری نہیں کہ ہر چیز متحد ہو کر ایک دوسرے کے لیے کام کرے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ سب ایک دوسرے سے منسلک ہوں اور ہر ادارہ ہمیشہ فعال ہو۔

4.5 ساختی فعلیت (Structural Functionalism)

سماجیات میں ساختی فعلیت نظریہ کی تعمیر کا ایک فریم ورک ہے جو معاشرے کو ایک پیچیدہ نظام کے طور پر دیکھتا ہے۔ معاشرے کے حصے یکجہتی اور استحکام کو فروغ دینے کے لیے مل کر کام کرتے ہیں۔ یہ نظریہ معاشرے کو کلی اعتبار سے دیکھتا ہے۔ یہ ان سماجی ڈھانچوں پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے جو معاشرے کو مجموعی طور پر تشکیل دیتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ معاشرہ حیاتیات کی طرح تیار ہوا ہے۔ یہ نقطہ نظر سماجی ساخت اور سماجی افعال دونوں کو دیکھتا ہے۔ فنکشنلزم معاشرے کو مجموعی طور پر اس کے اجزاء یعنی اصول، رسم و رواج، روایات اور اداروں کے کام کے لحاظ سے سمجھتا ہے۔

ہربرٹ اسپنسر کے ذریعے مقبول ہونے والی ایک عام تشبیہ معاشرے کے ان حصوں کو ایسے اعضاء کے طور پر پیش کرتی ہے جو مجموعی طور پر جسم کی مناسبت سے کام کرتے ہیں۔

4.6 تصادمی نظریات (Conflict Theories)

تصادمی نظریہ ایک ایسا طریقہ کار ہے جو سائنسی انداز میں معاشرے میں تصادم کے وجود کی وجہ اور اس کی وضاحت فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح، تصادمی نظریے کے حاملین ان اسباب کو دیکھتے ہیں جن سے معاشرے میں تنازعات پیدا ہوتے ہیں اور ان کو حل کیا جاتا ہے۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ہر تنازعہ منفرد ہوتا ہے۔ اس طرح کے نظریات یہ بیان کرتے ہیں کہ معاشروں میں تنازعات کی ابتداء وسائل اور طاقت کی غیر مساوی تقسیم سے ہوتی ہے۔ اگرچہ "وسائل" میں لازمی طور پر کیا شامل ہے اس کی کوئی عالمگیر تعریف نہیں ہے، لیکن زیادہ تر نظریہ ساز میکس ویبر کے نقطہ نظر کی پیروی کرتے ہیں۔ ویبر تنازعات اور تصادم کو طبقاتی، حیثیت اور طاقت کی عدم مساوات کے نتیجے کے طور پر دیکھتا ہے۔

کارل مارکس کو سماجی تصادم کے نظریے کا بانی سمجھا جاتا ہے، جس میں سماجی تصادم سے مراد قابل قدر وسائل پر معاشرے کے طبقات کے درمیان جدوجہد ہے۔ 19ویں صدی تک، مغرب میں ایک چھوٹی سی آبادی سرمایہ دار بن چکی تھی۔ سرمایہ دار وہ افراد ہوتے ہیں جو منافع کے حصول کے لیے فیکٹریوں اور دیگر کاروباروں کے مالک ہیں اور انھیں چلاتے ہیں۔ ان میں سے تقریباً سبھی بڑے پیمانے پر پیداوار کے ذرائع کے مالک ہیں۔ تاہم، نظریہ نگاروں کا خیال ہے کہ سرمایہ داری نے زیادہ تر دوسرے لوگوں کو صنعتی مزدوروں میں تبدیل کر دیا، یا

مارکس کی اصطلاح میں، پرولتاریت بنادیا۔ پرولتاریت ایسے افراد ہیں جنہیں سرمایہ دارانہ معیشتوں کے ڈھانچے کی وجہ سے اجرت کے لیے اپنی محنت بیچنی پڑتی ہے۔ اس تصور کے ذریعے ہی تصادم کے نظریات تاریخی طور پر غالب نظریات کو چیلنج کرتے ہیں اور طبقے، جنس اور نسل سے متعلق طاقت کے فرق کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں۔ تصادم کا نظریہ اس لیے ایک کلی سماجی نقطہ نظر ہے جس میں معاشرے کو عدم مساوات کے میدان سے تعبیر کیا جاتا ہے جو تنازعات اور سماجی تبدیلی کو جنم دیتا ہے۔

سماجی تصادم کے نظریے سے وابستہ دیگر اہم ماہرین سماجیات میں ہیریئٹ مارٹنیو، جین ایڈمز اور ڈبلیو ای بی ڈو بوئس شامل ہیں۔ یہ سماجی نقطہ نظر اس بات کو دیکھتا ہے کہ کس طرح "معاشرتی نمونے" بعض افراد کو معاشرے میں غالب بناتے ہیں اور دوسروں کو مغلوب بناتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس نظریہ پر کچھ تنقیدیں بھی کی جاتی ہیں کہ یہ کس طرح مشترکہ اقدار کو نظر انداز کرتا ہے۔ یہ اس بات کو بھی نظر انداز کرتا ہے کہ کس طرح سے لوگ ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں اور معاشرے کو متحد کرنے میں مدد کرتے ہیں۔

4.7 علامتی تعامل (Symbolic Interactionism)

میکیونیس کے مطابق علامتی تعامل پسند نظریہ معاشرے کو افراد کے روزمرہ کے تعامل کی پیداوار کے طور پر دیکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، یہ نظریہ بہتر طور پر سمجھنے کے لیے ایک فریم آف ریفرنس ہے کہ لوگ علامتی دنیا بنانے کے لیے کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ تعامل کرتے ہیں اور بدلے میں یہ دنیا انفرادی طرز عمل کی تشکیل کیسے کرتی ہے۔

اس نقطہ نظر کے کچھ ناقدین کا کہنا ہے کہ یہ نظریہ ثقافت، نسل، یا صنف یعنی سماجی ڈھانچے کے اثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف سماجی حالات کی ظاہری خصوصیات پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ روایتی طور پر اس نقطہ نظر سے وابستہ اہم سماجی ماہرین میں جارج ہربرٹ میڈ، ایرونگ گوفمین، جارج ہومنز اور پیٹر بلاؤ شامل ہیں۔

جارج ہربرٹ میڈ (1863–1931) کو علامتی تعامل پسندی کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اس نے کبھی اس پر اپنا کام شائع نہیں کیا۔ ہربرٹ بلومر نے "علامتی تعامل پسندی" کی اصطلاح وضع کیا اور بنیادی احاطوں کا خاکہ پیش کیا۔ اس کے مطابق انسان ان چیزوں کے معنی کی بنیاد پر چیزوں کے ساتھ تعامل کرتا ہے۔ چیزوں کے بیان کردہ معنی دوسروں اور معاشرے کے ساتھ ہمارے تعامل سے نکلتے ہیں۔ آر کولنز علامتی تعامل پسندی کو اس مطالعہ کے طور پر دیکھتے ہیں جس طرح افراد اور ان کے ماحول کے درمیان تعامل کے ذریعے سماجی دنیا کی تخلیق ہوتی ہے۔

سماجی سائنسدان جو علامتی تعامل پسندی کا اطلاق کرتے ہیں وہ افراد کے درمیان تعامل کے نمونے تلاش کرتے ہیں۔ ان کے مطالعے میں اکثر ایک دوسرے کے تعاملات کا مشاہدہ شامل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جب سیاسی احتجاج کا مطالعہ کرنے والا ایک تنازعاتی نظریے کا حامل، طبقاتی فرق پر توجہ دیتا ہے تو ایک علامتی نقطہ نظر کا حامل اس بات میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے کہ احتجاج کرنے والے گروہ کے افراد کس طرح بات چیت کرتے ہیں، نیز مظاہرین اپنے پیغام کو پہنچانے کے لیے کن علامتوں کا استعمال کرتے ہیں۔ معاشرے کی تعمیر میں علامتوں کی اہمیت پر توجہ نے ارونگ گوفمین (1922–1982) جیسے ماہر سماجیات کو ڈرامائی تجزیہ (Dramaturgy) نامی تکنیک تیار کرنے

کی طرف راغب کیا۔ گوفمین نے تھیٹر کو سماجی تعامل کی تشبیہ کے طور پر استعمال کیا اور تسلیم کیا کہ لوگوں کے تعاملات ثقافتی "اسکرپٹس" کے نمونے دکھاتے ہیں۔ کیونکہ یہ واضح نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص مخصوص صورت حال میں کیا کردار ادا کر سکتا ہے، گوفمین کے مطابق کیسی بھی صورتحال سامنے آتی ہو فرد کو اس کے لیے اپنے کردار کو بہتر بنانا ہو گا۔

سماجی تبادلہ نظریہ: یہ نظریہ سماجی علوم میں سماجی تعامل کے بڑے نظریات میں سے ایک ہے۔ ہومنس، بلاؤ، اور ایمرسن اس کے کلیدی نظریہ ساز تھے جنہوں نے سماجی تبادلے کے اصل نظریات کو تیار کیا۔ نظریاتی اور تجرباتی پیش رفت میں طاقت اور انحصار، سماجی نیٹ ورکس، باہمی تعاون، انصاف پسندی، سماجی ہم آہنگی، اور یکجہتی کا تجزیہ ان کے کام میں شامل ہے۔ تحقیق کی اس روایت میں تعاون کرنے والوں میں کک، فریڈکن، لالر، مولم، ولر، یاماگیشی اور ان کے ساتھی شامل ہیں۔

4.8 افادیت پسندی کا نظریہ (Utilitarianism Theory)

افادیت پسندی کو سماجیات کے تناظر میں اکثر تبادلہ نظریہ یا عقلی انتخاب کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ یہ روایت اس مفروضے پر آگے بڑھتی ہے کہ افراد ہمیشہ اپنے ذاتی مفاد کو زیادہ سے زیادہ پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جوش وٹفورڈ (2002) کے مطابق، عقلی اداکاروں یعنی افراد کو چار بنیادی عناصر کا حامل قرار دیا جاسکتا ہے۔

1۔ "متبادل کا علم؛"

2۔ "مختلف متبادلات کے نتائج کے بارے میں علم"

3۔ "نتائج پر ترجیحات کی ترتیب؛" اور

4۔ "فیصلہ کرنے کا اصول، ممکنہ متبادل میں سے انتخاب کرنا۔"

ایکسچینج تھیوری خاص طور پر جارج سی ہومنز، پیٹر بلاؤ اور رچرڈ ایمرسن کے کام سے منسوب ہے۔ تنظیمی ماہرین سماجیات جیمز جی مارچ اور ہربرٹ اے سائمن نے اجاگر کیا کہ فرد کی عقلیت سیاق وسباق یا تنظیمی ترتیب سے منسلک ہوتی ہے۔

4.9 نسائی نظریہ (Feminist Theory)

حقوق نسواں کا نظریہ سماجیات کی ایک اہم شق ہے جو اپنے مفروضوں، تجزیاتی طریقوں اور موضوعی توجہ کو مردوں کے نقطہ نظر اور تجربے سے ہٹا کر خواتین کی طرف منتقل کرتا ہے۔ اس کا مقصد صنفی عدم مساوات کی نوعیت کو سمجھنا ہے۔ یہ خواتین اور مردوں کے سماجی کرداروں، تجربات، دلچسپیوں، کام کاج اور حقوق نسواں کی سیاست کا جائزہ لیتا ہے

حقوق نسواں کا نظریہ اکثر صنفی عدم مساوات کے تجزیہ پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ حقوق نسواں کے نظریہ میں اکثر جن موضوعات کی کھوج کی جاتی ہے ان میں امتیازی سلوک، جنسی اعتراض، جبر، پدرانہ نظام، وغیرہ شامل ہیں۔

4.10 نسائی نظریہ میں مخصوص توجہ طلب شعبے (Key Areas of Focus within feminist Theory)

- جنس اور جنس کی بنیاد پر امتیازی سلوک اوراخراج۔
- اعتراض۔
- ساختی اور اقتصادی عدم مساوات۔
- طاقت اور جبر۔
- صنفی کرداراور دقیانوسی تصورات۔

4.11 جائزہ (Overview)

نسائی نظریے سے متعلق ایک غلط فہمی یہ ہے کہ نسائی نظریہ صرف لڑکیوں اور عورتوں پر مرکوز ہے اور اس کا بنیادی مقصد مردوں پر عورتوں کی برتری کو فروغ دینا ہے۔

حقیقت میں حقوق نسواں کا نظریہ ہمیشہ سماجی دنیا کو اس انداز میں دیکھنے پر زور دیتا ہے جو ان قوتوں کی نشان دہی کرے جو عدم مساوات، جبر اور ناانصافی کو پیدا کرتا ہے اور ان کی حمایت کرتا ہے۔ یہ نظریہ عدم مساوات اور جبر وغیرہ کی قوتوں کی نشاندہی کرتے ہوئے مساوات اور انصاف کے حصول کو فروغ دیتا ہے۔

نسائی نظریے کا کہنا ہے کہ چونکہ تاریخی طور پر خواتین اور لڑکیوں کے تجربات اور سماج سے متعلق ان کے نقطہ نظر کو سماجی نظریہ اور سماجی سائنس سے برسوں سے خارج کر دیا گیا تھا۔ اس لیے زیادہ تر حقوق نسواں کے نظریوں نے معاشرے کے اندران باتوں پر توجہ مرکوز کی جن سے اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ سماجی قوتوں، تعلقات اور مسائل کو نسائی نظریے سے دیکھا اور سمجھا جائے۔ اگرچہ پوری تاریخ میں زیادہ تر حقوق نسواں کے نظریہ ساز خواتین رہی ہیں، لیکن آج تمام مرد بھی اس نظم وضبط کے تحت کام کرتے ہوئے دیکھے جاسکتے ہیں۔ سماجی نظریہ کی توجہ کو مردوں کے نقطہ نظر اور تجربات سے ہٹاکر، حقوق نسواں کے نظریہ سازوں نے ایسے سماجی نظریات پیش کیے ہیں جو مردوں کے مقابلے میں زیادہ جامع اور تخلیقی ہیں۔

4.12 صنفی اختلافات (Gender Differences)

سماجی حالات میں خواتین کا مقام اور تجربہ مردوں سے کس طرح مختلف ہے؟ یہ سوال نسائی نظریے کو سمجھنے کے لیے ایک تجزیاتی فریم ورک فراہم کرتا ہے۔

ثقافتی نسائی ماہرین کے مطابق سماجی دنیا میں عورت اور مرد کو مختلف سماجی تجربات درپیش ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے نسوانیت اور عورت سے وابستہ مروجہ سماجی قدریں ہیں۔ حقوق نسواں کے دیگر نظریہ سازوں کا خیال ہے کہ اداروں کے اندر خواتین اور مردوں کو تفویض کردہ مختلف کردار صنفی اختلافات کی بہتر انداز میں وضاحت کرتے ہیں۔

کچھ حقوق نسواں کے نظریہ ساز خاص طور پر اس بات پر توجہ مرکوز کرتے ہیں کہ کس طرح سماج کاری کے ذریعے مردانگی کی نشوونما ہوتی ہے، اور اس کی نشوونما کس طرح لڑکیوں میں نسوانیت کی نشوونما کے لیے ذمے دار ہے جو دونوں صنفوں میں تفریق پیدا کرتی ہے۔

4.13 صنفی عدم مساوات (Gender Inequality)

نسائی نظریات صنفی عدم مساوات پر توجہ مرکوز کرتے ہیں اور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سماجی حالات میں خواتین کا مقام اور تجربہ نہ صرف مختلف ہے بلکہ مردوں کے بالمقابل غیر مساوی ہے۔

آزاد خیال نسائی نظریہ رکھنے والوں کا کہنا ہے کہ خواتین میں اخلاقی استدلال اور ایجنسی کے لیے مردوں کے برابر صلاحیت ہے، لیکن یہ کہ پدری نظام، خاص طور پر کام کی جنس پر مبنی تقسیم نے تاریخی طور پر خواتین کو اس کے اظہار اور اس پر عمل کرنے کا موقع نہیں دیا ہے۔ یہ حقائق خواتین کو گھر کے نجی شعبے میں ڈھکیلنے اور انہیں عوامی زندگی میں شرکت سے باہر کرنے کا کام کرتے ہیں۔ لبرل نسائی نظریہ پسند اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ صنفی عدم مساوات کے اسباب خواتین کے لیے دوسری جنس سے شادی میں موجود ہیں اور خواتین کو شادی شدہ ہونے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

درحقیقت، یہ نسائی نظریات دعویٰ کرتے ہیں کہ شادی شدہ خواتین میں غیر شادی شدہ عورتوں اور شادی شدہ مردوں کے مقابلے میں زیادہ تناؤ ہوتا ہے۔ لہذا، خواتین کے لیے شادی میں برابری کے حصول کے لیے سرکاری اور نجی دونوں شعبوں میں کام کے تقسیم کی جنسی بنیاد تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

4.14 صنفی جبر (Gender Oppression)

صنفی جبر کے نظریات یہ دلیل دے کر صنفی فرق اور صنفی عدم مساوات سے ایک قدم آگے بڑھتے ہیں کہ نہ صرف خواتین مردوں سے مختلف یا غیر مساوی ہیں، بلکہ یہ کہ وہ مظلوم، محکوم اور یہاں تک کہ مردوں کی بدسلوکی کا شکار ہیں۔

صنفی جبر کے دو اہم نظریات ہیں نفسیاتی حقوق نسواں اور بنیاد پرست حقوق نسواں۔

نفسیاتی نسوانی ماہرین نے سگمنڈ فرائیڈ کے انسانی جذبات، بچپن کی نشوونما، اور لاشعور اور لاشعور کے کاموں کے بارے میں نظریات کی اصلاح کے ذریعے مردوں اور عورتوں کے درمیان تعلقات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔

بنیاد پرست حقوق نسواں کا استدلال ہے کہ عورت ہونا اپنے آپ میں ایک مثبت چیز ہے، لیکن اس حقیقت کو پدرانہ معاشروں میں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ وہ جسمانی تشدد کی وجہ پدرانہ نظام کو بتاتے ہیں، لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ اگر خواتین اپنی قدر اور طاقت کو پہچانیں، دوسری خواتین کے ساتھ اعتماد کا رشتہ قائم کریں، جبر کا تنقیدی مقابلہ کریں، اور خواتین پر مبنی علیحدگی پسند نیٹ ورک تشکیل دیں تو پدرانہ نظام کو نجی اور عوامی شعبوں میں شکست دی جاسکتی ہے۔

4.15 ساختی جبر (Structural Oppression)

ساختی جبر کے نظریات کا کہنا ہے کہ خواتین کے ساتھ جبر اور عدم مساوات سرمایہ داری، پدرانہ نظام اور نسل پرستی کا نتیجہ ہے۔ سوشلسٹ فیمنسٹ کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز سے متفق ہیں کہ سرمایہ داری کے نتیجے میں محنت کش طبقہ کا استحصال ہوتا ہے، لیکن وہ اس استحصال کو صرف سماجی طبقے تک محدود نہیں رکھتے بلکہ صنف کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں۔

انٹر سیکشنلٹی نظریہ ساز سماج کے مختلف جہات میں جبر اور عدم مساوات کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بشمول طبقہ، جنس، نسل اور عمر۔ وہ کہتے ہیں کہ تمام خواتین کو یکساں طور پر جبر کا سامنا نہیں ہوتا ہے، اور یہ کہ وہی قوتیں جو خواتین اور لڑکیوں پر ظلم کرنے کے لیے کام کرتی ہیں دیگر پسماندہ گروہوں پر بھی ظلم کرتی ہیں۔

معاشرے میں عورتوں پر ساختیاتی جبر، خاص طور پر اس کی معاشی قسم، صنف کی بنیاد پر اجرت کے فرق میں ظاہر ہوتا ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے کہ مرد اسی کام کے لیے خواتین کے مقابلے زیادہ کماتے ہیں۔

4.16 بنیادی نظریہ (Basic theory)

مجموعی طور پر، مرکزی نظریاتی سوالات اور سماجیات میں اس طرح کے سوالات کی وضاحت سے پیدا ہونے والے اہم مسائل کے حوالے سے ماہرین میں ایک مضبوط اتفاق رائے ہے۔

عام طور پر، سماجی نظریہ مندرجہ ذیل تین سوالوں کے جواب دینے کی کوشش کرتا ہے:

(1) عمل کیا ہے؟

(2) سماجی نظم کیا ہے؟

(3) سماجی تبدیلی کا تعین کیا ہے؟

ان سوالوں کے جواب دینے کی بے شمار کوششوں میں، تین بنیادی طور پر نظریاتی مسائل ابھرتے ہیں، جو زیادہ تر کلاسیکی نظریاتی روایات سے وراثت میں ملے ہیں۔ مرکزی نظریاتی مسائل پر اتفاق رائے یہ ہے کہ درج ذیل "بڑے تین" اختلافات کو کیسے جوڑنا، عبور کرنا یا ان کا مقابلہ کرنا ہے۔

موضوعیت اور معروضیت: علم سے متعلق ہے۔

ڈھانچہ اور ایجنسی: ایجنسی سے متعلق۔

سنکرونک اور ڈائی کرونک: وقت کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔

آخر میں سماجی نظریہ اکثر تینوں مرکزی مسائل کے ذیلی سیٹ کے ساتھ مائیکرو اور میکرو سطح کے سماجی مظاہر کو یکجا کرنے یا اس سے آگے بڑھنے کے مسئلے سے نمٹتا ہے۔ یہ مسائل مکمل طور پر تجرباتی نہیں ہیں۔ بلکہ، وہ علمی ہیں، وہ تصوراتی تصویروں اور تجزیاتی تشبیہات سے

پیدا ہوتے ہیں جنہیں سماجیات کے ماہرین سماجی عمل کی پیچیدگی کو بیان کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

4.17 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

سماجیات ایک نظم وضبط شعبۂ علم کے طور پر جدید معاشرے کی ایک پیداوار ہے۔ سماجیات کی تھیوری، اس لیے جدید معاشرے کا محاسبہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ اٹھارویں صدی کے آخر میں فرانسیسی انقلاب کے دوران اور جنگ اول کے خاتمے کے درمیان کم وبیش انسانی معاشرے کے ظہور اور تبدیلی کے بارے میں تمام کلاسیکی بیانات کے لیے درست ہے۔ یہ وہ دور تھا جس میں لوگوں کی زندگی اور سماجی زندگی میں ڈرامائی تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ اس دور میں مغرب میں ایک لبرل، جدید، نوکرشاہی قومی ریاست پروان چڑھی، جو دیہی، قدامت پسند، الٰہیات سے متاثر جاگیردار ریاستوں سے الگ ہوئی۔ کلاسیکی سماجیات کا نظریہ سماجیات کے ظہور سے وابستہ مسائل اور مسائل پر نظریہ بنانے کے لیے خصوصی طور پر ایک فکری رد عمل ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. فنکشنلسٹ نظریے سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. ساختی جبر کیا ہے؟
3. علامتی تعامل سے آپ کیا معنی مراد لیتے ہیں؟

4.19 کلیدی الفاظ (Key Words)

فنکشنلسٹ تھیوری یا فنکشنلزم: فنکشنلسٹ نظریہ جسے فنکشنلزم بھی کہا جاتا ہے، سماجیات کے اہم نظریاتی تناظر میں سے ایک ہے۔ اس کی ابتدا ایمائل درکھائم کے کاموں سے ہوئی ہے، جو خاص طور پر اس بات میں دلچسپی رکھتے تھے کہ سماجی نظم کیسے ممکن ہے یا معاشرہ نسبتاً مستحکم کیسے رہتا ہے۔ اس طرح، یہ ایک نظریہ ہے جو روزمرہ کی زندگی کو مائیکرو سطح کے بجائے سماجی ڈھانچے کے میکرو سطح پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

تصادم کا نظریہ: تصادم کا نظریہ ایک ایسا نظریہ ہے جو سائنسی انداز میں معاشرے میں تصادم کے وجود کی وجہ سے وضاحت فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح کے نظریات یہ بیان کرتے ہیں کہ معاشروں میں تنازعات کی ابتداء وسائل اور طاقت کی غیر مساوی تقسیم سے ہوتی ہے۔

علامتی تعامل: تعامل پسندی، فینو مینولوجیکل سوشیالوجی، ڈرامہ نگاری، اور ترجمانی سے منسلک ایک سماجی نقطہ نظر ہے جو موضوعی معنی پر زور دیتا ہے اور عام طور پر تجزیہ کے ذریعے، سماجی عمل کے تجرباتی انکشاف پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس طرح کے عمل افراد اور ان کے اعمال پر انحصار کرتے ہیں، جو معاشرے کی ترقی کے لیے بالآخر ضروری ہے۔

4.20 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. سوشیالوجی کی اصطلاح کس نے وضع کی تھی؟

(a) سینٹ سائمن (b) ہربرٹ اسپنسر

(c) اگسٹ کومٹ (d) درکھائم

2. کس نے کہا کہ معاشرے میں محنت کی تقسیم ایک عظیم کام ہے؟

(a) درکھائم (b) ہربرٹ اسپنسر

(c) اگسٹ کومٹ (d) جیرج سمیل

3. پارسن کے مطابق سماجی نظام کی بنیادی کتنی ضرورتیں ہیں؟

(a) ایک (b) دو

(c) تین (d) چار

4. کس نے تاریخی مادیت کی ایک خاص تفہیم پر انحصار کیا؟

(a) اسپنسر (b) مالینووسکی

(c) مارکس (d) سمیل

5. مارکس نے معاشرے کی تاریخی ترقی کے تجزیے کے لیے مخصوص طریقہ کار کو کیا کہا؟

(a) تنازعات کا نقطہ نظر (b) نومارکسی نظریات

(c) تاریخی مادیت (d) جدلیاتی مادیت

6. سماج کا ڈرامائی تجزیہ کس نے کیا؟

(a) گارفنکل (b) گوفمین

(c) پیٹر بلا (d) جارج سیمن

7. بڑے پیمانے پر سماجی ڈھانچے اور تبدیلی کے طویل مدتی عمل کے تجزیہ سے نمٹنے والے نظریات کو کہا جاتا ہے؟

(a) مائیکرو ولیول نظریات (b) میکرو ولیول نظریات

(c) درمیانی رینج نظریات (d) ان میں سے کوئی نہیں

8. علامتی تعامل کا بانی کون ہے؟

(a) ہربرٹ بلومر (b) سگمنڈ فرائیڈ

(b) (c)جارج ہربرٹ میڈ　　(d)کولی

9 . درج ذیل میں کون سانقطۂ نظر سماجی نظم واستحکام پر زور دیتا ہے؟

(a)فنکشنلزم کا نظریہ　　(b)تصادم کا نظریہ

(c) دونوں　　(d)ان میں سے کوئی نہیں

10.ٹالکٹ پارسن کس نظریے کا حامل تھا؟

(a)نظریۂ فنکشنلزم　　(b)نظریۂ تصادم

(c) علامتی نظریے کا　　(d)ان میں سے کوئی نہیں

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Question)

1. سماجی نظریہ سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ اسے چند الفاظ میں بیان کریں۔

2. میڈ کے علامتی تعامل پر بحث کریں۔

3. کلاسیکی سماجی نظریہ کی اہم خصوصیات لکھیں۔

4. حقوق نسواں کے نظریہ سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سماجی نظریہ کیوں اہم ہے؟

2. عصری معاشرے کی جدیدیت کو سمجھنے کے لیے کلاسیکی سماجی اور تنقیدی نظریاتی نقطہ نظر کی نسبتی افادیت کیا ہے؟

3. فنکشنل اور تصادم نظریے میں کیا فرق ہے؟

4.21 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1.Bauman, Zygmunt and May, Tim: Thinking Sociologically, 2nd edn, Blackwell, 2001.

2.Baert, Patrick: Social Theory in the Twentieth Century, Polity, 1998.

3.Bernstein, R. J.: The Restructuring of Social and Political Theory, Blackwell, 1976.

4.Bottomore, Thomas B., 1975. Marxist Sociology. Macmillan: London.

5.Aron, Raymond. 1965. Main Currents in Sociological Thought. Vol. 1, Penguin: Harmondsworth.

اکائی 5۔ کومٹ کی حیات و تاریخ

(Life and History of Comte)

اکائی کے اجزا

5.0 تمہید
5.1 مقاصد
5.2 اگست کومٹ: حیات اور کارنامے
5.3 فکری زندگی اور سماجی و سیاسی حالات
5.4 کومٹ اور سینٹ سائمن: باہمی تعاون اور اختلافات
5.5 کومٹ اور سماجیات کا پسِ منظر
5.6 بلیس پاسکل، چارلس مونٹیسکیو، جیکس ٹرگٹ و دیگر اور کومٹ سے متاثر ماہر سماجیات
5.7 کومٹ کی سماجیاتی افکار کا آغاز
5.8 کومٹ اور جدید سماجی علم کی بنیاد
5.9 اکتسابی نتائج
5.10 کلیدی الفاظ
5.11 نمونہ امتحانی سوالات
5.12 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں

5.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں کومٹ کی ابتدائی زندگی کے باررے میں بتایا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہر مفکر اپنے وقت کے سیاسی حالات سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کی فکر میں اس وقت کے غالب سیاسی اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح کومٹ کے نظریات بھی اس دور کے فکری

اور سیاسی حالات سے آزاد نہیں ہیں ۔ کومٹ یورپی روشن خیال مفکرین سے بہت متاثر نظر آتا ہے ۔ اس اکائی میں کومٹ کی زندگی کے فکری اور سیاسی پہلوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

5.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد طلبہ کومٹ کی زندگی کے بارے میں جان سکیں گے۔ اس اکائی کو درج ذیل مقاصد کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

- کومٹ کی فکری حالات کے بارے میں جاننا۔
- کومٹ کے سیاسی حالات کے بارے میں جاننا۔
- کومٹ کی سماجی فکر کے بارے میں جاننا۔

5.2 اگست کومٹ: حیات اور کارنامے (August Comte: Life and Works)

کومٹ (1798-1857) جنوبی فرانس (Southern France) کے مونٹپلیر (Montpellier) شہر میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین متوسط طبقے سے تھے۔ اس کے والد ایک سرگرم کیتھولک (Catholic) اور مزاجاً کافی محتاط شخص تھے۔ اس کے والد ٹیکس کلیکٹر کے ماتحت ایک مقامی ایجنٹ کے عہدے پر فائز تھے۔ کومٹ نے 1825 میں کیرولین میسن (Caroline Massin) سے شادی کی، لیکن یہ شادی خوش گوار نہیں تھی اور وہ دونوں 1842 میں الگ ہوگئے۔

1845 میں کومٹ کو کلوٹیلڈ ڈی ووکس (Clotilde de Vaux) کے ساتھ گہرا رومانوی اور جذباتی لگاؤ ہوگیا لیکن وہ 'تپ دق کی وجہ سے ایک سال بعد انتقال کر گئی۔ اس جذباتی واقعہ نے کومٹ کے خیالات اور تحریروں پر خاصا اثر ڈالا۔ چھوٹا قد، نازک اور کئی بیماریوں کا شکار ہونے کے باوجود نوجوان اگست کومٹ نے اپنے آبائی شہر کے امپیریل لائسی (Imperial Lycee) میں خود کو ایک نمایاں طالبِ علم کی حیثیت سے ثابت کیا۔ ہیل بورن (Heilborn) نے کومٹ کو ایک پستہ قد، (غالباً 5 فٹ 2 انچ)، ترچھی آنکھوں والا اور سماجی اعتبار سے غیر محفوظ شخص بتایا ہے۔ سولہ سال کی عمر میں کومٹ نے اکول پالیٹیکنیکل (Ecole Polytechnique) میں داخلہ لیا جو کہ فرانس میں طبیعیات (Physics) کا سب سے ممتاز ادارہ تھا۔ اس ادارے کے اسکالرس طبیعیات اور ریاضی میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔ لیکن نوجوان کومٹ کی دلچسپی انسانی امور (Human Affairs) کے مطالعہ میں تھی۔ اس کے زمانے میں کچھ ہی اسکالرس، جیسے کہ ایل۔ جی۔ بونالڈے (L.G. Bonalde) اور جوسیف دی میسٹرے (Joseph de Maistre) تھے جو انسانی امور کے مطالعہ میں دلچسپی رکھتے تھے۔ ریاضی کے پروفیسر ڈینیل انکونٹرے (Professor Daniel Encontre) ہی ایک واحد مدرس تھے جنہوں نے کومٹ پر اپنا گہرا اثر چھوڑا تھا۔

5.3 فکری زندگی اور سماجی و سیاسی حالات

(The Intellectual Life and Socio-Political Circumstances)

اپنے باغی سیاسی نظریات کی وجہ سے کومٹ کبھی بھی کالج کی ڈگری حاصل نہیں کر سکا۔ کومٹ اوراس کی پوری کلاس کو باغی رویے کی بنا پر اکول پالیٹیکنک سے برخاست کر دیا گیا تھا۔ اس اخراج کی وجہ سے کومٹ کے تعلیمی کیریر پر منفی اثر پڑا۔ 1817 کے موسم گرما میں کومٹ کا تعارف کلاوڈ ہینری سینٹ سائمن (Claud Henri Saint Simon) سے ہوا جو کہ اُس وقت پیریوڈک انڈسٹری (Periodic Industry) کے ڈائریکٹر تھے۔ سائمن، کومٹ سے 40 سال سینیئر تھے۔ اُن دونوں نے کئی سال ایک ساتھ کام کیا اور کومٹ نے سائمن کے اس اہم کردار کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے "میں یقیناً سینٹ سائمن کا فکری طور پر نہایت مقروض ہوں۔ وہ فلسفانہ سمت جسے آج میں نے اپنے لیے بنایا ہے اور جس کی میں نے تمام زندگی پیروی کی ہے اُس کی ابتدا سائمن کی بھرپور معاونت سے ہوئی ہے"۔

سینٹ سایمن ایک فرانسیسی سماجی مصلح تھا۔ وہ سوشلزم کے بانیوں میں سے ایک تھا، جس نے جدید معاشرے میں معاشی تنظیم کی اہمیت کو واضح طور پر دیکھا۔ کومٹ کے خیالات سینٹ سائمن سے بہت ملتے جلتے تھے، اور اس کے ابتدائی مضامین میں سے کچھ سینٹ سائمن کی اشاعتوں میں شائع ہوئے۔ تاہم، کچھ وقت کے بعد دونوں کے نقطہ نظر میں اختلافات پیدا ہو گئے، اور کومٹ نے بالآخر سینٹ سائمن سے علاحدگی اختیار کر لی۔ 1826 میں کومٹ نے "مثبت فلسفے کے نظام" پر لیکچرز کا ایک سلسلہ شروع کیا، لیکن شدید اعصابی خرابی کی وجہ سے اس میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ بیماری سے مکمل صحت یابی کے بعد 1828 میں اس نے دوبارہ اپنی پیش کردہ لیکچر سیریز شروع کیا اور یہ اتنی کامیاب ہوئی کہ اس نے کومٹ کو 1829 کے دوران رائل ایتھینیم میں دوبارہ پہنچا دیا۔ اگلے 12 سال اس کے فلسفے کی اشاعت "کورس ڈی فلسفی پازیٹو" (1830/42) "مثبت فلسفہ کا کورس" کے عنوان سے ہوئی۔ یہ چھ جلدوں پر محیط ہے اور اس کا انگریزی ترجمہ "اگست کومٹ کا مثبت فلسفہ" کے نام سے شائع ہوا۔

1832 سے 1842 تک کومٹ ایک ٹیوٹر اور پھر École Polytechnique میں ایک ممتحن تھا۔ آخری سال میں اس نے اسکول کے ڈائریکٹروں سے جھگڑا کر لیا اور اپنی آمدنی کے ساتھ ساتھ اپنا عہدہ بھی کھو دیا۔ بقیہ زندگی کے دوران اس کی جزوی طور پر انگریزی مداحوں جیسے جان اسٹورٹ مل (John Stuart Mill) اور فرانسیسی شاگردوں، خاص طور پر ماہر فلکیات اور لغت نگار میکس میلیئن لیٹرے (Maximilien Littre) نے حمایت کی۔

دوسرے سماجی سائنس دانوں (Social Scientist) کی طرح ہی کومٹ کی سوچ بھی اپنے زمانے کے سماجی اور سیاسی حالات کی بنا پر تشکیل پائی تھی۔ کومٹ کو فرانسیسی انقلاب کے تباہ کن اثرات اور سماجی گروہوں کی بالجبر تباہی کی وجہ سے پیدا ہونے والی خرابیوں (جیسے کہ خاندان اور اداروں میں آنے والی ڈرامائی تبدیلیاں) سے حیرانی تھی۔ یہ تمام تبدیلیاں فرانسیسی انقلاب کے بعد انفرادیت اور توجیہ پسندی کے عروج کی وجہ سے ہو رہی تھیں۔ کومٹ کی پیدائش فرانسیسی انقلاب کے دس سال بعد ہوئی تھی۔ اس انقلاب نے سیاسی انقلاب کے ایک سلسلے کا آغاز کیا جس پر کومٹ کی تمام زندگی محیط ہے۔ سیاسی انقلاب نے پورے یوروپ میں کافی تبدیلیاں پیدا کی ۔ فرانس کی فکری فضاء

سماجی اور سیاسی ہلچل سے گھری ہوئی تھی۔ کومٹ کی پیدائش ڈائریکٹری کے معمول (Rule of Directory) کے دوران ہوئی تھی۔ڈائریکٹری ایک پانچ رکنی کمیٹی تھی جس نے فرانس میں 1795 سے حکومت کی تھی۔اس کے بعد دحشت کا دور آیا جس کی جگہ بعد میں نیپولیین کونسولیٹ (Napolean Consulate) نے لے لی۔

کومٹ نے نیپولین کی سلطنت کے ہنگامہ خیز سالوں یعنی 1815 میں بادشاہی حکومت کی بحالی، 1830 کا انقلاب، 1848 کا انقلاب، ثانوی جمہوریت کا دور، اور لوئس نیپولین کی دوسری حکومت کے دوران وقت گزارا تھا۔ صنعتی انقلاب نے فرانس کے معاشی اور سماجی ڈھانچے کو تبدیل کر دیا تھا۔انیسویں صدی کی ابتدا میں فرانس میں یہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ پرانا نظام تو ختم ہو گیا ہے لیکن ابھی ایک نیا سماجی نظام (Social Order) آنا باقی ہے۔ اس طرح کے پریشان کن اور غیر مستحکم حالات میں اگست کومٹ نے سماجی نظام کی ضرورت پر بہت زور دیا۔ فرانس کے دیگر سماجی مفکرین کی مانند نئی سماجی تبدیلیوں کو سمجھنے کی کوشش کی جو کہ ایک نئے سماجی نظام کو بنیاد فراہم کر سکیں۔

5.4 کومٹ اور سینٹ سائمن: باہمی تعاون اور اختلافات

(Comte and Saint-Simon: Collaboration and Differences of Ideas)

سینٹ سائمن عمر میں کومٹ سے بڑا تھا۔ اپنے ابتدائی سالوں میں کومٹ نے سینٹ سائمن کے سیکریٹری اور شاگرد کی حیثیت سے خدمات کی۔ ان دونوں مفکرین کے خیالات میں کافی حد تک مماثلت تھی۔ لیکن آپسی تعاون کے چند سالوں بعد ان دونوں کے درمیان تلخ بحث شروع ہوئی۔ جس کا نتیجہ ان دونوں کی علیحدگی کی شکل میں ہوا۔ سینٹ سائمن کے کام کا سب سے دلچسپ پہلو قدامت پسندی (Conservative) اور مارکسسٹ (Marxist) نظریوں کی ترویج ہے۔

قدامت پسندی نظریے کے اعتبار سے سینٹ سائمن سماج کو جوں کا توں رکھنا چاہتا تھا اور وہ انسانی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتا تھا۔ جیسا کہ دورِ وسطیٰ (Middle Age) میں یوروپ میں ہوتا تھا۔ نظریے کے اس پہلو سے کومٹ متاثر تھا۔ بنیاد پرستی (Radical) کی جانب سینٹ سائمن نے سماج کی اصلاح بطورِ خاص اقتصادی نظام (Economic System) کی مرکزی منصوبہ بندی کو محسوس کیا۔ سینٹ سائمن ایک مثبت خیال شخص (Positivist) تھا۔ درحقیقت کومٹ کے کام میں سینٹ سائمن کے کافی خیالات پائے جاتے ہیں۔ لیکن کومٹ نے ان خیالات کو زیادہ منظم انداز میں پیش کیا ہے۔

5.5 کومٹ اور سماجیات کا پس منظر (Comte and Background of Sociology)

سینٹ سائمن کے علاوہ کچھ اور شخصیات نے بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ کومٹ کے سماجیاتی اصول کو متاثر کیا ہے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں فرانس کی فکری فضا میں اس بات کو محسوس کیا گیا کہ جس طریقہ کار (Methods) پر طبعی علوم کو واضح کیا جاتا ہے اسی نہج پر سماج

کو بھی واضح کیا جا سکتا ہے۔ اس دور میں سب سے مطلوب اور پائدار اصول جس نے کومٹ کو متاثر کیا وہ سوشل پروگریس کا اصول ہے۔ اس اصول کے مطابق اس بات پر زور دیا گیا کہ سبھی انسانی سماج کو پستی سے بلندی کی طرف گامزن ہونا ہوتا ہے۔

قریب اسی زمانے میں کومٹ نے کلوٹیلڈ ڈی ووکس کی موت کے بعد کے سالوں میں اپنے دوسرے بڑے کام مکمل کئے، جیسے System of Positive Polity؛ 4 vol. 1851-54،Système de politique positive ، جیسی کتابیں لکھیں اور جس میں اس نے سماجیات کی اپنی سمجھ کی تکمیل کی۔ اس پورے کام میں اخلاقیات اور اخلاقی نظم پر زور دیا گیا۔ کومٹ کے مطابق سماجی اخلاقیات سماجیات کا ایک اہم اصول ہونا چاہیے۔

کومٹ ایک انتہائی خود غرض اور انا پرست انسان تھا، لیکن اس نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے اپنے جوش، اپنے فکری عزم، اور اپنی زندگی کے کام کے لیے اپنے سخت محنت سے اس کی تلافی کی۔ اس نے اپنے نظریات کی ترویج، نظام سازی اور معاشرے کی بہتری کے مقصد میں ان کے اطلاق کے لیے انتھک محنت کی۔

ان کی دیگر تحریروں میں The Catechism of Positive Religion؛Catéchisme positiviste1852 اور Subjective Synthesis؛Synthèse subjective 1856" "شامل ہیں۔ عام طور پر، اس کی تمام تحریریں اچھی طرح سے منظم تھیں اور اس کے خیالات متاثر کن طور پر منظم انداز میں آگے بڑھے۔

5.6 بلیس پاسکل، چارلس مونٹیسکیو، جیکس ٹرگٹ و دیگر اور کومٹین سماجیات

(Blaise Pascal, Charles Montesquieu, Jacques Turgot and Other and Development of Comteian Sociology)

پاسکل (Pascal) کا خیال تھا کہ انسانی نسلوں کا تسلسل ایک ایسے فرد کی مانند ہو سکتا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے اور مسلسل علم اکٹھا کرتا رہے۔ مونٹیسک (1755-1689 Montesqieu) نے اپنی مشہور تحریر اسپرٹ آف لاز (1748Spirit of Laws) کے ابتدائی جملوں میں فطرت کے قوانین کی تعریف لکھی ہے۔ جسے عام مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کے مطابق قدرتی قانون (Natural Laws) اجناس کی فطرت سے اخذ ہوتے ہیں۔ جیکس ٹرگٹ (81-1727 Jacques Turgot) نے اپنی تحریر Discourse on Universal History میں پروگریس پر بحث کی۔ اپنی تحریروں میں اس نے بتایا کہ فطرت کے بارے میں انسانی علم میں پیش رفت ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ ذہن کو بھی انسانی تصورات (Anthropomorphic Concept) سے بتدریج نجات ملی۔ انکی رائے میں یہ عمل تین مراحل میں ہوا۔

پہلا یہ کہ لوگوں کا خیال تھا کہ قدرتی مظاہر ذہین مخلوقات کے ذریعے پیدا کئے گئے ہیں، دوسرا، اس نے ان مظاہر کو تدریجی تاثرات کے ذریعے سمجھنا شروع کیا۔ تیسرا، جسموں کے باہمی میکینیکل عمل کا مشاہدہ کرتے ہوئے انہوں نے مفروضہ (Hypothesis) وضع کیا جس کو ریاضی کی مدد سے بنایا جا سکتا ہے اور تجربہ کے ذریعے اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ مارقس دی کونڈورسٹ (Marquis de

(1743-1794) (Condorcet) بھی اپنی تحریر میں ارتقا کے بارے میں لکھتا ہے جس کا عنوان Historical Access on Human Reasons ہے۔ارتقا کے بارے میں اُس کی تحریروں کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ تاریخ میں ارتقا ضروری اور بلا تعطل عمل ہے جس کا انحصار انسانی تصورات ،مابعد الطبیعیات اور فکری مظاہر (Scientific Explanations) کی سائنسی وضاحتوں پر ہوتا ہے۔

کومٹ نے اپنے دور میں یوروپی سماج اور خاص طور پر فرانسیسی سماج میں ہو رہی سنسنی خیز تبدیلیوں کو دیکھا۔ اس نے فرانسیسی انقلاب کے بعد ہونے والی تبدیلیوں کا محاسبہ کیا، جس کے بعد وہ ایک ایسے سماجی نظام کی بنیاد تلاش کرنے لگا جو یورپ کے تاریک دور (Dark Ages) سے مختلف ہو اور نئے سماجی اداروں کو مضبوطی سے تھام سکے۔ اس نے ان ادوار کو ایسے حالات سے گزرتے ہوئے پایا جس میں عصری علوم،جدید ٹیکنالوجی، اور صنعتی انقلاب کی وجوہات سے سماج پوری طرح تبدیل ہو رہا تھا۔ یہ سب تبدیلیاں اس سمت کی طرف تھیں جس کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس دور میں لوگوں نے پر تشدد تصادم کا سامنا کیا۔ ان میں قائم کردہ جذبات، عقائد اور اداروں پر اعتماد کا فقدان تھا لیکن ان کے پاس ان کی جگہ لینے کے لیے کوئی متبادل نہیں تھا۔ کومٹ کا خیال تھا کہ یہ حالات نہ صرف فرانس اور یورپ کے لیے اہم تھے بلکہ پوری انسانی تاریخ ایک اہم فیصلہ کن موڑ پر تھی۔

اس دور میں کومٹ کا خاص کام یہ تھا کہ اس نے اس دور کے فلسفیانہ افکار کو مجتمع کیا۔ اس کوشش میں اس نے اپنے خیالات کی بنیاد کو بنیادی طور پر 18ویں اور 19ویں صدی کے اوائل کے مصنفین سے لیے۔ ڈیوڈ ہیوم (David Hume) اور امینیوئل کانٹ (Immaneul Kant) سے اس نے تصور ثبتیت اخذ کیا-یعنی یہ نظریہ کہ خالص مذہبی پس منظر میں چیزوں کو سمجھنا اور مابعد الطبیعیات علم کے نامکمل طریقے ہیں۔ مثبت علم طبعی علوم کے مظاہر اور ان کی خصوصیات اور تعلقات پر مبنی ہیں جیسا کہ تجرباتی تحقیق (Empirical Research) سے ثابت ہے۔ مختلف فرانسیسی دانشورو مفکرین سے کومٹ نے جدید سماجی سائنس کے لیے ایک فرضی فریم ورک کا تصور لیا جو رومن کیتھولک چرچ میں پائے جانے والے درجہ بندی اور نظم وضبط پر مشتمل تھا۔ مختلف روشن خیال(Enlightenment) فلسفیوں سے اس نے تاریخی تبدیلی کے تصور کو اپنایا۔ سب سے اہم اور قابل غور بات یہ تھی کہ جو سینٹ سائمن کے فلسفیانہ نظریات سے اخذ کی گئی تھی یہ کہ ایک بنیادی اور متحد سماجی سائنس کی ضرورت در پیش ہے جو موجودہ سماجی تنظیموں کی وضاحت کرے اور بہتر مستقبل کے لیے سماجی منصوبہ بندی کی رہنمائی کرے۔ اس نئی سائنس کو کومٹ نے پہلی بار "سماجیات "(Sociology) کہا۔

ثبتیت پسند فلسفے (Positivist Philosophy) میں کومٹ کی اہم شراکت پانچ حصوں میں آتی ہے: اس کا سائنسی طریقہ کار کو مضبوطی سے اپنانا، تین مراحل کے اصول یا سماجی تبدیلی کی وضاحت اس انداز میں کرنا جو سماج کو ثبتیت کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے فلسفیانہ بیانات جو نئے سماجی علوم کو تشکیل دینے میں مدد کرتے ہیں، اور تمام سماجی اصولوں کو اس انداز میں منظم کرنا جس کی مدد سے جدید سماجی علوم کی تشکیل کی جاسکے۔ اس سے آگے بڑھ کر کومٹ نے ایسے فلسفیانہ نظام کی تلاش کے لئے جدوجہد کی جو جدید صنعتی معاشرے کے لیے موزوں سیاسی نظام کی بنیاد بن سکے۔

کومٹ نے جدید سماجی علوم کی بنیاد رکھنے کے لیے انسانی تاریخ کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ انسانی سماج کی تاریخ کو تین بڑے مراحل سے گزرنا پڑا۔ جسکو کومٹ نے "تین مراحل کا قانون"(Law of Three Stages) کا نام دیا۔ اس کے مطابق پہلا

مرحلہ جسے وہ مذہبی مرحلہ (Theological Stage) کا نام دیتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جس میں سماج کے ہر مظہر کو مذہبی طریقے سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ مابعد الطبیعاتی (Metaphysical Stage) مرحلے کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں وضاحتیں جوہر، حتمی وجوہات، اور دیگر تجریدات کے لحاظ سے تھیں۔ اور آخر کار جدید مثبت مرحلے (Stage Positive) کی طرف سماج گامزن ہوتا ہے۔ اس آخری مرحلے کو علم سے آگاہی کے ذریعے ممتاز کیا گیا تھا۔ علم صرف ایک نوع کے طور پر انسان کی فطرت اور اس کے مختلف سماجی اور تاریخی حالات سے متعلق ہو سکتا ہے۔ لہٰذا مظاہر کے درمیان قابل مشاہدہ تعلقات پر مبنی قوانین کی زیادہ سمجھدار دریافت کے لیے مطلق وضاحتوں کو ترک کر دیا گیا۔

کومٹ کی سائنس کی درجہ بندی اس مفروضے پر مبنی تھی کہ سائنس نے سادہ اور تجریدی اصولوں کی سمجھ سے پیچیدہ اور ٹھوس مظاہر کی تفہیم تک ترقی کی ہے۔ لہٰذا، سائنس نے اس طرح ترقی کی کہ ریاضی، فلکیات، طبیعیات، اور کیمسٹری سے حیاتیات اور آخر میں سماجیات تک پہنچا۔ کومٹ کے مطابق اس آخری نظم وضبط نے نہ صرف مراحل کا اختتام کیا بلکہ سماجی حقائق (Social Facts) کا اس نہج پر تجزیہ کرنا شروع کیا جس نہج پر پہلے سے طبعی علوم کا تجزیہ کیا جاتا تھا۔

اگرچہ کومٹ نے سماجیات یا اس کے مطالعہ کے تصور کی ابتدا نہیں کی تھی، لیکن اس نے اس شعبے کو بہت وسیع کیا اور اس کے مواد کو منظم کیا۔ کومٹ نے سماجیات کو دو اہم شعبوں میں تقسیم کیا: پہلا سماجی سکونیت (Social Static) ہے۔ یہ ان قوتوں کا مطالعہ کرتا جو معاشرے کو ایک ساتھ رکھتے ہیں۔ اور دوسرا سماجی حرکیات، یا سماجی تبدیلی کے اسباب کا مطالعہ۔ کومٹ نے اپنے مثبت سیاست کے نظام میں مثالی مثبت معاشرے کے اپنے تصور کا انکشاف کیا۔ اس کا خیال تھا کہ رومن کیتھولک چرچ کی تنظیم، جو کہ عیسائی الہیات سے الگ ہو چکی ہے، نئے معاشرے کے لیے ساختی اور علامتی نمونہ فراہم کر سکتی ہے

کومٹ کے تنقیدی نظریے کو عام یورپی سماج میں مضحکہ خیز قرار دیا گیا تھا۔ لیکن ان کے خیالات نے فرانس کے ایمائل ڈرکھیم (Emile Durkheim) اور ہربرٹ اسپینسر (Herbert Spencer) اور برطانیہ کے سر ایڈورڈ برنیٹ ٹائلر (Sir Edward Bernett Tylor) جیسے قابل ذکر سماجی سائنسدانوں کو متاثر کیا۔

5.7 کومٹ کے سماجیاتی افکار کا آغاز (The beginning of Sociological Thoughts of Comte)

جیسا کہ ہم نے اوپر پڑھا کہ کومٹ سے پہلے بہت سے لوگ انسانی سماج کو الگ الگ طرح سے جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان لوگوں کے فلسفہ نے کومٹ کے سماجیاتی نظریے کو کافی متاثر کیا۔ یہاں پر صرف ایک فلسفی کا ذکر کرنا اہم معلوم ہوتا ہے جو کہ کومٹ کی سماجیاتی فکر کا ایک اہم حصہ ہے۔ اُس فلسفہ کو ہم سماجی تبدیلی کے نام سے جانتے ہیں۔ اسی سماجی تبدیلی کو کومٹ سے پہلے لوگوں نے پروگریس بھی کہا ہے جس کے لغوی معنی عام طور سے ترقی کے لئے جاتے ہیں۔ اس سوچ کے تحت اُس نے اُس وقت کے یوروپی سماج کو ترقی کے سب سے اونچے مقام (Zenith) سے تعبیر کیا۔ ہم اس بحث میں نہ جاتے ہوئے صرف یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ کومٹ نے سماج کو کس انداز میں سمجھا ہے اور پھر اُس کو کس انداز میں بیان کیا ہے۔

کومٹ ایک ایسے علم کی بنیاد مستحکم کرنا چاہتا تھا جو سماجی زندگی کی تحقیق اُس طریقے پر کرے جیسے دیگر علمی ماہرین اپنے علمی شعبوں میں مادہ (Material) کی تحقیق کرتے ہیں۔ ان ماہرین سے مراد فطری علوم (Natural Sciences) کے ماہرین ہیں۔ یعنی جس طرح فزیکس، کیمسٹری یا بایولوجی جیسے مضامین جہاں پر اِن کو جاننے اور سمجھنے کا ایک مخصوص طریقہ طے شدہ قانون پر مبنی ہوتا ہے۔ کومٹ چاہتا تھا کہ وہی مخصوص طریقہ ہم سماجی تحقیق کے لئے بھی استعمال کریں۔ کومٹ سماجیات کی شکل میں ایک ایسے علم کو تشکیل دینا چاہتا تھا جس کی بدولت سماج کا مطالعہ کیا جاسکے۔ کومٹ سماج کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک حصے کو سوشل ڈائنامکس (Social Dynamics) کہا۔ اس سے مراد وہ سماج کے اندر ہونے والی تبدیلیوں سے لیتا ہے۔ دوسرے حصے کو شوسل اسٹیٹسٹکس (Social Statistics) کا نام دیا جس سے مراد سماج کا مستقل رہنے والا حصہ ہے۔

یہ کہنا موزوں ہوگا کہ کومٹ کی علمی تحقیق نے سماجیات کو دیگر فطری علوم کے شانہ بہ شانہ کھڑا کر دیا۔ وہ کہتا ہے کہ اس جدید سماجی علم اور فطری علوم میں کوئی فرق نہیں البتہ یہ کہ انسانی سماج میں کچھ الگ طرح کی پیچیدگیاں ہیں جو کہ فطری علوم کے مسائل سے ہٹ کر ہیں۔ کومٹ کہتا ہے کہ فطری علوم میں قوانین کی تشکیل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر نیوٹن نے نئے سائنسی قانون کو تشکیل دیا اور پرانی سمجھ پر سوالیہ نشان لگایا۔ کومٹ کہتا ہے کہ جدید علمی تحقیق کو غیر سائنسی روایتوں پر مبنی نہیں ہونا چاہئے۔ اُس نے اس بات پر زور دیا ہے کہ نیا سماجی علم عقل (Reasoning) اور سائنسی مشاہدات (Scientific Observation) پر منحصر ہونا چاہئے۔

5.8 کومٹ اور جدید سماجی علم کی بنیاد (Comte & the basis of modern sociology)

سماجیات کے لئے کومٹ کی سب سے اہم خدمت یہ مانا جاتا ہے کہ اُس نے اس جدید سماجی علم کو ایک نام دیا جس نے اسے نئی پہچان دلائی۔ کومٹ وہ پہلا شخص تھا جس نے ایک متفرق سماجی علم کی ضرورت کی نشاندہی کی۔ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے اُس نے یہ کہا کہ بہت سارے علمی شعبہ جیسے دینیات (Theology)، تاریخ، سیاسیات، معاشیات اور آخر میں اخلاقیات پروان چڑھا تاکہ سماج کے الگ الگ شعبوں کو اچھی طرح سے سمجھا جاسکے۔ کومٹ کہتا ہے کہ اب ہمیں ایسے نئے علم کی ضرورت ہے جو کہ صرف سماج کو وضاحت کے ساتھ سمجھنے میں معاون ہو۔ اسی علم کو اُس نے سب سے پہلے سوشل فزکس (Social Physics) کہا اور بعد میں اُس نے اس کا نام بدل کر سماجیات (Sociology) رکھا۔

کومٹ نے یہ محسوس کیا کہ سماج کے تمام مسائل سماجی اداروں جیسے کہ شادی بیاہ، خاندان اور کمیونٹی کے مسائل اور اسی طرح سماجی ڈھانچے (Social Structures) اور سماجی طریق (Social Process) سے متعلق مسائل کی تحقیق کے لئے ایک کامل اور سائنسی علم کا فقدان ہے۔ لہٰذا ایک علم کی ضرورت ہے جو سماجیات ہو سکتا ہے۔ کومٹ نے دو اصطلاحات Socious جو کہ لاطینی اصطلاح ہے اور logos جو کہ یونانی اصطلاح کو جوڑ کر ایک نئی اصطلاح، Sociology بنائی جس کے لغوی معنی سماج کا مطالعہ ہے۔

5.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

مندرجہ بالا بحث کومٹ کی ابتدائی زندگی، اس دور کے سماجی و سیاسی حالات اور اس کی فکری نشو نما کے بارے میں ہے جو اکول پالیٹیکنک کے مفکرین کے ساتھ اسکی گفتگو کی وجہ سے مضبوط ہو رہی تھی۔ چند نامور مفکرین جنہوں نے کومٹ کو متاثر کیا ان میں سینٹ سائمن بہت اہم ہیں۔ فرانسیسی انقلاب اور یوروپی روشن خیالی کے رد عمل میں جدید سماج نے کس طرح شکل اختیار کرنی شروع کی۔ وہ کون سے حالات تھے جن کی وجہ سے اس وقت کے مروجہ سماجی سمجھ کے طریقوں کو ناکافی سمجھا گیا اور ایک سائنسی طریقہ ٔتحقیق کی بناڈالی گئی۔ یہ وہ طریقہ ٔتحقیق ہے جس کا استعمال سماج کے لئے تقریباً اس طرح سے ہو سکے جس طرح فطری علوم یعنی طبیعیات، کیمیا، حیاتیات وغیرہ میں تحقیق کے طریقے اپنائے جاتے ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check your knowledge)

1. کومٹ کی فکری زندگی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
2. کومٹ کی سماجیات میں سینٹ سائمن کی فکری مطابقت پر روشنی ڈالئے۔
3. "معاشرے کو نئے سائنس کی ضرورت" کی وضاحت کیجئے۔

5.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

انفرادیت: انفرادیت ایک اخلاقی موقف، سیاسی فلسفہ اور سماجی نقطہ نظر ہے۔ یہ فرد کی اندرونی قدر پر زور دیتا ہے۔ اس کے مطابق فرد اپنی خواہشات کو فروغ دیتا ہے ساتھ ہی ساتھ آزادی اور خود انحصاری کو اہمیت دیتا ہے۔ اس بات کی وکالت کرتا ہے کہ بیرونی مداخلت کی مخالفت کرتے ہوئے فرد کے مفادات کو سیاست یا سماجی گروہ پر فوقیت حاصل ہو۔

ریشنلائزیشن: اقدار، روایات اور جذبات کو معاشرے میں رویئے کے محرک کے طور پر بدلنے کو ریشنلائزیشن کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے تحت جذباتی اعمال وخیالات کو منطق اور عقلی سوچ کے ذریعے حقائق، نظریات اور اعداد اور شمار کے راستے سے بیان کیا جاتا ہے۔

انقلاب: سیاسی نظام میں اچانک ہونے والی اس تبدیلی کو انقلاب کہتے ہیں۔ جو جزوی نہیں ہوتی۔ یعنی اس تبدیلی کے نتیجے میں تقریباً پورا ڈھانچہ بدل جاتا ہے۔ اس بغاوت کی سیاسی سماجی یا اقتصادی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

سماجی نظم: سماجی نظم سے مراد معاشرے کے باہم منسلک حصوں کی تنظیم ہے سماجی نظم اس وقت موجود ہوتا ہے جب افراد ایک مشترکہ سماجی معاہدے سے اتفاق کرتے ہیں جس میں اصولوں اور قوانین کی پابندی ہوتی ہے اور کچھ معیارات، اقدارات اور اصولوں کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ سماجی نظم اکثر درجہ بندی کے مطابق ہوتا ہے کچھ لوگ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ طاقت رکھتے ہیں تاکہ وہ سماجی نظم کے تحفظ کے لئے ضروری قوانین، قواعد اور اصولوں کو نافذ کر سکیں۔

قدامت پسند: جو شخص سماجی تبدیلی کی مخالفت کرتا ہے اسے قدامت پسند کہتے ہیں کومٹ کے دور میں کچھ قدامت پسند فلسفی فرانسیسی انقلاب کے ذریعے ہونے والی سماجی تبدیلی کے مخالف تھے۔

5.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. مندرجہ ذیل میں سے کس شہر میں کومٹ پیدا ہوا تھا؟

(a)مونٹ پیلیئر (b)پیرس (c)وارسا (d)مارسیل

2. مندرجہ ذیل میں سے کس ادارے میں کومٹ نے سولہ سال کی عمر میں داخلہ لیا تھا؟

(a)امپیریل لائسی (b)ایکول پولی ٹیکنیک (c)اکیڈمی (d)آکسفورڈ

3. کومٹ کے زمانے میں درج ذیل مضامین میں سے اکثر علماء کی دلچسپی کس میں تھی؟

(a)ریاضی (b)طبیعیات (c)دونوں(a)اور(b) (d)سماجیات

e)مندرجہ بالا میں سے کوئی نہیں۔

4. کومٹ کے زمانے میں درج ذیل علماء میں سے کون انسانی معاشروں کے مطالعے پر زور دے رہا تھا؟

(a)ارسطو (b) درکھائم (c)بونالڈے (d)استاد

5. کومٹ نے مندرجہ ذیل میں سے کس کے ساتھ مل کر انسانی معاشروں کے مطالعے پر کام کیا ہے؟

a) جین پال سارتر (b)فوکو اور گڈنز (c)سینٹ سائمن (d)بونالڈے اور مستری

6. کتاب جس کا عنوان ہے، 'قوانین کی روح' کس کی تصنیف ہے؟

(a)استاد (b)سینٹ سائمن (c)کومٹ (d) مانٹسکیو

7. سماجی ارتقا کا نظریہ درج ذیل میں سب سے پہلے کس نے دیا؟

(a)کومٹ (b)ڈیریڈا (c)اسپنسر (d)جیک ٹورگٹ

8. 'انسانی وجہ کی ترقی پر تاریخی مضامین' درج ذیل میں کس کے ذریعے لکھا گیا تھا؟

(a)کنڈورسیٹ (b)مرٹن (c) درکھائم (d) اگست کومٹ

9. درج ذیل میں کس نے سماجیات کو 'سوشل فزکس' کا نام دیا تھا؟

a)کومٹ (b) درکھائم (c)کارل مارکس (d)سینٹ سائمن

10. مندرجہ ذیل میں سے کس نے یہ خیال پیش کیا کہ انسانی معاشروں کا مطالعہ "فطری علوم" کے مطالعہ کے مترادف ہو سکتا ہے؟

(a) ہربرٹ اسپنسر (b) رابرٹ کنگ مرٹن (c) کنگسلے ڈیوس (d) اگست کومٹ

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. سماجیات کے بنیادی موضوع پر مختصراً بحث کریں۔
2. آپ روشن خیالی (Enlightenment) سے کیا سمجھتے ہیں؟
3. فرانسیسی انقلاب اور سماجیات کی ترقی پر اس کے اثرات کی وضاحت کریں۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سماجیات کے موضوع پر بحث کریں۔
2. آپ سوشل پروگریس (Social Progress) کی اصطلاح سے کیا سمجھتے ہیں؟ کومٹ کی سماجیات پر اس کے اثرات کی وضاحت کریں۔
3. کومٹ کی سماجیات میں سینٹ سائمن اور مونٹیسکیو کے کردار پر بحث کریں۔

5.12 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Coser, l. A. (2011). *Masters of Sociological Thought.* Jaipur: Rawat Publication.
2. Inkeles, A. (2010). *What is Sociology?* New Delhi: PHI Learning Private Limited.
3. Ritzer, G., & Goodman, D. (1986). *Sociological Theory.*
4. S, T. N., & Theoderson, G. A. (1976). *Sociological Theory: its Nature and Growth.* Toronto: Random House of Canada Limited.

اکائی 6۔ تین مراحل کا قانون

(Law of Three Stages)

اکائی کے اجزا

6.0	تمہید
6.1	مقاصد
6.2	انیسویں صدی کی ابتدا میں فرانس
6.3	مونٹیسکیو
6.4	جیک ٹورگٹ اور Progress کا فلسفہ
6.5	مارکس دی کونڈورسٹ
6.6	انسانی ذہن کی نشوونما اور سماجی ترتیب میں تبدیلیاں
6.7	تین مراحل کا قانون
6.8	معاشرے کی سماجی ارتقاء اور سائنسی مرحلہ
6.9	اکتسابی نتائج
6.10	کلیدی الفاظ
6.11	نمونہ امتحانی سوالات
6.12	مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں

6.0 تمہید (Introduction)

پچھلی اکائی میں ہم نے کومٹ کی زندگی کی تاریخ، اس کے سماجی وسیاسی حالات اور سماجی نظریات کی ارتقاکے بارے میں پڑھا ہے۔ کومٹ کے سماجی نظریات نے سماجی تبدیلی کے ارتقائی نظریے کی بات کی ہے۔ سماجی تبدیلی کے ارتقائی نظریے کی جھلک اس کے "تین مراحل کا قانون" میں ملتی ہے۔ کومٹ کا نظریہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ تین فکری مراحل ہیں جن کے مطابق دنیا

کی پوری تاریخ گزری ہے۔ کومٹ کے مطابق نہ صرف دنیا ان مراحل سے گزرتی ہے بلکہ گروہ، معاشرے، سائنس، افراد اور ذہن بھی انہی تین مراحل سے گزرتے ہیں۔ اس نے ان مراحل کو تین اہم حصوں میں تقسیم کیا:

a) مذہبی مرحلہ (Theological Stage)

b) مابعد الطبیعیاتی مرحلہ (Meta Physical Stage)

c) سائنسی یا مثبت مرحلہ (Scientific or Positivistic Stage)

کومٹ کے مطابق مذہبی مرحلے میں مذہبی فکر کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے تمام امور کو اسی نظریے سے دیکھا جاتا ہے۔ مابعد الطبیعیاتی مرحلے پر روحانیت کا غلبہ ہوتا ہے اور سائنسی مرحلے پر سائنس کا غلبہ ہوتا ہے۔ یعنی سماجی مسائل اور اس کے مختلف پہلو سائنسی نقطہ نظر سے بیان کیے جاتے ہیں۔

6.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے سے آپ کو درج ذیل معلومات حاصل ہوں گی؛

- مونٹیسکیو، جیک ٹورگٹ اور مارکس دی کونڈورسٹ کے فلسفہ سے واقف ہو سکیں گے۔
- انسانی ذہن کی ترقی اور سماجی تبدیلی کے حوالے سے بھی معلومات حاصل ہو گی۔
- کومٹ کے تین مراحل کے قانون سے واقفیت ہو سکے گی۔

6.2 انیسویں صدی کی ابتدا میں فرانس (France in the Early Nineteenth Century)

اُنیسویں صدی کا دور فرانس کے سماجی اور سیاسی نظام میں فیصلہ کُن تبدیلی کا دور تھا۔ اس دور میں مفکرین نے مختلف موضوعات پر لکھے گئے فلسفے کو یکجا کرنے کی کوشش کی۔ یہ بات درست ہے کہ معاشرے کے تیئں فکری نظریات ان خیالات پر مبنی ہیں جو اس دور کے دانشوروں نے لکھا۔ اسی دور میں کومٹ نے "تین مراحل کا قانون" سے متلق بنیادی اصولوں کو یکجا کیا اور اس کو فروغ دیا۔ اس اکائی میں ہم ان دانشوروں کے خیالات پر غور کریں گے، جنہوں نے کومٹ کے نظریات کو بالواسطہ یا بلاواسطہ متاثر کیا ہے۔

6.3 مونٹیسکیو (Montesquieu)

اس نے حکومت کی مختلف شکلوں اور ان کے متعلقہ فائدے اور نقصانات کا ایک فطری خاکہ تیار کیا۔ اس نے اس خاکے کو یہ دکھانے کے لیے استعمال کیا کہ حکومتوں کو کس طرح بدعنوانی سے پاک رکھا جاسکتا ہے۔ اس نے جابرانہ حکومت کو کسی بھی ایسی حکومت کے لیے ایک مستقل خطرے کے طور پر دیکھا جو جابر نہیں تھی، اور دلیل دی کہ اس سے بہترین نظام کے ذریعے بچا جاسکتا ہے جس میں الگ الگ ادارے قانون سازی، انتظامی اور عدالتی اختیارات کا استعمال کرتے ہوں اور سبھی اس قانون کے پابند ہوں۔ اپنی مشہور کتاب اسپرٹ آف

لاز (Spirit of Laws) کے پہلے جملے میں اس نے فطرت کے قوانین (Natural Laws) کی تعریف پیش کی۔ اس کے مطابق قانون اور سماج کے درمیان گہرا تعلق ہے۔

6.4 جیک ٹورگٹ اور ترقی کا فلسفہ (Jacques Turgot and idea of progress)

کومٹ ٹورگٹ کے پروگریس کے نظریے سے بہت متاثر تھا۔ ٹورگٹ پہلا مفکر تھا جس نے انسانی علم کی ترقی کے حوالے سے پروگریس یعنی ترقی پر بحث کی۔ انسانی ذہن کی تاریخی پیش رفت پر ٹورگٹ نے پروگریس کے موضوعات پر اٹھارہویں صدی کے آخر میں لکھا۔ ٹورگٹ کا خیال تھا کہ بنی نوع انسان کی تاریخ نے انکشاف کیا ہے کہ سچائی تک پہنچنے کے لیے اسے ہزار غلطیاں کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن اس نے اٹھارویں صدی کے ان مصنفین سے اختلاف کیا جنہوں نے فوری تجربے پر بہت زیادہ زور دیا اور اس طرح تاریخ کو محض انسانی حماقت کے ریکارڈ کے طور پر دیکھا۔ اسکا نظریہ تھا کہ انسانی ترقی کو ماضی کی غلطیوں سے بچ کر اور تاریخ کے گہرے علم سے حاصل کی گئی حکمت سے مطلع انسانی ارادے کے عمل سے حاصل کیا جاسکتا ہے ۔ اس طرح ٹورگٹ معاشی تاریخ کا ایک محنتی طالب علم بن گیا جس نے سرمایہ کی تشکیل (Capital Formation) اور مادی ترقی (Material Progress) کے باہمی انحصار کو نظر انداز کرنے کی حماقت پر گراں قدر روشنی ڈالی۔ 1750 میں دیے گئے ایک خطاب میں اور عالمگیر تاریخ پر ایک مختصر گفتگو میں اس نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ فطرت کے بارے میں انسانی علم کی پیش رفت اس کے ذہن کی انسانی تصورات (Anthropomorphic Concept) سے بتدریج نجات سے جڑی ہوئی ہے۔ ان کی رائے میں یہ عمل تین مراحل میں ہوا۔

1. لوگوں کا خیال تھا کہ فطری مظاہر ذہین مخلوقات کی طرف سے پیدا کیے گئے ہیں، جو کہ پوشیدہ ہیں لیکن خود ان سے مشابہت رکھتے ہیں۔
2. انہوں نے ان مظاہر کو تجریدی تاثرات، جیسے جوہر اور فیکلٹی کے ذریعے سمجھنا شروع کیا۔
3. جسموں کے باہمی مشینی عمل کا مشاہدہ کرتے ہوئے، انہوں نے ایسے مفروضے (Hypothesis) تیار کئے جسے ریاضی کے ذریعہ تیار کیا جاسکتا ہو اور تجربے کے ذریعہ اس کی تصدیق کی جاسکتی ہو۔

6.5 مارکس دی کونڈورسٹ (Marquis de Condorcet)

سماجی ارتقا و ترقی یعنی سوشل پروگریس کے فکری نظریہ کا ایک اور مرکزی کردار کنڈورسیٹ تھا۔ اس نے اپنے خیالات کا اظہار Historical Essays on the Progress of Humans Reason کے عنوان سے کیا۔ یہ تحریر اس کی پھانسی سے کچھ پہلے جیل میں لکھی گئی تھی۔ اس نے تاریخ کے خاکہ میں انسانی ارتقا کا سراغ لگایا اور سائنس کے امکانی تصور کا استعمال کیا جو نسل انسانی کی مستقبل کی پیش رفت کا اندازہ لگا سکتی ہے اور اس طرح اس کو ہدایت اور رفتار دے سکتی ہے۔ ایسے قوانین وضع کرنے کے لیے جن سے مستقبل کی پیشین گوئی ممکن ہو، تاریخ کو صرف افراد کی تاریخ نہیں بننا چاہیے بلکہ انسانی عوام کی تاریخ بننا چاہیے۔ اور جب یہ تبدیلی مکمل ہو جائے گی تو

مستقبل کی پیشین گوئی ممکن ہو جائے گی، جو ضروری اور غیر متغیر قوانین کے علم پر مبنی ہوگی۔ اس بات پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ انسانی معاملات کو چلانے والے ایسے قوانین موجود نہیں ہیں۔ ان میں سے اکثر قوانین ابھی تک نامعلوم ہیں، لیکن تاریخی مشاہدے کی بنیاد پر اس بات کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یہ پیش رفت ضروری ہے۔ وہ تہذیب کی تاریخ کو سائنس کی ترقی میں ایک جز کے طور پر بیان کرتا ہے۔ سائنسی ترقی اور انسانی حقوق اور انصاف کی ترقی کے درمیان گہرے تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ اور مستقبل کے عقلی معاشرے کی خصوصیات کا خاکہ پیش کرتا ہے جو مکمل طور پر سائنسی علم سے تشکیل پاتا ہے۔ اس نے پروگریس کے تصور کو روشن خیالی کی فکر کا مرکزی خیال بھی بنایا ہے۔ کنڈورسیٹ نے استدلال کیا کہ فطری اور سماجی علوم میں فطری وسعت دینے سے انفرادی آزادی، مادی اثر و رسوخ اور اخلاقی ہمدردی کا اور بھی زیادہ منصفانہ دنیا میں اضافہ ہوگا۔ اس کا خیال تھا کہ اپنے حواس کے استعمال اور دوسروں کے ساتھ بات چیت کے ذریعے علم کا موازنہ کیا جاسکتا ہے۔

کنڈورسٹ کی کوئی بھی تحریر کسی مذہب یا خدا پر یقین کا حوالہ نہیں دیتی جو انسانی معاملات میں مداخلت کرتا ہو۔ اس کے بجائے، اس نے اکثر خود انسانیت میں اپنے ایمان اور فلسفیوں کی مدد سے ترقی کرنے کی صلاحیت کے بارے میں لکھا۔ اس نے تصور کیا کہ انسان ایک مکمل یوٹوپیائی معاشرے (Utopian Society) کی طرف مسلسل آگے بڑھ رہا ہے۔ تاہم اس نے اس بات پر زور دیا کہ اس کو ممکن بنانے کے لیے انسان کو نسل، مذہب، ثقافت یا جنس سے قطع نظر متحد ہونا چاہیے۔

6.6 انسانی ذہن کی نشوونما اور سماجی ترتیب میں تبدیلیاں

(Growth of Human Mind and Changes in the Social Order)

تین مراحل کے قانون کے پیچھے اس کا "مثبت فلسفہ" (Positive Philosophy) کا نظریہ ہے۔ مثبت فلسفے کے نظریے کی تسکین کے لیے اس نے معاشرے میں ہونے والی تبدیلیوں سے متعلق متعدد بحث کی۔ کومٹ نے کہا "انسانی ذہن کا فکری ارتقا سماجی تبدیلیوں کی طرح ہے"۔ انسانی ذہن کی نشوونما کے بارے میں کومٹ نے استدلال کیا کہ انسانی ذہن کے ارتقاء میں ہر ایک متواتر مرحلہ یا ذیلی مرحلہ لازمی طور پر پچھلے مرحلے سے بڑا ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی تحریر System of Positive Polity میں لکھا ہے کہ نئے نظام کی تشکیل پرانے کی تباہی سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ کومٹ نے بنیادی طور پر انسانی ذہن کی ترقی اور ترقی پسند آزادی کے مراحل پر توجہ مرکوز کی، لیکن اس نے زور دیا کہ یہ مراحل سماجی تنظیم کی ترقی کے متوازی مراحل، سماجی ترتیب کی اقسام، سماجی اکائیوں کی اقسام، اور مادی حالات کے ساتھ مربوط ہیں۔ اس کا ماننا ہے کہ ان سبھی کی نشوونما اسی طرح ہوئی ہے جس طرح ایک ترقی پسند ذہن میں تبدیلیاں آتی ہیں۔

کومٹ نے زور دے کر کہا کہ کوئی بھی نئی فکری یا سماجی ترتیب پرانے سے نکلتی ہے۔ اس کے مطابق ایک سماجی نظام سے دوسرے نظام تک کا گزر کبھی بھی مسلسل اور براہ راست نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت، انسانی تاریخ متبادل "نامیاتی" (Organic) اور "تنقیدی" (Critical) ادوار سے ہوتے ہوئے یہاں تک پہنچی ہے۔ نامیاتی ادوار میں، سماجی یکجہتی اور فکری ہم آہنگی غالب رہتی ہے، اور سماجی نظام کے مختلف حصے توازن میں رہتے ہیں۔

6.7 تین مراحل کا قانون (Law of Three Stages)

مثبت فلسفہ کی حقیقی قدر اور کردار کو سمجھنے کے لیے ہمارے دماغ میں انسانی ذہن کی ترقی اور پروگریس پسند روش کا نظریہ ہونا چاہیے۔ تین مراحل کے قانون کے مطابق، ہمارے علم کی ہر شاخ، تین مختلف نظریاتی حالات سے یکے بعد دیگرے گزرتی ہے: مذہبی یا فرضی (Theological or Fictious) مابعد الطبیعیاتی یا تجریدی (Metaphysical or Abstract)؛ اور سائنسی یا مثبت(Scientific or Positive)مرحلہ۔ دوسرے لفظوں میں انسانی ذہن اپنی فطرت کے اعتبار سے فلسفہ سازی کے تین طریقے اپنی ترقی میں استعمال کرتا ہے، جن کا کردار بنیادی طور پر مختلف ہے، اور یہاں تک کہ یکسر مخالف بھی ہے۔ کومٹ نے یہ بات کہنے کی کوشش کی کہ پہلا مرحلہ، جو کہ مذہبی ہے، ضروری طور پر انسانی فہم کا ابتدائی نقطہ ہے۔ دوسرا، یعنی مابعد الطبیعیاتی مرحلہ محض منتقلی کی حالت ہے اور تیسرا، یعنی سائنسی مرحلہ معین اور حتمی مرحلہ ہے۔ اب ہم ہر ایک مرحلے پر الگ الگ بحث کریں گے، یعنی مذہبی، مابعد الطبیعیاتی اور سائنسی مرحلے پر۔

مذہبی مرحلہ (The Theological Stage)

مذہبی مرحلے میں انسانی ذہن ایک مخلوق کی حیثیت سے دنیا کے اندر ہونے والے واقعات کے اسباب تیار کرتا ہے۔ اجمالاً کہا جائے تو اس دور کا انسانی علم یہ مان لیتا ہے کہ تمام مظاہر مذہبی اشیا کے عمل سے پیدا ہوتے ہیں۔ مذہبی مرحلہ وہ پہلا مرحلہ ہے جس نے یہ بتایا کہ A.D. 1300 سے پہلے ہونے والے تمام مظاہر کی جڑ میں مذہبی اشیا کا دخل ہے۔ معاشرے کے ہر مرحلے کے بارے میں واضح فہم فراہم کرنے کے تعلق سے کومٹ نے سماجی اداروں کی ارتقاء کی واضح تفصیل دینے کی کوشش کی ہے۔ کومٹ نے سماج کے مذہبی مرحلے کی خصوصیات کو واضح کرنے کے لیے نسلی اور مغربی تاریخی اعداد و شمار پر روشنی ڈالی۔ اس نے اس مرحلے کو تین ذیلی مراحل یا ادوار میں تقسیم کیا۔

1. اشیاء پرستی (Fetishistic)
2. تعدد پرستی(Polytheistic)
3. ایکتا پرستی (Monotheistic)

(1) Fetishism، Fetish کا مطلب بے جان اور 'ism' کا مطلب ہے فلسفہ۔ یہ ایک ایسا فلسفہ ہے جس کا ماننا ہے کہ سپر نیچرل طاقت بے جان شے میں رہتی ہے۔ اشیاء پرست مذہب کی ایک شکل کے طور پر شروع ہوا جس نے کہانت کو خیر باد کہا۔ جب دنیا میں موجود ہر چیز کو زندگی سے مماثل سمجھا جاتا ہے، تو لکڑی، پتھر، کھوپڑی وغیرہ کے ٹکڑوں کو قدرتی طاقتوں کی رہائش گاہ تصور کیا جاتا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ چیزیں قدرتی طاقت کی حامل ہیں۔ کومٹ نے کہا کہ ایک چھوٹی اور مبہم سوچ اس دور میں پروان چڑھتی ہے جس میں کسی بھی واقعہ کو کسی چیز کی مرضی یا خواہش سے منسوب کرکے اس کی

وضاحت کی جاسکتی ہے۔مثال کے طور پر، ڈوب کر کسی فرد کی موت زندگی اور موت کے حتمی معنی پر ترغیب نہیں دے گی بلکہ اسے محض کچھ بدخوار دریا کی روح کے عمل کے طور پر دیکھا جائے گا۔

کومٹ کاماننا ہے کہ سماجی بندھن جو اشیاپرست سماج میں مضبوط تھا بعد میں ارتقائی پیش رفت کے چلتے کمزور ہوگیا۔ حالانکہ کومٹ نے جانوروں کے پالنے، زراعت، فوجی تنظیم، تجارت اور کرنسی کی پیداوار اور استعمال کی ایجاداور شروعات کے لحاظ سے اشیاپرست دور کومددگار پایا ہے۔ کومٹ کا خیال ہے کہ سماج کے اشیاپرست دور کی سب سے بڑی اہمیت سماجی سرگرمیوں اور سماجی تنظیم کی ابتدا تھی جس پر بعد میں سماجی ترقی کو وسیع اور تعمیر کیا گیا۔

کومٹ نے لکھا کہ اشیاپرستی کی اعلی ترین شکل "ستاروں کی عبادت" ہے۔اس مرحلے نے مذہبی مرحلے کے تعدد پرستی کے دور میں ایک عبوری مرحلے کے طور پر کام کیا۔ستارہ پرستوں کے ساتھ کاہن اور جادوگر اٹھے۔لوگوں کی زندگیوں پر ستاروں کے تصور اور دیگر آسمانی اجسام کے اثرات نے بشری دیوتاؤں کے تصور کی بنیاد فراہم کی جو خود کو انسانی معاملات سے متعلق رکھتے تھے۔تعددپرستی کے عروج کے ساتھ، دنیا کی اشیاء کو اب ان کی اپنی روحوں کے طور پر نہیں سمجھا جاتا تھا۔بلکہ انہیں بے جان اور غیر فعال مادوں کے طور پر دیکھا جاتا تھا جو دیوتاؤں کی مرضی سے انسانی زندگی میں ہیرا پھیری کرنے کے قابل تھے۔

(b) تعددپرستی(Polytheistic)

"Poly"کا مطلب ہے بہت سےیعنی اس دور میں متعدد خداؤں کی پرستش ہوتی تھی۔ جب انسان کا قدرتی مظاہر کے اقسام سے سامناہوا تب اس نے ہر واقعہ کو ایک خاص اور نظر نہ آنے والی طاقت سے جوڑ دیا۔اس دور میں روح یا مخصوص دیوتا کو کسی مخصوص واقعہ کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا، مثال کے طور پراگر بارش کو ایک قدرتی فعل مان لیا جائے تب کہا جا ئے گا کہ کوئی پوشیدہ چیز یا دیوتا اسکے لیے ذمہ دار ہے۔لوگوں نے ان دیوتاؤں کی خیرخواہی اورخوشی حاصل کرنے کے لیے پجاریوں کا طبقہ بنایا۔جو پورے سماج کی ان دیوتاؤں کے سامنے نمائندگی کر سکے۔

کومٹ نے تعددپرستی دور کو سماجی ارتقا کے طویل ترین دور کے طور پر پیش کیاہے۔اس دور میں پجاری اور بادشاہوں کے مشترکہ عروج، ایک منظم پجاری گروہ، جارحانہ توسیع پسندانہ جنگ، غلامی کا ظہور، اور فنون لطیفہ میں ترقی ہوئی۔کومٹ نے استدلال کیا کہ تعددپرستی کے دور میں دونوں اداروں نے معاشرے کے حجم اور ہم آہنگی کو بڑھانے کا مقصد پورا کیا اور ان سے زیادہ بڑے اجتماعی اداروں کی تکمیل کو ممکن بنانے میں مدد کی جو پہلے شروع کیے گئے تھے۔اس دوران پجاری گروہ، دنیوی سرگرمیوں سے ہٹا دیئے گئےاور حکمران طبقہ سائنسی تحقیق، تکنیکی اختراعات، اور جمالیاتی فنون تیار کرنے میں وقت اور محنت صرف کرنے لگا۔کومٹ کا یہ بھی ماننا تھا کہ اس دور کی جارحانہ جنگ نے پورے مشرکانہ معاشرے میں عسکری اخلاقی نظریات کو جنم دیا۔درحقیقت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تعددپرستی کا مرحلہ ، مذہبی مرحلے کا طویل ترین دور ہے۔کومٹ نے مذہبی سماج کے تعددپرستانہ دور کو مسلسل تین مراحل میں تقسیم کیا:

1. **مصری تعدد پرستی (Egyptian Polytheism)**

اس دور میں پجاری اور دوسرے لوگوں کے درمیان "اجتماعی بندگی" کے نظام میں سخت ذات پات کی تقسیم تھی۔

2. **یونانی تعدد پرستی (Greek Polytheism)**

یہ دور مستحکم ذات کی تقسیم (Caste Division) کے ٹوٹنے اور فکری تحقیقات کے عروج کی نمائندگی کرتا تھا۔اس میں خاص طور پر ریاضی اور فلسفیانہ قیاس کی ترقی ہوئی۔

3. **رومی تعدد پرستی (Roman Polytheism)**

اس دور میں جنگ و جدل کو بڑھانے پر زور دیا گیا۔ مصری اور یونانی مراحل میں ہونے والی سماجی ترقی کو آگے ہونے والی ترقی کے لیے استعمال کیا۔اس دور میں دیوتاؤں کی درجہ بندی کے ساتھ سب سے طاقتور معبود کے کنٹرول پر زور دیا گیا۔

(c) ایکتاپرستی کامرحلہ(Monotheistic)

اس کا مطلب ایک معبود کی عبادت ہے۔ایکتاپرستی فکر ، مذہبی مرحلے کا عروج ہے۔کومٹ کاماننا ہے کہ ایکتاپرست دور سماج کے مذہبی مرحلے کے آخری دور کو تشکیل دیتا ہے۔اس کا خیال تھا کہ ایک بار جب کوئی معاشرہ اس دور تک پہنچ جاتا ہے جہاں مظاہر کی وضاحت بنیادی طور پر ایک واحد قوت کے حوالے سے ہوتی ہے،تو مذہبی سوچ اس کی وضاحتی افادیت اور ارتقائی ترقی کو ختم کر دیتی ہے۔کومٹ نے واضح طور پر ایکتاپرستی کے اپنے تجزیے کو رومن کیتھولک شکل پر مبنی کیا جو کہ وسطی اور مغربی یورپ میں ظاہر ہوا تھا۔اس دور میں ایک ایکتاپرست سماج 'مذہبی اخلاقی' قوت کے لحاظ سے منظم کیا گیا تھا جس کی نمائندگی چرچ اور سیکولر سیاسی قوت کرتی تھی۔ اس نئے نظام کے تحت، چرچ کی اخلاقی طاقت بین الاقوامی تھی اور مقامی اور قومی سیکولر حکام کے اعمال کو کنٹرول کرتی تھی۔کومٹ کا خیال تھا کہ ایکتاپرست سماج نے معاشرے میں موجود درجہ بندی کے تحت اعلیٰ ذات کے غلبے کو توڑ دیا تھا۔ ایکتا پرستی کے دور میں جنگ میں دلچسپی کم ہوئی اور اجتماعی جذبات اور عالمگیر بھائی چارے کے اظہار میں اضافہ ہوا۔اس دور نے موسیقی، فن اور صنعت میں بھی ترقی کی اور "عالمگیر تاریخ" میں ارتقائی نظریات (Proto-socio-evolutionary theories)کی تشکیل ہوئی۔ آخر کار ایکتاپرستی نے مابعد الطبیعاتی قیاس آرائیوں کی ایسی شکلیں تیار کیں جو دانشوروں کے ذریعہ حقیقت کی مذہبی وضاحتوں کو مسترد کرنے کا باعث بنیں ،اور اسی وجہ سے سماجی ترقی کے مذہبی مرحلے کے خاتمے اور اس کی جگہ مختصر لیکن ہنگامہ خیز "مابعد الطبیعاتی مرحلے" کی شروعات ہوئی۔

مابعد الطبیعاتی مرحلہ (Metaphysical Stage)

اس مرحلے کو صرف مذہبی اور مثبت مراحل کے درمیان ایک عبوری دور کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔یہ بنیادی طور پر "تنقیدی" یا "منفی" دور تھا - ایک ایسا مرحلہ جس میں توحید پرست معاشرے کی فکری بنیاد اور جاگیردارانہ ادارہ جاتی

ڈھانچہ ان کی جگہ لینے کے لیے سماجی تنظیم کی کسی مستقل شکل کی عدم موجودگی میں تباہ ہو گیا تھا۔اس کے مطابق یہ انتشار، تصادم اور انتشار کا مرحلہ تھا۔

یہ دوسرا مرحلہ ہے جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ 1300ء سے 1800ء تک جاری رہا۔ اس مرحلے میں انسان کی ذہنی سطح پچھلے مرحلے کے مقابلے زیادہ ترقی یافتہ ہو گئی ہے۔لوگوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ مختلف مظاہر کا تعین نہ کہ صرف خدائی طاقتوں سے ہوتا ہے بلکہ عقلی عوامل سے بھی ہوتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ دنیا میں ہونے والے واقعات جزوی طور پر خدائی طاقتوں کی وجہ سے ہوتے ہیں اورجزوی طور پر عقلی عوامل سے ہوتے ہیں۔انہوں نے محسوس کیا کہ ان میں کچھ طاقتیں اور کچھ صلاحیتیں ہیں اور اس طرح وہ اپنے اردگرد ہونے والے واقعات پر بھی کنٹرول رکھتے ہیں۔ انہوں نے کسی رجحان کی وضاحت کے لیے غور و فکر کرنا شروع کر دیا۔ مثال کے طور پر، تاریخ کے ایک خاص موڑ پر قحط کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ خدائی طاقتوں کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض عقلی عوامل کی وجہ سے بھی آیا تھا جیسے کاشتکاری کے مناسب اوزاروں کا استعمال نہ کرنا، بیجوں کا کم استعمال کرنا، قدرتی کھادوں کا استعمال نہ کرنا یا انسانی سرگرمیوں کی وجہ سے موسمی تبدیلیاں، زرخیز زمین پر کاشتکاری، بیج نہ بونا یا سال کے مناسب وقت پر پانی نہ دینا وغیرہ۔ لہٰذا، وہ جزوی طور پر ان عقلی عوامل اور جزوی طور پر مذہبی عوامل کو مختلف مظاہر کے لیے کارآمد سمجھتے تھے۔

مابعد الطبیعیاتی مرحلہ اور سماجی تنظیم کی خصوصیات

(Metaphysical Stage and characteristics of social organization)

اس دور کی سماجی شکل کو ہم مندرجہ ذیل اجزا میں بیان کر سکتے ہیں:

1.لوگوں کی طرف سے ریاست کو ایک اہم سماجی وجود کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔لوگوں نے اپنے قریبی گروہوں جیسے خاندان سے بھی آگے سوچنا شروع کر دیا اور اس طرح عام طور پر لوگوں کی اجتماعی بھلائی کو بھی اہمیت دی۔انہوں نے اپنے آپ کو اور دوسروں کو ریاست کے ممبر کے طور پر دیکھنا شروع کیا کہ مشترکہ سماجی گروہ اور اس طرح ریاست کا ہر رکن یکساں اہمیت کا مستحق ہو۔

2.چرچ کے لوگوں اور وکلاء کو لوگ لیڈر کے طور پر دیکھتے تھے۔لوگ معاشرے کے استحکام اور مناسب طریقے سے کام کرنے کے لیے قانون کے بنانے والوں اور وضاحت کرنے والوں کے کردار کی اہمیت کو سمجھنا شروع کر دیا تھا۔اس لیے چرچ والوں اور وکلاء کو معاشرے میں یکساں اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔

3.کومٹ نے اس معاشرے کو قانونی معاشرہ قرار دیا کیونکہ وکلاء اور پالیسی سازوں کا معاشرے میں اچھا کنٹرول تھا۔

4.اس سے مراد روشن خیالی کے دور کے آغاز کا معاشرہ ہے۔عوام بادشاہوں کے ظلم و ستم سے تنگ آچکی تھی اور ان سے آزادی حاصل کرنا چاہتی تھی۔اس مقصد کے لیے کمیونٹی کے باشعور لوگوں نے انکی حوصلہ افزائی کی جنہوں نے ان کے لیے

معاشرے کی ہم آہنگی اور خوشحالی کی پالیسیوں کی وضاحت کرنے کے لیے وکلاء کے طور پر کام کیا۔ اس طرح قوانین اور پالیسیوں کی عوام نے قدر کی اور لوگوں نے جمہوریت کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا۔

معاشرے کا سائنسی مرحلہ یا مثبت مرحلہ(The Scientific Stage or Positive Stage of Society)

یہ تیسرا مرحلہ ہے جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ 1800 عیسوی میں شروع ہوا تھا اور اس کے بعد کے عرصے میں اپنی پوری پختگی حاصل کر لی تھی۔ اس مرحلے میں لوگوں کی فکری سطح بہت ترقی یافتہ ہو گئی۔ لوگوں نے دنیا کو دیکھنے کے لیے خالصتاً سائنسی انداز اپنایا۔ وہ یہ ماننے لگے کہ دنیا کا ہر واقعہ خالصتاً عقلی اصولوں پر چلتا ہے۔ لہذا، اس آخری مرحلے میں، وہ ان مفروضوں کو رد کر دیتے ہیں جو سائنسی طور پر ثابت نہیں ہو سکتے۔ اور اس طرح صرف ان حقائق کو قبول کرتے ہیں جو سائنسی طور پر ثابت ہو سکیں۔ وہ جانچ کے منظم طریقہ کار جیسے کہ تجربہ، پیمائش، شماریاتی ثبوت، مشاہدہ، جانچ اور تصدیق کی مدد سے ہر رجحان کی سائنسی وضاحت تلاش کرتے ہیں۔ لوگ صرف سائنسی طور پر ثابت شدہ نظریات اور حقائق پر یقین رکھتے ہیں۔ اس لیے، وہ معروضیت، درستگی، اور تصدیق کو حقیقی کھوج کے پیمانے کے طور پر اہمیت دیتے ہیں۔ یہ مرحلہ جاری ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ دنیا کو دیکھنے کے لیے انسان کا سائنسی انداز مزید بہتر ہوتا جا رہا ہے۔

6.8 معاشرے کا سماجی ارتقاء اور سائنسی مرحلہ

(Social evolution of society and the scientific stage)

اس مرحلے میں لوگ پوری نسل انسانی کو اہم سمجھتے ہیں۔ انسانی سوچ، انسانی نسل، ریاست، مذہب، زبان اور اس طرح کے دیگر عوامل سے قطع نظر وہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو ایک مشترکہ سماجی گروہ کے طور پر اس طرح دیکھنے لگے کہ بنی نوع انسان کا ہر فرد یکساں اہمیت کا حامل ہے۔

1. اس سے مراد وہ جدید معاشرہ ہے جس کی خصوصیت سائنسی اور تکنیکی ترقی ہے۔ سائنسی ترقی زندگی کے آرام اور آسانی میں معاون ہے۔ اس معاشرے میں سائنسدانوں کی قدر کی جاتی ہے کیونکہ ان کی سائنسی تحقیقات کے ذریعے معاشرے کی سماجی اور اقتصادی ترقی ہوتی ہے۔

2. اس مرحلے میں سائنس دانوں کو لوگ لیڈر کے طور پر دیکھتے ہیں۔ سائنسدان مختلف چیزوں اور زندگی کے شعبوں کے حوالے سے تصدیق شدہ معلومات فراہم کرتے ہیں۔ لوگوں کی بہتری میں اپنا حصہ لیتے ہیں اور معاشرے میں ، وہ سب سے زیادہ بااثر بنتے ہیں۔

3. کومٹ نے اس معاشرے کو صنعتی معاشرہ قرار دیا۔ صنعت نے معاشرے میں زبردست گرفت بنائی ہے کیونکہ وہ لوگوں کی ضروریات کو پورا کرتی ہے اور سماج کی اقتصادی ترقی میں حصہ لیتی ہے۔

6.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے سے ہم نے جانا کہ کنڈورسیٹ، مونٹسکیو اور ٹورگٹ کی طرف سے پیش کردہ نظریات نے کومٹ کو اس طرح متاثر کیا کہ اس نے بعد میں "تین مراحل کا قانون" کا نظریہ پیش کیا۔ تین مراحل کے قانون میں کومٹ نے انسانی معاشروں کی ارتقا انسانی ذہانت کی ارتقا کے مترادف مانا ہے۔ اس نے یہ بتانے کی کوشش کی کہ انسانی ذہن ارتقا کے کئی مراحل سے گزرتا ہے اسی طرح سماجی ڈھانچہ بھی مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔ کومٹ نے زور دے کر کہا کہ اس وقت کی یورپی تہذیب، مذہبی اور مافوق الفطری مرحلے سے گزرنے کے بعد سائنسی مرحلے تک پہنچی ہے۔

اپنے علم کی جانچ کریں (Check Your Knowledge)

1. جیک ٹورگیٹ پر ایک نوٹ لکھیں۔
2. تعدد پرستی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
3. ایکتا پرستی کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

6.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

1. ترقی (Progress)

یہ ایک فلسفیانہ خیال ہے جسے اگست کومٹ نے پیش کیا۔ اس خیال کے ذریعے اس نے زور دے کر کہا کہ تمام تہذیبوں کو اسی طرح کے مراحل سے گزرنا چاہیے، جس طرح یورپی تہذیب تیار ہو چکی ہے۔

2. مذہبی:(Theological)

کومٹ کے مطابق یہ ایک انسانی سماج کا ابتدائی مرحلہ ہے جس میں تمام سماجی مظاہر کو مذہبی طریقے سے سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کی تین ذیلی قسمیں ہیں۔

3. مابعد الطبیعیاتی:(Metaphysical)

کومٹ کے مطابق یہ سماجی ارتقا کا دوسرا مرحلہ ہے جس میں دیوی دیوتاؤں کے بجائے فطرت جیسی تجریدی قوتیں پر ہر چیز کی وضاحت کرتی ہیں۔

4. ارتقاء:(Evolution)

کسی جاندار یا انسانی معاشرے کی بتدریج ترقی۔

6.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ "Historical Essay on the Progress of Human Reason" کے عنوان سے کتاب کس نے لکھی؟

(a) کنڈورسیٹ (b) ٹورگٹ

(c) کومٹ (d) سینٹ سائمن

2۔ "The system of positive polity" کس نے لکھا ہے؟

(a) ہربرٹ اسپنسر (b) اگست کومٹ

(b) امائل درکھائم (d) کارل مارکس

3۔ انسانی علم کی ترقی کے حوالے سے کس نے بحث کی؟

(a) کنڈورسیٹ (b) ٹورگٹ

(c) مرٹن (d) کارل مارکس

4۔ مغربی یورپ میں مذہبی مفکرین اور مذہبی افکار کا غلبہ کس دور تک سمجھا جاتا تھا؟

(a) 15ویں صدی (b) 19 ویں صدی

(c) 14 ویں صدی (d) 13ویں صدی

5۔ مندرجہ ذیل مراحل میں سے کس میں 'اشیاء پرستی' کا دور شروع ہوا؟

(a) مذہبی مرحلہ (b) مثبت مرحلہ

(c) مابعد الطبیعاتی مرحلہ (d) تعدد پرستی کا مرحلہ

6۔ مصری تعدد پرستی کی خصوصیات کیا ہیں؟

(a) سخت ذات پات کی تقسیم (b) اجتماعی بندگی

(c) دونوں (a) اور (b) (d) ان میں سے کوئی بھی نہیں

7۔ کومٹ کے مطابق، سماجی ترقی کی تاریخ میں، مندرجہ ذیل میں سے کون سا دور فکری ہم آہنگی کی خصوصیت رکھتا ہے؟

(a) نازک دور (Critical period) (b) نامیاتی مدت

(c) مثبت مدت (d) عدم توازن کی مدت

8۔ مندرجہ ذیل میں سے کون سا دور ایکتا پرستی کے ارتقا کے لیے عبوری مرحلے کے طور پر کام کرتا ہے؟

(a) مصری تعدد پرستی | (b) یونانی تعدد پرستی
(c) رومن تعدد پرستی | (d) اشیاء پرست کا دور

9۔ کومٹ کی تحریروں میں انسانی ارتقا کے "تنقیدی" مرحلے کو اور کیا کہا گیا ہے؟

(a) منفی مرحلہ | (b) تعدد پرستی مرحلہ
(c) مثبت مرحلہ | (d) ایکتا پرستی مرحلہ

10۔ درج ذیل میں سے کس نے تین مراحل کا قانون پیش کیا ہے؟

(a) ویبر | (b) مارکس
(c) کومٹ | (d) درکھائم

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. اگست کومٹ کے مذہبی مرحلے بیان کیجئے۔
2. جیک ٹورگٹ اور ترقی کے فلسفے پر ایک مختصر مضمون لکھیے۔
3. مارکس دی کونڈورسٹ پر ایک مختصر مضمون لکھیے۔
4. انسانی ذہن کی نشو ونما اور سماجی ترتیب میں تبدیلیوں کے حوالے سے کومٹ کا نظریہ بیان کیجئے۔
5. کومٹ کے مذہبی مرحلے کو بیان کیجئے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. ترقی کے مذہبی مرحلے پر ایک نوٹ لکھیں۔
2. ترقی کے مابعد الطبیعیاتی مرحلے سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ مذہبی مرحلے اور مابعد الطبیعیاتی مرحلے کے درمیان تعلق کی وضاحت کریں۔
3. معاشرے کے مثبت مرحلے کی وضاحت کریں۔ اس مرحلے میں سماجی تنظیم کی قسم پر بحث کریں۔

6.12 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. P.D. Groenewegen،ed., The Economics of A.R. J. Turgot،(The Hague: Martinus Nijhoff, 1977.)
2. Coser, l. A. (2011). Masters of Sociological Thought. Jaipur: Rawat Publication.

اکائی 7۔ علوم کی درجہ بندی

(Hierarchy of Sciences)

اکائی کے اجزا

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 علوم کی درجہ بندی کے حوالے سے کومٹ کا قانون

7.3 ایک دوسرے پر علوم کے انحصار کی بنیاد پر درجہ بندی

7.4 علوم کی پیچیدگی یا سادگی پر مبنی درجہ بندی

7.5 "علوم کی درجہ بندی" کا وجود - کومٹ سے پہلے

7.6 کومٹ کا علوم کی درجہ بندی کا نظریہ اور تین مراحل کا قانون

7.7 کومٹ کی سماجیات کی طرفداری

7.8 علوم کے حوالے سے کومٹ کی درجہ بندی اور اس کی خصوصیات

7.9 "تین مراحل کے قانون" کے ساتھ تعلق

7.10 باہمی انحصار میں اضافہ

7.11 علمِ ریاضی اور اسکی عام فہمی

7.12 علوم کی درجہ بندی کا نقشہ

7.13 علوم کی درجہ بندی کی بنیاد

7.14 سماجیات سب کے درمیان سب سے پیچیدہ نظم و ضبط ہے

7.15 کلی نقطہ نظر پر زور

7.16 نامیاتی اتحاد پر زور

7.17 تنقیدی تشخیص

7.18 اکتسابی نتائج

7.19 کلیدی الفاظ

7.20 نمونہ امتحانی سوالات

7.21 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں

7.0 تمہید (Introduction)

جس طرح انسانی ذہن مختلف مراحل سے گزرتا ہے اسی طرح انسانی سماج بھی مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔ بالکل اسی طرح علوم بھی پید ہوتے ہیں اور ترقی کرتے ہیں۔ اس ترقی کے نتیجے میں مختلف علوم یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے ہیں۔ کومٹ نے اسی ترتیب کو اجاگر کرنے اور پھر اسی بنیاد پر علوم کی درجہ بندی لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کومٹ نے تمام علوم کی درجہ بندی اسی ترتیب کی بنیاد کو بنایا ہے جس پر باقی تمام علوم وقت کے ساتھ پروان چڑھے ہیں۔ اس درجہ بندی میں بنیاد ریاضی ہے، اس کے بعد فلکیات، پھر طبعی علوم (مثلاً طبیعیات، کیمسٹری) اور آخر میں سماجی علوم (Social Sciences)۔ کومٹ نے زور دے کر کہا کہ، سماجیات تمام علوم کی چھت ہے۔ یعنی یہ سب سے بعد میں وجود پذیر ہوئی ہے۔

7.1 مقاصد (Objectives)

موجودہ اکائی میں علوم کی تاریخی ترقی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی۔ کومٹ نے زور دے کر کہا کہ، سماجیات وہ علم ہے جو تاریخی ترتیب (Chronological Order) میں سب سے بعد آتی ہے۔ موجودہ اکائی کے درج ذیل مقاصد ہیں:

- سماجیات کی ترقی کے لئے دانشورانہ پس منظر کو جاننا۔
- سماجی خیالات اور سماجی طریقوں کے بارے میں استدلال کرنا۔
- منطقی طور پر یہ ثابت کرنا کہ فطری علوم کے طریقوں کو معاشرے کی نئی سائنس میں مناسب طریقے سے ڈھال لیا گیا ہے۔
- طلباء یہ سمجھنے کے قابل ہوجائیں گے کہ معاشرے کی نئی سائنس، (یعنی سماجیات نے) معاشرے کے بارے میں وضاحت کرنے کے لیے دیگر علوم کے نظریات اور طریقوں کو کیوں اپنایا ہے۔

7.2علوم کی درجہ بندی کے حوالے سے کومٹ کا قانون

(Comte's Law of the Classification of Sciences)

1854 میں فرانسیسی فلسفی اور ماہر سماجیات اگست کومٹ نے اپنی کتاب System of Positive Polity میں اپنے نظریہ "علوم کی درجہ بندی" پر بحث کی ہے۔اس کے مطابق سماجی علوم کا بنیادی مقام سب سے نچلے درجے پر ہیں یعنی یہ بعد میں وجود پذیر ہوے والے علوم میں ہے اور یہ فطری علوم پر منحصر ہیں۔ کومٹ کا خیال تھا کہ سائنس میں پیچیدگی، عمومیت اور باہمی انحصار جیسے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ کچھ سائنسی علوم پیچیدہ ہوتے ہیں جبکہ کچھ سادہ ہیں۔ کچھ دوسروں پر زیادہ انحصار کرتے ہیں جبکہ کچھ سائنس کا دوسرے علوم پر انحصار کم ہے۔ اسی طرح کچھ علوم بہت مخصوص ہیں۔ جبکہ کچھ علوم بہت سادہ ہیں۔ان خصوصیات کی بنیاد پر کومٹ نے سائنس کو چھ زمروں میں بانٹاہے: ریاضی، فلکیات، طبیعیات کیمسٹری، حیاتیات اور سماجیات کومٹ نے علوم کو مندرجہ ذیل معیارات کے مطابق درجہ بندی کی ہے۔

a) سائنس کی پیچیدگی یا سادگی میں اضافہ کی ترتیب۔

b) ایک دوسرے پر ان کے بڑھتے ہوئے انحصار کی ترتیب۔

7.3 ایک دوسرے پر علوم کے انحصار کی بنیاد پر درجہ بندی

(Classification based on dependence of Sciences on one another)

کومٹ کا خیال تھا کہ علوم ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ مثال کے طور پر، حیاتیات کا انحصار کیمسٹری پر ہے کیونکہ حیاتیاتی عمل میں کیمیائی عمل شامل ہے۔ جیسے انسانی جسم میں ہارمونز اور انزائم کے بننے اور کام کرنے میں بعض کیمیائی عمل شامل ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے ان اعمال کو بائیو کیمیکل عمل بھی کہا جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ حیاتیاتی عمل کو سمجھنے کے

لیے ایک شخص کو کیمیائی عمل کا بھی کچھ علم ہونا چاہیے۔ دوسرے لفظوں میں حیاتیات کا علم، اس کے نظریات اوران کی وضاحت کیمیا کے علم پر منحصر ہے۔ اسی طرح، کیمیا طبیعیات پر منحصر ہے کیونکہ کسی چیز کی جسمانی خصوصیات اس کی کیمیائی خصوصیات کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی اشیاء کی جسمانی شکل کسی خاص دباؤ کے تحت ٹھوس، مائع یا گیس میں تبدیل ہو سکتی ہے اور کسی شے کی اپنی مختلف مخصوص شکل میں مختلف کیمیائی خصوصیات ہو سکتی ہیں۔

کومٹ کا خیال تھا کہ ایک علم کا دوسرے علوم پر انحصار کی یہ مقدار مختلف علوم کے لیے مختلف ہوتی ہے۔ کچھ علوم دوسرے علوم پر زیادہ انحصار کرتے ہیں جبکہ کچھ علوم دوسرے علوم پر کم انحصار کرتے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ انحصار کی ڈگری کے لحاظ سے، سماجیات سب سے زیادہ منحصر علم ہے جس کا مطلب ہے کہ سماجیات دیگر تمام علوم پر منحصر ہے۔ مثال کے طور پر سماجی برتاو جو سماجیات کا مرکزی مضمون ہے، کی وضاحت کے لیے ہمیں انسان کی بنیادی حیاتیاتی حرکیات کو بھی سمجھنا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی رویے صرف سماجی عوامل سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ جینیاتی مرکب (Genetic Composition)، ہارمونز کے اتار چڑھاو، صحت کی عمومی حیثیت اور دیگر حیاتیاتی عوامل سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ یہ حیاتیاتی حرکیات خود جسم میں کیمیائی عمل کے ساتھ ساتھ بیرونی خصوصیات جیسے ماحول کا درجہ حرارت وغیرہ سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔

کومٹ نے علوم کی دوسرے علوم پر انحصار کے لحاظ سے درج ذیل ترتیب دی ہے۔

1. ریاضی 2. فلکیات 3. طبیعیات 4. کیمیا 5. حیاتیات 6. سماجیات

سماجیات جو دیگر تمام علوم پر منحصر ہے، کے برعکس کومٹ نے ریاضی کو سب سے زیادہ آزاد علم کے طور پر دیکھاہے۔ جو کسی دوسرے علم پر منحصر نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں ریاضی کے علم کو حیاتیات، طبیعیات، سماجیات یا کسی اور سائنس سے وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔
علوم کی مندرجہ بالا ترتیب میں ہر علم اپنے سے پہلے آنے والے علوم پر منحصر ہے۔ مثال کے طور پر، سماجیات کا انحصار حیاتیات، کیمیا، طبعیات، فلکیات اور ریاضی پر ہے۔ اسی طرح حیاتیات کا انحصار کیمیا، طبعیات، فلکیات اور ریاضی پر ہے۔

مندرجہ بالا ترتیب میں ریاضی پہلا علم ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ کسی دوسرے علم پر منحصر نہیں ہے۔ تاہم باقی تمام علوم کا انحصار ریاضی پر ہے۔ کومٹ کا خیال ہے کہ ہر علم میں ریاضی کا علم شامل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، کیمیا اور طبعیات کا ایک بڑا حصہ براہ راست شماریاتی معلومات پر مبنی ہوتا ہے جیسے کہ ایٹمک نمبر، ایٹمک ماس، طبعی مظہر کی پیائش کی اکائیاں جیسے دباؤ، اور قوت۔ اسی طرح، حیاتیاتی علوم میں حیاتیاتی مظہر کی صفات کی گنتی شامل ہے جیسے کہ جینیاتی کوڈز، یا انسانی

جسم کے لیے یومیہ غذائی اجزا کی پیائش۔ اسی طرح، سماجیاتی تحقیق میں شماریاتی اور قابل مقدار اعداد و شمار کی پیائش پر مبنی تجزیہ شامل ہوتا ہے۔

7.4 علوم کی پیچیدگی یا سادگی پر مبنی درجہ بندی

(Classification based on Complexity or Simplicity of Sciences)

کومٹ کے مطابق علوم کی پیچیدگی ان کی درجہ بندی کا ایک دوسرا معیار تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کچھ علوم پیچیدہ ہیں جبکہ دوسرے سادہ ہیں۔ موضوع کی پیچیدگی کے لحاظ سے مختلف علوم میں، کومٹ نے سماجیات کو سب سے پیچیدہ علم کے طور پر دیکھا ہے۔ اس کا نظریہ تھا کہ سماجی مظہر کثیر جہتی ہیں اور بہت سے قابل مشاہدہ اور ناقابل مشاہدہ حرکیات سے جڑے ہوئے ہیں۔ ایسا اس لیے ہے کہ انسانی برتاؤ کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس کی سماجی، حیاتیاتی اور نفسیاتی حرکیات پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جو بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی فرد کے برتاؤ کو طے کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی سماجی پس منظر میں ایک فرد کے جارحانہ رویے کو سمجھنے کے لئے ہمیں مختلف عوامل جیسے حالات، مروجہ سماجی اصول اور اقدار، دماغ کی جذباتی حالت، مذہبیت، سماجی اثر و رسوخ، اقتصادی تحفظات وغیرہ کو دیکھنا چاہئے۔ یہ عوامل ہیں جو عام طور پر انسانی برتاؤ کو متاثر کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ سماجی مظہر پیچیدہ ہوتے ہیں کیونکہ علم ان کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے ان کی مختلف جہتوں پر غور کرنا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کومٹ نے سماجیات کو تمام علوم میں سب سے پیچیدہ علم کے طور پر دیکھا ہے۔ کومٹ نے علوم کو ان کی پیچیدگی کی بنیاد پر درج ذیل ترتیب میں رکھا ہے۔

1. ریاضی، 2. فلکیات، 3. طبیعیات، 4. کیمیا، 5. حیاتیات، اور 6. سماجیات

اس کا ماننا تھا کہ سماجیات سب سے پیچیدہ علم ہے جبکہ ریاضی سب سے آسان علم ہے۔ دی گئی ترتیب میں ہر علم اپنے سے پہلے آنے والے علم سے زیادہ پیچیدہ ہے۔ مثال کے طور پر سماجیات حیاتیات سے زیادہ پیچیدہ علم ہے۔ حیاتیات کیمیا سے زیادہ پیچیدہ علم ہے۔ کیمیا طبعیات سے زیادہ پیچیدہ علم ہے وغیرہ۔

7.5 "علوم کی درجہ بندی" کا وجود کومٹ سے پہلے

(Existence of "Classification of Sciences" – Prior to Comte)

علوم کی درجہ بندی کے قانون کا ایک تاریخی پہلو ہے۔ افلاطون سے لے کر کانٹ تک سبھی کا فلسفے میں علم کی عکاسی کے تئیں ہمیشہ ایک مرکزی مقام رہا ہے۔ لیکن علوم نے اپنے تنوع کے اظہار کے لیے کافی ترقی کی ہے، اس سے ہمیں وہ ترتیب ملتی ہے جس میں سائنس کی نشو و نما ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر، فلکیات کو ریاضی کی ضرورت ہوتی ہے، اور کیمیا میں طبیعیات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح

ہر علوم اس سے پہلے والے علم پر منحصر ہے۔ جیسا کہ کومٹ کہتا ہے کہ اوپر والا نیچے والے پر منحصر ہوتا ہے (The highest depends upon the lower)۔

"سائنس کی درجہ بندی" کا فلسفہ کومٹ سے شروع نہیں ہوا تھا۔ یہ کومٹ سے پہلے موجود تھا۔ زمانہ قدیم سے مفکرین علم کی کسی نہ کسی بنیاد پر درجہ بندی کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ابتدائی یونانی مفکرین نے تمام علوم کو تین عنوانات کے تحت درجہ بندی کرنے کا بیڑا اٹھایا: (1) طبیعیات، (2) اخلاقیات، اور (3) سیاست۔ بعد میں، بیکن (Bacon) نے انسان کی صلاحیتوں کی بنیاد پر درجہ بندی کی، یعنی (i) یادداشت، (ii) تخیل اور (iii) عقل (Reason) یادداشت پر مبنی علوم تاریخ ہے، تخیل پر مبنی علم شاعری ہے، اور عقل پر مبنی علم طبعیات، کیمیا وغیرہ ہیں۔

7.6 کومٹ کا علوم کی درجہ بندی کا نظریہ اور تین مراحل کا قانون

(Comte's theory of the hierarchy of the Sciences and law of three Stages)

اگست کومٹ کے علوم کی درجہ بندی اس کے نظریہ تین مراحل کے قانون سے منسلک ہے۔ کومٹ کے تین مراحل کے قانون کے مطابق انسان کی فکر وقت کے ساتھ تین مراحل میں تبدیل ہوئی ہے۔ یہ مراحل ہیں 1) مذہبی مرحلہ 2) مابعد الطبیعاتی مرحلہ، اور 3) مثبت یا سائنسی مرحلہ۔

کومٹ کے مطابق انسان کی فکر ان تین مراحل میں اس طرح سے تبدیل ہوئی ہے کہ ہر مرحلے میں انسانی سوچ پچھلے مرحلے سے زیادہ عقلی (Rational) ہوگئی۔ مذہبی مرحلے میں انسانوں کا ماننا تھا کہ ہر چیز کا نظم اور تمام اختیارات صرف قدرت کے ہاتھ میں ہے۔ مابعد الطبیعاتی مرحلے میں انسانوں کا خیال تھا کہ سب کچھ جزوی طور پر ہے جو کہ خدائی طاقت اور عقل دونوں کے استعمال پر منحصر ہے۔ مثبت یا سائنسی مرحلہ میں، انسان کا خیال ہے کہ ہر چیز صرف عقلی عوامل سے چلتی ہے جسے علمی طور پر دریافت کیا جا سکتا ہے۔

کومٹ کا خیال تھا کہ انسان کی سوچ ایک مرحلے میں زیادہ سے زیادہ عقلی ہوتی گئی ہے۔ عقلمندی سے دیکھا جائے تو اس کا اثر ان تین مراحل کے علوم میں بھی نظر آتا ہے ایک حقیقی سائنس بننے کے لیے ہر تعلیمی شعبہ ان تین مراحل سے گزرا ہے۔ اکیڈمک ڈسپلن میں معقولیت (Rationality) اور معروضیت (Objectivity) کے معیار میں ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں دانشمندانہ انداز میں اس طرح بڑھی ہے کہ ہر اگلے مرحلے میں تعلیمی مضامین پہلے سے زیادہ عقلی بن گئے۔

ان مراحل سے گزرتے ہوئے کچھ مضامین دوسروں کے مقابلے میں مثبت یا سائنسی مرحلے تک ترتیب سے پہلے ہی پہنچ گئے۔ سائنسی مرحلے میں پہنچنے کی ترتیب میں ریاضی پہلا شعبہ تھا جو سائنس کے درجہ میں داخل ہوا اور سماجیات وہ آخری شعبہ تھا جو علمی مرحلے میں داخل ہوا۔

سماجی علوم، جو سب سے زیادہ پیچیدہ اور اپنے ظہور کے لیے سب سے زیادہ دوسروں کی ترقی پر منحصر ہیں، درجہ بندی میں "سب سے اوپر" ہیں۔ سماجی علوم مثبت طریقہ کار کی تکمیل کی صفات پیش کرتی ہے۔

اگرچہ سماجیات میں مخصوص طریقہ کار کی خصوصیات ہیں جو اسے درجہ بندی میں اپنے پیشروؤں سے ممتاز کرتی ہیں۔ لیکن یہ ان پر منحصر بھی ہے۔ یہ خاص طور پر حیاتیات پر منحصر ہے، حیاتیات وہ علم ہے جو درجہ بندی میں اس کے قریب ترین ہے۔ جو چیز حیاتیات کو دیگر تمام فطری علوم سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کا جامع کردار ہے۔ طبعیات اور کیمیا کے برعکس، جو عناصر کو الگ الگ کر کے آگے بڑھتے ہیں، حیاتیات نامیاتی طور پر تمام ہی اجزا کا ایک ساتھ مطالعے سے آگے بڑھتی ہے۔ سماجیات میں واحد نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ ہر عنصر کو پورے نظام کی روشنی میں دیکھتا ہے۔

معروضی طور پر سوشیالوجی حیاتیات پر منحصر ہو جاتی ہے، کیونکہ ہمارا دماغی وجود واضح طور پر ہماری خالص جسمانی زندگی پر منحصر ہے۔ یہ دو مراحل ہمیں حیاتیات کی عام بنیاد کے طور پر کیمسٹری کے تصور تک لے جاتے ہیں، کیونکہ ہم اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ حیاتیات مادے کے امتزاج کے عمومی قوانین پر منحصر ہے۔ کیمسٹری ایک بار پھر معروضی طور پر طبیعیات کے ماتحت ہے، اس اثر و رسوخ کی وجہ سے جو مادے کی آفاقی خصوصیات کو ہمیشہ مختلف مادوں کی مخصوص خصوصیات پر عمل کرنا چاہیے۔ اسی طرح، طبیعیات فلکیات کے ماتحت ہو جاتی ہے جب ہم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے ارضی ماحول کا وجود ہمارے سیارے کے آسمانی اجسام میں سے ایک کے طور پر دائمی حالات کے تابع ہے۔ آخر میں، فلکیات کو ریاضی کے ماتحت کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے آسمان کے ہندسی اور میکینیکل مظاہر کی تعداد، توسیع اور حرکت کے آفاقی قوانین پر واضح انحصار ہے۔ فلکیات اور حیاتیات، اپنی نوعیت کے اعتبار سے، فطری فلسفے کی دو اہم شاخیں ہیں۔ وہ، ایک دوسرے کے تکمیلی، ہمارے بنیادی تصورات کے عمومی نظام کو اپنی عقلی ہم آہنگی میں شامل کرتے ہیں۔

کومٹ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ متعدد علوم کی ترقی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نہ صرف انسانی فکر عمومی طور پر تین مراحل سے گزری ہے بلکہ خاص مضامین نے بھی اسی طرح سے ترقی کی ہیں۔ لہذا، سائنس کو منظم طریقے سے ترتیب دینا ممکن تھا:

1. ان کے تاریخی ظہور اور ترقی کی ترتیب،

2. ایک دوسرے پر ان کے انحصار کا حکم۔

3. ان کی عمومیت کی کم ہوتی ہوئی ڈگری اور ان کے موضوع کی پیچیدگی کی بڑھتی ہوئی ڈگری۔

کومٹ نے اس بنیاد پر سائنس کو ترتیب دیا تھا: ریاضی، فلکیات، کیمسٹری، طبیعیات، حیاتیات، سماجیات۔

ریاضی پہلا علم تھا کیونکہ یہ تمام علوم میں سب سے زیادہ عام تھا، جب کہ وہ سماجیات کو تمام علوم میں سب سے پیچیدہ تصور کرتا ہے۔

7.7 کومٹ کی سماجیات کے لئے طرف داری (Comte's Advocacy of Sociology)

سماجیات معاشرے کا ایک نیا علم تھا۔ سماجیات کا موضوع سماجی نظام اور سماجی تعلقات تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ معاشرہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے حصوں کا نظام ہوتا ہے۔ سماجیاتی اصول کے مطابق افراد کو صرف ان معاشروں کے تناظر میں سمجھا جاسکتا ہے جن کے وہ ممبر ہیں۔ "سماجیات" کی وضاحت کرتے ہوئے کومٹ نے لکھا ہے کہ "سماجی نظام کے مختلف حصوں کے عمل اور رد عمل کی تحقیقات پر مشتمل ہے" ۔ اس طرح سماجیات معاشروں کی مختلف شکلوں کا اور سماجی نظام کے سائنسی مطالعہ کا نام ہے۔

کومٹ کے مثبت فلسفے کو معاشرے کے علم کے لیے ایک طویل اور وسیع وکالت کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ کومٹ تمام علوم کے لیے ایک فلسفیانہ بنیاد اور جواز رکھ رہا تھا اور پھر اس بنیاد کو سماجیات کے لئے ایک حقیقی سائنس کے طور پر سپورٹ کرنے کے لیے استعمال کر رہا تھا۔ اس کی وکالت نے دو متعلقہ شکلیں اختیار کیں:

(1) سماجیات کو تین مراحل کے قانون کی ناگزیر پیداوار کے طور پر دیکھنا اور

(2) سماجیات کو "ملکہ سائنس" کے طور پر دیکھنا، جو سائنس کے درجہ بندی میں سب سے اوپر ہے۔

وکالت کی ان دو باہم مربوط شکلوں نے دانشورانہ دنیا میں سماجیات کی علمی حیثیت کو جائز قرار دینے میں مدد کی اور اس لیے ان کا مختصراً جائزہ لیا جانا چاہیے۔ کومٹ نے اپنے ان تمام نظریاتی نظام (Idea Systems) کو مذہبی اور مابعد الطبیعاتی مراحل سے گزرتے ہوئے مثبت مرحلے میں منتقل ہوتے دیکھا۔ کومٹ کے مطابق فلکیات پہلا علم تھا جو مثبتیت کے مرحلے تک پہنچا، پھر طبیعیات، اس کے بعد کیمیا آئی، اور ان تینوں کے مثبت (سائنسی) مرحلے پر پہنچنے کے بعد نامیاتی مظاہر کے تعلق سے فکر زیادہ مثبت ہو سکی ہے۔ مابعد الطبیعاتی مرحلے سے مثبت مرحلے کی طرف جانے والا پہلا نامیاتی علم حیاتیات یا فزیالوجی تھا۔ حیاتیات ایک بار جب مثبت نظریہ بن گیا تو سماجیات کا مابعد الطبیعاتی قیاس آرائیوں سے ہٹ کر مثبت سوچ کی طرف بڑھنا ممکن ہو پایا۔

کومٹ کا کہنا ہے کہ سماجیات سب سے آخر میں ابھرا ہے، کیونکہ یہ سب سے زیادہ پیچیدہ ہے اور اس لیے کہ اسے دیگر بنیادی علوم کو مثبت مرحلے تک پہنچنے کے لیے انتظار کرنا پڑا ہے۔ یہ دلیل معاشرے کی ایک الگ سائنس کے لیے ایک بہترین وکالت کی نمائندگی کرتی تھی، جب کہ اس نے دوسرے علوم کے مقابلے میں سماجی فکر میں سائنسی جوش کی کمی کا جواز پیش کیا۔ مزید برآں، دوسرے علوم پر اپنے انحصار اور ان ہی سے ماخوذ ہونے کے باوجود سماجیات ایسے مظاہر کا مطالعہ کرے گا جو اسے نچلے غیر نامیاتی مظاہر کے ساتھ ساتھ

حیاتیات کے اعلیٰ نامیاتی سائنس سے ممتاز کرتی ہیں۔ اگرچہ سماجیات ایک نامیاتی علم ہے، تاہم یہ آزاد ہو گا اور سماجی مظاہر کا بے لاگ مطالعہ کرے گا۔

ترتیب وار درجہ بندی میں سماجیات، حیاتیات، کیمیا، طبیعیات، اور فلکیات ہیں۔ کومٹ نے سب سے نیچے ریاضی کو شامل کیا کیونکہ تمام علوم بالآخر ریاضیاتی استدلال سے بنائے گئے ہیں۔ سماجیات کو ایک طویل ارتقائی عمل کی انتہا اور مثبت علوم کی انتہا کے طور پر دیکھا جائے تو اس کے اوپر سوال نہیں اٹھایا جاسکتا۔

سماجیات کو دوہرا درجہ حاصل ہے۔ یہ دوسرے علوم کی طرح صرف ایک علم نہیں ہے۔ بلکہ سماجیات وہ علم ہے جو درجہ بندی میں باقی سب کے بعد آتی ہے۔ اور حتمی علم کے طور پر، اسے تمام علوم کی ترقی کو مربوط کرنے کا کام بھی سنبھالنا چاہیے۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ سماجی مظاہر اتنے پیچیدہ ہیں کہ ان کی کوئی سائنس نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس، کومٹ کے مطابق، یونانیوں کی طرف سے متعارف کرایا گیا یہ فرق، سماجیات کے وجود سے ختم ہو جاتا ہے، اور وہ اتحاد جو مابعد الطبیعیات کی پیدائش کے ساتھ کھو گیا تھا، بحال ہو جاتا ہے۔

7.8 علوم کے حوالے سے کومٹ کی درجہ بندی اور اس کی خصوصیات

(Comte's Classification of Sciences and its Features)

کومٹ کی طرف سے علم کی درجہ بندی کا بنیادی مقصد "سماجیات" کے مطالعہ کے لیے پس منظر اور بنیاد تیار کرنا تھا جو کہ اس کا قائم کردہ ایک نیا علم ہے۔ اس اصول کی بنیاد پر اس نے سماجیات کا طریقہ کار بھی متعین کیا۔ اس سے سماجیات اور دیگر علوم کے درمیان تعلق قائم کرنے میں بھی مدد ملی۔ اس نے یہ حقیقت دریافت کرنے کی کوشش کی کہ کچھ عمومی اصولوں کو دریافت کرکے مختلف علوم کے درمیان تعلق قائم کرنا ممکن ہے۔

7.9 "تین مراحل کا قانون" کے ساتھ تعلق

(Linkage with the "Law of Three Stages)

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ کومٹ کے ذریعے کی گئی علوم کی درجہ بندی اس کے ذریعے دیے گئے تین مراحل کے قانون کے نظریے سے منسلک ہے۔ تین مراحل کا قانون کومٹ کے سماجی فکر کی بنیادی حیثیت ہے۔ اس تعلق کی منطق یہ ہے کہ جیسا افراد اور معاشروں کے ساتھ ہوتا ہے، اسی طرح خود سائنس کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔یعنی وہ سب ایک ہی مراحل سے گزرتے ہیں۔

7.10 باہمی انحصار میں اضافہ (Increasing interdependence)

کومٹ نے علم کی درجہ بندی کے اپنے اصول کی بنیاد کے طور پر "انحصار کی ترتیب" کا انتخاب کیا۔ کومٹ نے "علوم کی درجہ بندی اس طرح سے کی کہ ہر ایک زمرہ پچھلے زمرے کے اصولی قوانین پر مبنی ہو اور اگلے آنے والے زمرے کے لیے بنیاد کے طور پر کام کرے۔ اس لیے علوم کی ترتیب بڑھتی ہوئی پیچیدگی اور کم ہوتی عمومیت کے حساب سے بنتی ہے۔

اس اصول کو آسان الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔ مختلف علوم سے متعلق حقائق پیچیدگی میں مختلف ہوتے ہیں۔ کچھ حقائق ہوتے ہیں جبکہ دیگر پیچیدہ۔ پیچیدہ حقائق سادہ حقائق پر منحصر ہوتے ہیں۔ پیچیدہ علوم سادہ علوم پر منحصر ہیں۔ اس طرح ہر سائنس کسی نہ کسی حد تک کسی نہ کسی سائنس پر منحصر ہے اور خو بھی کسی دوسری سائنس کی بنیاد بنتی ہے۔ اس بنیاد پر کومٹ نے سائنس کی ایک سلسلہ وار ترتیب پیش کی ہے۔

7.11 علم ریاضی اور اس کی عام فہمی

کومٹ ریاضی کو ذہن کا بنیادی آلہ سمجھتا ہے۔ ریاضی کو اہم آلے کے طور پر استعمال کر کے انسان کا دماغ اپنی سوچ میں کہیں بھی جا سکتا ہے۔ ریاضی سب سے طاقتور آلہ ہے جسے دماغ قدرتی قوانین کی تحقیق میں استعمال کر سکتا ہے۔ وہ علم جو کسی اور طریقے پر مبنی ہو ناقص، غیر درست اور ناقابل اعتبار ہوتا ہے۔ صرف ریاضی کے ذریعے ہی ہم سائنس کو سمجھ سکتے ہیں۔

کومٹ کے مطابق ریاضی سائنس کی درجہ بندی میں پہلا مقام رکھتی ہے۔ ریاضی کومٹ کے یہاں علوم کے گروہ کا جزوی رکن نہیں ہے بلکہ ان سب کی بنیاد ہے۔ یہ تمام علوم میں سب سے قدیم اور کامل ترین ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ریاضی ایک "علم" ہے۔ یہ وہ علم ہے جو اشیاء اور تصورات کے درمیان تعلقات کو درست طریقے سے ناپتا اور واضح کرتا ہے۔

7.12 علوم کی درجہ بندی کا نقشہ (The Design of the Classification of Sciences)

علوم کی درجہ بندی کے حوالے سے کومٹ کے نقشے میں ریاضی سب سے پہلے اور سماجیات سب کے بعد یعنی اوپری سطح پر نظر آتا ہے۔ اس درجہ بندی کا سلسلہ اس طرح ہے: (1) ریاضی، (2) فلکیات، (3) طبیعیات، (4) کیمیا، (5) حیاتیات، اور (6) سماجیات۔ اس درجہ بندی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سب سے آسان اور سب سے کم منحصر سائنس سب سے نیچے ہے اور سب سے زیادہ پیچیدہ اور منحصر سائنس درجہ بندی کے سب سے اوپر ہے۔

7.13 علوم کے درجہ بندی کی بنیاد (Basis of Hierarchy of the Sciences)

اس نظریے کے مطابق علوم کو پیچیدگی کے عمودی ترتیب کے تحت درجہ بند کیا جا سکتا ہے، جس میں وہ علم جو درجہ بندی میں اوپر ہے، نیچے والوں پر منحصر ہے۔ اس طرح، سماجیات طبعی اور حیاتیاتی دنیا کے بارے میں مفروضے بناتی ہے، لیکن ساتھ ہی اس میں "تجزیہ کی ایک ابھرتی ہوئی سطح" (Emergent Level of Analysis) بھی شامل ہوتی ہے جو نیچے کے علوم سے مختلف ہوتی ہے۔

7.14 سماجیات علوم میں سب سے پیچیدہ علم ہے

(Sociology is the Most Complex Discipline among All)

کومٹ کے مطابق سماجی علوم درجہ بندی کے سب سے اوپر ہیں کیونکہ ان میں ان تمام علوم کے وسائل شامل ہوتے ہیں جو درجہ بندی میں ان سے پہلے ہیں۔ سماجی علوم سب سے زیادہ پیچیدہ ہیں اور اپنے ظہور کے لیے دوسرے تمام علوم کی ترقی پر انحصار کرتے ہیں۔ سماجی علوم مثبتیت کی صفات پیش کرتے ہیں باقی تمام علوم اس کے لیے مواد تیار کرتے ہیں۔

سماجیات علم کے تنظیمی ڈھانچے میں سب سے اونچے مقام پر ہے۔ "کومٹ کے مطابق سماجی طبیعیات یا سماجیات پیچیدہ ترین علم ہے۔ اگرچہ سماجیات میں مخصوص طریقہ کار کی خصوصیات ہیں جو اسے درجہ بندی میں اپنے پیشروؤں سے ممتاز کرتی ہیں، لیکن یہ انہیں پر منحصر ہے۔

7.15 کلی نقطہ نظر پر زور (The Emphasis on Holistic Approach)

جامع نقطہ نظر (Holistic Approach) علوم کی ترقی کی فطری سمت ہے۔ تمام علوم مثبت طریقے کی طرف بڑھتے ہیں۔ سماجیات تمام علوم میں سب سے اوپر ہے۔ مجموعی نقطہ نظر حیاتیات سے شروع ہوتا ہے اور سماجیات پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ حیاتیاتی نقطہ نظر عملی طور پر ایک جامع نقطہ نظر ہے اور یہ نامیاتی اکائی (Organic Whole) کے مطالعہ سے آگے بڑھتا ہے۔

کومٹ کے مطابق، غیر نامیاتی علوم سادہ سے مرکب کی طرف بڑھتے ہیں اور نامیاتی علوم مرکب سے سادہ کی طرف الٹے راستے پر منتقل ہوتے ہیں۔ لہٰذا، غیر نامیاتی علوم اس چیز کی پیروی کرتے ہیں جسے انفرادیت پسندانہ نقطہ نظر کے نام سے جانا جاتا ہے جبکہ نامیاتی علوم "مجموعی نقطہ نظر" کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔

7.16 نامیاتی اتحاد پر زور (Emphasis on the Organic Unity)

کومٹ نے معاشرے کے نامیاتی اتحاد پر زور دیا۔ کومٹ نے کہا ہے کہ: "نامیاتی علوم میں ہم عناصر کو ان تمام چیزوں سے کہیں زیادہ بہتر جانتے ہیں جن کی وہ تشکیل دیتے ہیں اور جس سے ہم سادہ سے اتحاد کی طرف بڑھ سکیں۔ لیکن انسان اور معاشرے کے مطالعہ میں الٹا طریقہ ضروری ہے۔ جس طرح حیاتیات مجموعی طور پر حیاتیات کے علاوہ کسی عضو یا فعل کی وضاحت نہیں کر سکتا، اسی طرح سماجیات مجموعی سماجی تناظر کے حوالے کے بغیر سماجی مظہر کی وضاحت نہیں کر سکتا۔

7.17 تنقیدی تشخیص (Critical Evaluation)

اس سلسلے میں بوگارڈس (Bogardus) لکھتا ہے کہ "کومٹ نے زور دیا کہ کسی بھی علم کا ان علوم کے بغیر مؤثر طریقے سے مطالعہ نہیں کیا جا سکتا جس پر یہ انحصار کرتا ہے۔ سماجیات کے طالب علم کے لیے یہ کومٹ کا کہنا ہے کہ تمام علوم کا نہ صرف عمومی علم ہونا ضروری ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک کا مطالعہ کرنا بھی ضروری ہے۔ کومٹ نے اصرار کیا کہ ایک عمومی سائنس ایک مقررہ نقطہ سے آگے ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ ایک مخصوص مرحلے سے گزر نہ جائے۔

7.18 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

کومٹ نے علوم کی درجہ بندی کا نظریہ پیش کیا۔ اس کے پیچھے اس کا مقصد سماجیات کو علم کے طور پر استحکام دینا تھا۔ کومٹ سے پہلے علوم کی درجہ بندی نسبتاً آسان تھی۔ لیکن سماجیات کو معاشرے کی سائنس کے طور پر تجویز کرنے کے لیے کومٹ کی درجہ بندی نسبتاً پیچیدہ ہے۔ کومٹ نے زور دے کر کہا کہ ریاضی تمام علوم میں سب سے آسان ہے اور سماجیات سب سے پیچیدہ مضامین میں سے ایک ہے۔ اس نے وضاحت کی ہے کہ ریاضی سب سے آسان ہے کیونکہ یہ اپنے نظریات کو ثابت کرنے کے لیے دوسرے علوم پر منحصر نہیں ہے۔ اس کے مطابق سماجیات تمام علوم میں سب سے آخری اور پیچیدہ ترین علم ہے، کیونکہ معاشرے کے نظریات کو ثابت کرنے کے لیے سماجیات دوسرے علوم کی مدد لیتی ہے۔

اپنے علم کی جانچ کریں (Check your knowledge)

1. اگست کومٹ سے پہلے علوم کی درجہ بندی کے اہم پہلو کیا تھے؟ وضاحت کیجئے۔
2. سماجی علوم کے مقابلے میں فطری علوم کیوں سادہ ہیں؟ بحث کیجئے۔

3. دو فکری عوامل پر بحث کیجیے، جو 19ویں صدی کے یورپ میں سماجیات کی ابتدا سے متعلق ہیں۔

7.19 کلیدی الفاظ (Keywords)

درجہ بندی(Hierarchy): کسی چیز کو مخصوص بنیادوں پر ایک کے بعد ایک کو درجہ بند کرنا۔

باہمی انحصار(Interdependence): نظریات اور تصورات کی وضاحت کے لیے یا پھر کسی اور مقصد کے لئے ایک دوسرے کی ضرورت ہونا۔

گروہ بندی (Classification): ایک نظام میں ایک تقسیم یا زمرہ جو چیزوں کو گروہوں یا اقسام میں تقسیم کرتا ہے۔

فلکیات (Astronomy): ایک ایسا علم جو زمین کے ماحول سے باہر کے مادے کا مطالعہ کرتا ہے۔

7.20 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. درج ذیل میں سے کس مفکر نے علوم کی درجہ بندی کے حوالے سے بات کی ہے؟

(a) اگسٹ کومٹ　　(b) ہربرٹ اسپنسر

(c) جیک ٹورگٹ　　(d) میکس ویبر

2. مندرجہ ذیل تعلیمی نظم وضبط میں سے کس کی تعریف 'تمام علوم کی چھت' کے طور پر کی گئی ہے؟

(a) فلکیات　　(b) ریاضی

(c) سماجیات　　(d) فطری علوم

3. کومٹ کی سائنس کی درجہ بندی کے لیے درج ذیل میں سے کون سا معیار ہے؟

(a) مضامین کی پیچیدگی کی عمودی ترتیب　　(b) تعلیمی مضامین کی سادگی

(c) 18ویں صدی کے یورپ کے سیاسی حالات　　(d) تعلیمی مضامین کی یکسانیت

4. درج ذیل میں سے کون سا علم سب سے بنیادی اور عام ہے؟

(a)سماجیات (b)ریاضی

(c)حیاتیات (d)فلکیات

5. سماجی تبدیلی کا ارتقائی نظریہ درج ذیل میں سے کس بات کی وکالت کرتا ہے؟

(a)سادہ سے پیچیدہ میں منتقل ہوتے ہیں (b)Linear Progress کا تجربہ کرتے ہیں۔

(c) تفریق کے عمل کے ذریعے تبدیل ہوتے ہیں (d)ان میں سے سب

6. یہ کتاب 'The System of Positive Polity' کس کی تصنیف کردہ ہے؟

(a)اگسٹ کومٹ (b)ہربرٹ اسپنسر

(c)جیک ٹورگٹ (c)میکس ویبر

7. کومٹ کی سائنس کی درجہ بندی کے مطابق، مندرجہ ذیل میں سے کون سا شعبہ سماجیات سے بالکل پہلے آتا ہے:

(a)فزکس (b)ریاضی

(c)کیمسٹری (d)حیاتیات

8. درج ذیل نظریات پر غور کریں اور ان کی تاریخی ترتیب بتائیں۔

(a)کومٹ کا نظریہ مثبتیت (b)پیش رفت کا ٹرگوٹ کا خیال

(c)معاشرے کی سینٹ سائمن کی درجہ بندی

a) 1, 2, 3

b) 2, 3, 1

c) 2, 1, 3

d) 3, 1, 2

9. مندرجہ ذیل میں سے کس نے کومٹ کے مثبتیت نظریے کی مخالفت کی؟

(a)ہربرٹ اسپنسر (b) ایمائل درکھائم

(c)میکس ویبر (d) b اور c دونوں

10. درج ذیل میں سے کون سا معیار تین مراحل کے قانون اور علوم کی درجہ بندی کے درمیان قطعی تعلق کی وضاحت کرتا ہے؟

(a) سماجیات 18 ویں اور 19 ویں صدی کے یورپ کی پیداوار ہے۔

(c) سماجیات سیاسی فلسفہ کی پیداوار ہے۔ (b) سماجی ترقی کے مراحل علوم کی بتدریج ترقی کے مماثل ہیں۔

(d) ان میں سے سب

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. تین مراحل کے قانون اور علوم کی درجہ بندی کے نظریہ کے درمیان کیا تعلق ہے؟ وضاحت کریں۔

2. بڑھتی ہوئی مختلف النوعیت (Heterogeneity) کے لحاظ سے سائنس کی درجہ بندی کی وضاحت کریں۔

3. اگست کومٹ کے مطابق، "سماجیات تاریخی (Chrnologically) اور منطقی (logically) طور پر تمام علوم سے پیچھے ہے۔" مناسب مثالوں کے ساتھ جملہ کی وضاحت کریں۔

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. علوم کی پیچیدگی کے حوالے سے ایک نوٹ لکھئے۔
2. کومٹ سماجیات کی وکالت کرتا ہے۔ اس پر ایک مختصر مضمون لکھئے۔
3. کومٹ کا علوم کی درجہ بندی اور اس کی خصوصیات بیان کیجئے
4. علوم کے باہمی انحصار کو بیان کیجئے۔
5. علوم کی درجہ بندی کا نقشہ اور اس کی بنیاد بتائیے۔

7.21 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Coser, l. A. (2011). Masters of Sociological Thought. Jaipur: Rawat Publication.
2. Inkeles, A. (2010). What is Sociology? New Delhi: PHI Learning Private Limited.
3. Ritzer, G., & Goodman, D. (1986). Sociological Theory.

اکائی 8۔ مثبتیت

(Positivism)

اکائی کے اجزا

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 مثبتیت کا نظریاتی تضاد

8.3 مثبتیت بطور ایک فلسفہ

8.4 کومٹ کے تصور مثبتیت کی جڑیں

8.5 کومٹ کا فلسفۂ مثبتیت

8.6 روشن خیالی کے نظریات کی مخالفت

8.7 تحقیقی فلسفہ میں مثبتیت

8.8 مثبتیت کے اقسام

8.9 سماجی نظام میں مثبتیت کے مضمرات

8.10 اکتسابی نتائج

8.11 کلیدی الفاظ

8.12 نمونہ امتحانی سوالات

8.13 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں

8.0 تمہید (Introduction)

سماجیات کے بانیوں میں سے بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ "معاشرے کی سائنس" (Science of Society) کی تشکیل انھی اصولوں اور طریقہ کار کی بنیاد پر ممکن ہوگی جس طرح فطری علوم یعنی کیمیا اور حیاتیات کی ہوتی ہیں۔ سماجیات میں فطری سائنس کے طریقہ کار کو لاگو کرنے کی سوچ اور کوشش کو مثبتیت کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اگست کومٹ (1798-1857) جسے سماجیات کی اصطلاح کو ایجاد کرنے کا سہرا دیا جاتا ہے۔ اس کا ماننا تھا کہ قدرتی علوم کے طریقوں اور مفروضوں کا اطلاق معاشرے کی مثبت سائنس کو جنم دیگا۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ اس سے یہ بات سامنے آئے گی کہ معاشرے کی ارتقا نے غیر متغیر قوانین کی پیروی کی ہے۔ یہ سائنس یہ ظاہر کرے گا کہ انسانوں کا طرز عمل سبب اور اثر کے اصول (Principle of cause and effect) کے تحت ہوتا ہے جو کہ مادے کے رویوں کی طرح ہی ناقابل تغیر ہوتا ہے۔

8.1 مقاصد (Objectives)

پچھلی اکائی میں ہم نے کومٹ کی زندگی کی تاریخ کے بارے میں جانا ہے۔ ہم نے کومٹ کے نظریات اور تصورات کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی۔ اس اکائی کے مطالعے سے طالب علموں کو درج ذیل معلومات حاصل ہوں گی؛

- کومٹ کا طریقہ کار جسے مثبتیت (Positivism) کے نام سے جانا جاتا ہے۔
- مثبتیت کے اقسام کے متعلق معلومات ہوگی۔
- روشن خیالی نظریات کی مخالفت اور سماجی نظریات میں مثبتیت کے مضمرات کے حوالے سے بھی جانکاری حاصل ہو سکے گی۔

8.2 مثبتیت کا نظریاتی تضاد (Ideological Paradox of Positivism)

آئیڈیالوجی بڑی حد تک ایک جدید ایجاد ہے کیونکہ یہ جدیدیت ہی ہے جو روایتی معاشروں سے وابستہ عقیدہ اور غیر یقینی صورت حال کے ٹوٹنے کی ذمہ دار تھی۔ مختصراً، آئیڈیالوجی اس بات کو قبول کرنے سے انکار کی نمائندگی کرتی ہے کہ موجودہ حالات دنیا کی ممکنہ بہترین عکاسی کرتے ہیں۔ آئیڈیالوجی کو، یقیناً، تجرباتی طور پر تصدیق شدہ سائنسی علم کے ساتھ الجھنا نہیں چاہیے۔ کچھ سماجی نظریہ ساز، مثلاً، اسپنسر (Spencer) اور پاریٹو (Pareto) کا خیال تھا کہ سماجیات اس وقت زیادہ طاقتور ہوتی ہے جب یہ سب سے زیادہ سائنسی ہو اور کم تر نظریاتی ہو۔ سطحی اعتبار سے اس نقطہ نظر سے اختلاف کرنا مشکل لگتا ہے۔ تاہم، ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ انسان کو زندگی میں سمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر ہم اس بات کا

یقین نہیں کر سکتے ہیں کہ ایک خاص نظریاتی واقفیت بالکل معروضی ہے، یہ اس بات کی پیروی نہیں کرتا ہے کہ اسے ختم کرنا عقلی ہوگا۔ مثبت پرست نظریہ سازوں جیسے کہ کومٹ، اسپنسر اور پاریٹو کا پختہ یقین تھا کہ سماجیات کو اپنی تحقیقات کے طریقہ کار کی بنیاد پہلے سے قائم شدہ طریقہ کار پر رکھنی چاہیے۔

8.3 مثبتیت بطور ایک فلسفہ (Positivism as an Idea)

مثبتیت ایک اصطلاح ہے جو ایک ایسے فلسفیانہ رجحان کی طرف اشارہ کرتا ہے جو قدرتی سائنس کے ارد گرد گھومتا ہے۔ یہ طریقہ کار کے استعمال اور نتائج کی توسیع کے ذریعہ جسمانی اور تجریدی دونوں مظہر کو سمجھنے کے لئے دنیا کے سامنے ایک متحد نظریہ پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی کے ذریعہ فطری علوم نے تحقیق میں اپنی بے مثال پوزیشن حاصل کی ہے۔ جدید دنیا میں طریقہ کار کے نقطہ نظر سے 'مثبتیت' (Positivism) کا تصور روایتی فلسفہ کے طریقہ کار کے برعکس استعمال کیا جاتا ہے۔

مثبتیت ایک فلسفہ ہے۔ یہ وہی فلسفہ ہے جو یہ بتاتا ہے کہ دنیا کی تشریح انسانی تجربے پر مبنی ہے۔ یہ سماجی دنیا کے مطالعہ کے لیے فطری علوم کے سائنسی طریقہ کار کے اطلاق پر اصرار کرتا ہے۔

مثبتیت نے سماجی علوم میں انقلاب پیدا کیا ہے۔ یہ اس عقیدے پر مبنی ہے کہ ایک سائنسی تجزیہ معاشرے کی برائیوں کے علاج کا راستہ دکھائے گا۔ مثبتیت کے مطابق فطری علوم کے طریقے انسانی معاشروں کے مطالعہ پر لاگو ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر، گرمی کی وجہ سے کسی خاص کیمیکل کے رد عمل کی وضاحت کرنے کے لیے، درجہ حرارت، وزن وغیرہ کی درست پیمائش فراہم کرنا ضروری ہے۔ اس طرح کی پیمائش کی مدد سے، مادے کے رویے کا درست مشاہدہ کرنا اور وجہ اور اثر کا بیان کرنا ممکن ہو گا۔ اسے A*B=C کے تحت لکھا جاسکتا ہے جہاں A مادے کی مقدار، B حرارت کی ڈگری اور C گیس کا حجم ہے۔ ایک بار جب یہ بتایا جاتا ہے کہ زیر بحث مادّہ مقررہ حالات میں اسی طرح رد عمل ظاہر کرتا ہے تو اس کے رویے کی وضاحت کے لیے ایک قانون وجود میں آتا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ جب بھی یہ مقررہ حالات ہوں گے تو یہی رد عمل ہو گا۔

مثبتیت کے نقطہ نظر سے اسی طرح کے طریقے اور مفروضے انسانی رویے پر لاگو ہوتے ہیں۔ معروضی پیمائش پر مبنی رویے کا مشاہدہ اس کے تئیں سبب اور اثر کی وضاحت کو ممکن بناتا ہے۔ پھر اس مشاہدہ شدہ رویے کی وضاحت کے لیے قانون وضع کیا جا سکتا ہے۔

سماجیات نے ان چیزوں کے تئیں مثبتیت پر خاص زور دیا ہے جن کا براہ راست مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسے عوامل جو براہ راست

قابل مشاہدہ نہیں ہیں جیسے معنی، احساسات اور مقاصد وغیرہ حقائق کے ادراک میں معاون نہیں ہوسکتے۔مثال کے طور پر، اگر معاشرے کے بالغ افراد کی اکثریت شادی کر لیتی ہے اور بچے پیدا کرتی ہے۔ تو ان حقائق کو مقداری طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔کیونکہ یہ قابل اعتماد اعداد و شمار تشکیل دیتے ہیں۔ تاہم معاشرہ ان سرگرمیوں کو جو معنی دیتا ہے وہ افزائش کی وجہ براہ راست قابل مشاہدہ نہیں ہے۔ایک شخص یہ مان سکتا ہے کہ انہوں نے شادی اس لیے کی کہ وہ اکیلے تھے، دوسرا اس لیے کہ وہ محبت میں تھے، تیسرا اس لیے کہ یہ کرنے کی چیز تھی اورکچھ اس لیے کہ وہ بچے پیدا کرنا چاہتے تھے۔رویوں اور برتاؤ کو سمجھنے کے لیے اس قسم کے اعداد و شمار پر انحصار اس مفروضے کے ساتھ آگے بڑھتاہے کہ افراد شادی کی وجوہات جانتے ہیں۔یہ اعدادوشمار ان کے رویے کی اصل وجہ کو تلاش کر سکتا ہے۔

قابل مشاہدہ حقائق پر مثبتیت پسندی کا زور زیادہ تر اس یقین کی وجہ سے ہے کہ انسانی برتاؤ کی وضاحت بالکل اسی طرح کی جا سکتی ہے جس طرح مادے کی ہے۔فطری علوم کے ماہرین مادے کے کسی خفیہ مقاصد اور معنی کے بارے میں تحقیق نہیں کرتے بلکہ ایٹم اور کسی خفیہ معنی کے لحاظ سے کام نہیں کرتے، وہ صرف بیرونی محرکات پر رد عمل ظاہر کرتے ہیں۔اس طرح اگر مادے پر حرارت جو کہ ایک بیرونی محرک ہے،اس کا اطلاق ہوتا ہے۔تو وہ مادہ رد عمل ظاہر کرتاہے۔فطری علوم کے ماہرین کا کام مشاہدہ کرنا، پیمائش کرنا اور پھر رد عمل کی وضاحت کرنا ہے۔

انسانی برتاؤ کے لیے مثبتیت کا نقطہ نظر بھی اسی طرح کی منطق کا اطلاق کرتا ہے۔لوگ بیرونی محرکات پر رد عمل ظاہر کرتے ہیں اور ان کے رویے کو اس رد عمل کے لحاظ سے بیان کیا جا سکتا ہے۔وہ شادی کرتے ہیں اور معاشرے کے مطالبے کے جواب میں بچے پیدا کرتے ہیں۔معاشرہ اپنی بقا کے لیے ایسے ہی رویے کا متقاضی ہے اور اس کا فرد اس ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

اکثر یہ دلیل دی جاتی ہے کہ سماجیات میں نظام کا نظریہ (System approach in sociology) شبتیت کا نظریہ ہے۔ایک بار جب رویے کو کچھ بیرونی محرکات کے رد عمل کے طور پر دیکھا جائے تو فطری علوم کے طریقے اور مفروضے انسان کے مطالعہ کے لیے موزوں دکھائی دیتے ہیں۔مارکسزم (Marxism) کو بعض اوقات ایک مثبت نقطہ نظر کے طور پر سمجھا جاتا ہے، کیونکہ یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ یہ انسانی رویے کو اقتصادی انفراسٹرکچر کے رد عمل کے طور پر دیکھتا ہے۔ فنکشنلزم (Functionalism) کو بھی اسی کی روشنی میں دیکھا گیا ہے۔معاشرے کے رویے کو سماجی نظام کی عملی شرط کے جواب کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

8.4 کومٹ کے تصورِ مثبتیت کی جڑیں (Roots of Comte's Concept of Positivism)

کومٹ کی فکر پر امریکی فلسفی بینجمن فرینکلن (Benjamin Franklin) (1706-1790) کا کافی اثر تھا۔ کومٹ کے لیے، فرینکلن نے ایک ایسا نمونہ فراہم کیا جس نے سائنسی نقطہ نظر کو ترقی اور روشن خیالی کے نظریات کے ساتھ ایسا عقیدہ دیا جو اخلاقی طرز عمل کے ایسے اصول دریافت کر سکتا ہے جو روایتی مذہبیت سے آلودہ نہ ہوں۔

یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ عناصر معاشرے کی سائنس کی بنیاد ہو سکتے ہیں، کومٹ کو یہ بیان کرنے کی ضرورت تھی کہ ایسی سائنس کیسی نظر آئے گی۔ عام اصطلاحات میں کومٹ کے سائنس کی تصویر فرانسس بیکن (Francis Bacon) (1561-1626) کے تصور پر بنائی گئی ہے۔ رینے ڈیکارٹس (Rene Decartes) (1596-1650) کا خیال ہے کہ تمام علوم میں موضوع سے قطع نظر، طریقہ کار کی وحدت پائی جاتی ہے۔ ڈیکارٹس نے ثابت کیا کہ مظاہر پر عقلی کنٹرول ریاضیاتی طریقہ کار کے استعمال سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ برطانوی پیوریٹن (Puritan) سائنسدان ایک مذہبی آدمی تھا جس کا خیال تھا کہ فطرت کے آفاقی اور ضروری قوانین کو سمجھنے کے لیے عقل اور مشاہدے کے استعمال میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

کومٹ نے دیکھا کہ سماجی سائنس کا نظریہ متعدد مفکرین کے کاموں میں جھلکتا ہے۔ ان میں سب سے اہم فرانسیسی فلسفی اور قانونی نظریہ دان مونٹیسکوئیو تھا۔ مونٹیسکوئیو نے سماجی تغیر اور سماجی ترقی دونوں کے قوانین کی تجرباتی تلاش پر زور دے کر کومٹ کو سماجی حقیقت کے لیے ایک سائنسی نقطہ نظر کی راہ دکھائی۔ کومٹ نے فرانسیسی مفکر جیک بوسویٹ (Jacques Bossuet) (1627-1704)، انگریز فلسفی تھامس ہوبز (Thomas Hobbes) (1588-1679)، اطالوی سیاسی مفکر میکیاویلی (Machiavelli) (1469-1527) کے افکار میں سماجی سائنس کی حمایت میں خیالات تلاش کیے۔ فرانسیسی ادبی نظریہ ساز جرمین ڈی اسٹیل (Germaine de Stael) (1766-1817) نے کہا تھا کہ انسانی معاشرے کو ایک فطری رجحان کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے جو منطقی اصولوں کے مطابق ترقی کرتا ہے۔

ہابس نے سماجی تنظیم اور سیاسی نظم کے قابل دریافت قوانین کے وجود پر زور دیا تھا۔ میکیاولی نے حکومت کی تنظیم اور معاشرے کے باقی حصوں کے ساتھ اس کے تعلقات کے بارے میں غیر جانبدار تجزیہ تیار کرنے کا امکان ظاہر کیا تھا۔ اور ڈی اسٹیل نے "مثبت" سماجی سائنس کی تخلیق کے لیے منطقی دلائل فراہم کیے جس نے سائنسی نقطہ نظر کو علوم کے ملانے کی بات کی۔

8.5 کومٹ کا فلسفہ مثبتیت (Comte's Philosophy of Positivism)

یہ کہا گیا ہے کہ "مثبتیت ایک اصطلاح ہے جو ایک فلسفیانہ رجحان کو ظاہر کرتی ہے اور فطری علوم کے ارد گرد گھومتی ہے۔یہ فطری اور سماجی دونوں طرح کے مظاہر کے بارے میں ایک آفاقی نظریے کی حمایت کرتی ہے۔کومٹ نے کہیں بھی واضح طور پر یہ نہیں بتایا کہ مثبتیت پسندی سے اس کا کیا مطلب ہے، لیکن وہ اسے "سائنس" اور "سائنسی" کے مترادف کے طور پر استعمال کرتا ہے۔لنڈ برگ(Lundberg) کو کومٹ کے تین اہم اصول ملتے ہیں جنہیں سماجیات میں مثبتیت کی نمائندگی کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔کومٹ کے مطابق، مثبت فلسفہ کا پہلا اصول یہ ہے کہ یہ تمام مظاہر کو ناقابل تغیر فطری قوانین کے تابع سمجھتا ہے۔ہمارا اصل کام سماجی مظاہر کے حالات کا درست تجزیہ کرنا ہے، اور پیش آنے والے واقعات کی مشابہت سابقہ واقعات سے کرنا اور ان کے درمیان فطری رشتوں کو تلاش کرنا ہے۔کومٹ کہتا ہے کہ؛مثبت فلسفہ کا مطالعہ انسانی ذہن کے قوانین کا مطالعہ کرنے کا واحد عقلی ذریعہ پیش کرتا ہے جو اب تک غیر موزوں طریقوں سے تلاش کیے جاتے رہے ہیں۔ کومٹ کے مطابق، ہمیں محض انسانی نسل کی فکری قوتوں اور نتائج کا مطالعہ کرنا ہے، جو کہ مثبت فلسفے کے عمومی مقصد سے زیادہ یا کم نہیں ہے۔

8.6 روشن خیالی کے نظریات کی مخالفت (Opposition to Enlightenment Ideas)

اس میں کوئی شک نہیں کہ مثبتیت کا انیسویں صدی کے مغربی معاشرے کو بنانے میں ایک یقینی کردار تھا۔اس نے ہیگلی جدلیات (Hegelian Dialecticians)کے ذریعے بوئے گئے "ڈریگن بیج" (Dragon Seed) کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے چیلنج کو قبول کیا۔مثبت سماجیات کی ابتدا ایک قدامت پسند اور رجعتی مشن میں ہوئی تھی اور یہ آج بھی اس کی خصوصیت ہے۔مثبت سماجیات کے اس نظریے کو سمجھنے کے لیے، آیئے اس بات پر غور کریں کہ کومٹ نے "مثبت" اصطلاح کا استعمال کیسے کیا۔کومٹ نے سترہویں اور اٹھارویں صدیوں کے اس فلسفے کی مخالفت میں لکھا جسے وہ منفی سمجھتا تھا۔ منفی فلسفے (Negative Philosophy) سے اس کی مراد "وہ تمام انفرادی نظریات ہیں جو روشن خیالی کے دوران فروغ پائے اور جو انقلاب کے محرک ثابت ہوئے۔

کومٹ منفی نظریے کے اخلاقی، سیاسی اور دیگر پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہوئے اس کی مذمت کرتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ یہ "انتشار (Disorganisation)، انقلاب (Revolution) اور انارکی (Anarchy)" کی طرف لے جاتا ہے۔ والٹیئر (Voltaire)، روسو (Rousseau)، ڈیڈروٹ (Diderote) اور انسائیکلو پیڈسٹس (Encyclopedist) کو فرد اور

ریاست کو بچانے کے لیے تمام معاشرے کو تباہ کرنے کی کوششوں کے لیے زبانی طور پر تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔وہ املاک کے ادارے پر اپنے حملوں سے معاشرے کی ہی وحشیانہ نفی کا باعث بن گئے۔ایڈم اسمتھ (Adam Smith)کے ماتحت ماہرین معاشیات نے اس "نامیاتی عدم استحکام" (Organic imbecility) میں حصہ لیا۔مزید یہ کہ محنت کش طبقے کی ان کے صنعتی لیڈروں کی ماتحتی کو ختم کر کے اور نااہل لوگوں کو حکومت کے کام میں براہ راست مدد کرنے کے لیے بلا کر منفی ترقی نے صنعت کی مکمل تباہی کا خطرہ پیدا کر دیا۔

منفی فلسفے کا ایک اور مرحلہ جس کے خلاف کامٹ نے اپنی مثبتیت کی رہنمائی کی وہ تنقیدی تحریک تھی۔اس کی سب سے زیادہ ترقی کامٹ کے زمانے تک ہیگیلین جدلیات میں ہوئی تھی۔اس کے لیے بنیادی طور پر دو تصورات تھے جو کامٹ کے لیے اس نظریہ کی مذمّت بطور مابعد الطبیعیات کرنے کے لیے کافی تھے۔ان تصورات میں سے ایک ہیگل کا نظریہ تھا کہ "وجہ اور حق "مکمل طور پر رواج کے معاملات نہیں ہیں، جیسا کہ انگریز تجربہ کاروں، خاص طور پر ہیوم (Hume)نے دعویٰ کیا تھا، اور یہ کہ انسان ممکنہ طور پر اس مرحلے پر تھا جہاں وہ شعوری طور پر وجہ کو معاشرے کی "فطری" قوتوں میں داخل کر سکتا تھا۔

کومٹ کو مستقل مزاجی کے لیے اس تنقیدی نظریے کو مسترد کرنا پڑا۔اگر کوئی بھی معاشرہ اپنے تجربے میں اپنی ثقافت کو ایک شے بنا سکتا ہے اور اپنی تحریک کو کچھ مقاصد کی طرف رہنمائی کرنے کی کوشش کر سکتا ہے تو ثقافت کو ایک ہی وقت میں ناقابل تغیر فطری قانون کے دائرے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔اس کنٹرول کا مطلب یہ ہوگا کہ تبدیلی؛یعنی جانشینی (Succession)"وہ سب کچھ ہوگا جو ہم جاننے کا بہانہ کر سکتے ہیں۔اور وہ سب کچھ جو ہمیں جاننے کی ضرورت ہے" 1 سماجی عمل اپنی جانشینی کو ترجیحی تحفظات سے توڑ دے گا جو اس طرح کے معاشرے کے تجربہ کردہ کسی بھی چیز پر مبنی نہیں ہو سکتا ہے۔

منفی فلسفے کا دوسرا مرحلہ جس کی مخالفت مثبت پرستوں نے کی ہے، سماج کی جدلیاتی ترقی کا تصور ہے۔جدلیاتی تصور کو رد کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ منفی فلسفے کی سب سے طاقتور اور قریب سے معقول شکل ہے، جو کچھ ضروری اور تقریباً ناگزیر سماجی شکلوں(Social Forms) کے غائب ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ہیگل (Hegel) نے سماجی شکلوں کو عارضی سمجھا۔ شکل (Forms or Types) سے مراد اس کا وجود نہیں ہے جیسا کہ اس وقت تشکیل دیا گیا تھا۔اس کے معنی اس میں ہیں کہ یہ بالآخر کیا بنے گا۔جیسا کہ ہیگل کا خیال تھا کہ انسان ایک ایسے مرحلے پر پہنچ گیا ہے جہاں وہ آزاد ہو سکتا ہے۔یعنی اب

قدرتی قانون کی اندھی قوتوں کے تابع نہیں رہا۔ اگر وہ اپنی ثقافت کو عقل کی مربوط قوت کے حوالے کر دے، تو یہ دیکھا گیا کہ منفی فلسفہ نے اس وقت کے موجودہ سماجی نظام کو براہ راست خطرہ میں ڈال دیا۔

مثبت فلسفہ کا مقصد اس منفی، انقلابی فلسفے پر مکمل طور پر قابو پانا ہے۔ اپنے مثبت فلسفے کی بدولت کومٹ نے تاریخ کی ایک شے "وجہ (Reason)" کا خاتمہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کا مثبت فلسفہ ایک چھ حجم (Polemic) کا مباحثہ ہے جو یہ ظاہر کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا کہ حقائق حقیقی ہیں اور تبدیل نہیں ہوتے۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے ایک توسیعی بحث ہے کہ غیر نامیاتی، نامیاتی اور سپر آرگینک مظاہر ناقابل تغیر قدرتی قوانین کے تحت چلتے ہیں۔ مثبت فلسفہ "تنظیم نو کا مواد" پیش کرتا ہے جس کے ذریعے انسانوں کو خود کو حقائق اور مشاہدے کے معاملات تک محدود رکھنا سکھایا جائے گا۔

اس سے معلوم ہو گا کہ ہم اپنے اس اندازے میں معاصر (Contemporary) مثبتیت پسندوں سے مختلف ہیں جسے کومٹ نے اپنے مثبت فلسفے کو تیار کرنے کی کوشش کی۔ پچھلے غیر محدود مابعد الطبیعاتی قیاس آرائیوں کے برعکس، زیادہ تر مصنفین کی طرف سے اس کی نمائندگی ایک سائنسی سماجیات قائم کرنے کے مقصد کے طور پر کی جاتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کامٹے کی تحریریں خود اس بیان کی سند تیار کرتی ہیں کہ سماجیات (جہاں تک کومٹ نے اس کی بنیاد رکھی ہے) رد عمل اور ردِ انقلاب ہے۔ نسبیٹ (Nisbet) کی اس سے مراد وہ "واضح عزت" (Conspicuos Esteem) ہے جس میں کومٹ کیتھولک چرچ، خاندان اور دیگر سماجی شکلیں اور ان اداروں کی بحالی کی خواہش رکھتا ہے۔ اس نے ان نئی سماجی شکلوں کی ترقی کی مخالفت کی جو فرانسیسی انقلاب اور تنقیدی فلسفہ پیدا کر رہے تھے۔

اس طرح اس کا کام ایک نظریاتی بیان بن کر سامنے آیا، یعنی کہ انقلاب اور فلسفیوں نے متوسط طبقے کو اقتدار میں لانے کا اپنا مشن مکمل کر لیا تھا، اور اس کے بعد ان فلسفیوں کو اقتدار کی باگڈور متوسط طبقے کے سپرد کر کے، جیسا کہ اس کا حق تھا اس تاریخی مقام کو الوداع کہنا چاہیے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان اداروں کو بحال کرنا ضروری ہو گیا جن کے خلاف روشن خیالوں نے جدوجہد کی، ان کی جاگیردارانہ تراش خراش چھین لیں۔

8.7 تحقیقی فلسفے میں مثبتیت (Positivism in Research Philosophy)

تحقیق میں ہم آہنگ آنکڑے اکٹھا کرنے کے لیے محقق کو تحقیقی فلسفے (Research Philosophy) کو تحقیقی طریقہ (Research Methodology) کار میں شامل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی تشکیل تصورات، مفروضوں اور طریقوں کے مختلف نمونوں کی بنیاد پر کی جاسکتی ہے۔ ایسٹربی (Easterby) اور اسمتھ (Smith) نے تین وجوہات بیان کرتے ہوئے یہ کہا

ہے کہ محقق تحقیق میں فلسفیانہ تجزیے کو اپنا رہا ہے۔ اول، محقق مجموعی حکمت عملی اور مجموعی شعبوں میں کام کرنے کا منصوبہ بناتا ہے، دوم، تحقیق کے طریقوں کا تجزیہ کرتے ہوئے غیر ضروری کاموں میں ملوث نہیں ہوتا، تیسرا یہ کہ محقق کی اصل صلاحیت تحقیق کے طریقوں سے طے ہوتی ہے۔

مثبتیت تحقیقی فلسفے فکر میں سے ایک ہے جو تعبیر پسندی اور حقیقت پسندی کے دوسرے فلسفوں سے وابستہ ہے۔ مثبتیت کا عقیدہ یہ ہے کہ معروضی نقطہ نظر سے حقیقت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔سائنسی تحقیق میں، مثبتیت پسندوں کا خیال ہے کہ معاشرہ معاشرے میں رہنے والے فرد سے آزادانہ طور پر حقائق کی سماجی تعمیر سے بنا ہے سماجی تحقیق میں مثبتیت پسندی اسی طرح کے طریقہ کار اور طریقوں کو نافذ کر رہی ہے جو فطری علوم میں لاگو ہوتے ہیں۔ یہ انسانی رویے کی دریافت اور مستقبل کے رجحانات کی پیشین گوئی کی وجوہات بیان کر سکتا ہے۔ مثبتیت اعداد و شمار کو جمع کرنے کے لیے مقداری طریقوں (Quantitative Methods) کا استعمال کر تا ہے اور عمومی تجرید (Abstraction) پر توجہ مرکوز کر تا ہے۔ مثبت تحقیق میں پانچ بڑے اصول دیکھے جا سکتے ہیں:

a) منطقی تفتیش (Logical Enquiry) تمام علوم میں ایک جیسی ہے۔

b) وضاحت اور پیشین گوئی تحقیق کے جڑواں مقاصد ہیں۔

c) انسانی حواس تحقیق میں تجرباتی مشاہدے کا اہم حصہ ہیں۔

d) مفروضے کی جانچ کے لئے سائنس عام فہم طریقے کا استعمال نہیں کرتی کیونکہ عقل کا استعمال تحقیق میں جانب داری پیدا کر سکتا ہے ۔

e) سائنسی تحقیق کا یہ جز ہے کہ اسے قدر سے پاک ہونا چاہئے جس سے کہ سائنس کو صرف منطقی تجربے سے جانچا پرکھا جاسکے۔

مثبت محققین زیر تحقیق شرکاء سے دوری بنا کر رہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں جذباتی طور پر غیر جانبدار رہنا ہوتا ہے اور انہیں وجوہات اور احساس کے درمیان فرق کو بر قرار رکھنا ہوتا ہے۔

8.8 مثبتیت کے اقسام (Types of Positivism)

مثبتیت کی چار اقسام ہیں؛ منطقی مثبتیت، سماجی مثبتیت، قانونی مثبتیت اور پولش مثبتیت۔

1. منطقی مثبتیت (Logical Positivism)

20ویں صدی کے اوائل میں مثبتیت پسندی یعنی منطقی مثبتیت کے نظریے کا عروج تھا۔ اس مکتبہ فکر کی بنیاد میکس ویبر (Max Weber) اور ویانا حلقے (Vienna Circle) کے اراکین لڈونگ وِٹگینسٹین (Ludwing Wittegenstein)، موریز سلِک (Moriz Schlick) اور اے جے آئر (A.J. Ayer)) نے رکھی تھی۔ یہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ تحقیق کے میدان میں درست اور قابل اعتماد علم صرف سائنسی طریقوں سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

2. سماجیاتی مثبتیت (Sociological Positivism)

اسے اگست کومٹ نے تیار کیا۔ یہ مثبت نقطہ نظر اس بات پر زور دیتا ہے کہ سماجی مظاہر کا مطالعہ صرف تجرباتی مشاہدے سے کیا جائے۔ یہ فطری علوم کے طریقوں کے اطلاق پر سختی سے عمل کرنے کی وکالت کرتا ہے۔ مزید یہ کہ اس کی بنیاد تجرباتی طریقوں پر رکھی گئی ہے۔

3. قانونی مثبتیت (Legal Positivism)

قانونی مثبتیت کے مشاہدے کے مطابق، قانون سماجی حقائق سے بنا ہے۔ اس نظریے کے مطابق قوانین ایسے قواعد ہیں جو انسانوں کے ذریعہ بنائے گئے ہیں اور اخلاقیات اور اس طرح کے دوسرے مشترک برتاؤ کا قانون سے کوئی لازمی تعلق نہیں ہے ۔ یہ انصاف اور اخلاقیات کے قوانین کی پابندی کرتا ہے۔

4. پولش مثبتیت (Polish Positivism)

یہ پولینڈ میں 19ویں صدی کے وسط کا وہ دور تھا جس میں مسلح تصادم (Armed Conflicts) ناکام ثابت ہوئے۔ مزید برآں یہ اگست کومٹ کے نظریے سے متاثر ایک سیاسی تحریک تھی اور کومٹ نے جذبات سے پہلے اسباب کی وکالت کی تھی ۔بعد میں اس کی وجہ سے پولینڈ کی آزادی کی تحریک شروع ہوئیں۔

8.9 سماجی نظام میں مثبتیت کے اطلاق (Implications of Positivism in Social System)

کومٹ کا خیال تھا کہ مثبتیت سائنس کو آگے بڑھا سکتی ہے اور ساتھ ہی لوگوں کی زندگی گزارنے کے طریقوں کو بدل سکتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کے دور کے اعلیٰ طبقے مثبت تبدیلی کی وکالت کرنے میں بہت زیادہ قدامت پسند تھے جبکہ خواتین اور محنت کش طبقے کے ارکان مثبتیت کی وکالت کرنے اور تبدیلی کو نافذ کرنے میں معاون و مددگار تھے۔ کومٹ کا خیال تھا کہ خواتین بڑی حد تک تبدیلی کے لیے اس کے مثبت پروگرام کی حمایت کریں گی کیونکہ خواتین مردوں کے مقابلے زیادہ

محبت کرنے والی، پرہیزگار اور حسّاس ہوتی ہیں۔ وہ فکری اور عملی معاملات میں مردوں کو برتر سمجھتے تھے، اور اس طرح وہ تبدیلی کی منصوبہ بندی اور نگرانی کے لیے زیادہ موزوں تھے، جب کہ خواتین اخلاقی معاملات میں زیادہ موزوں ہیں۔

کومٹ جنس کی مساوات پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ کومٹ کے کچھ انتہائی دل چسپ خیالات مستقبل کے لیے اس کے منصوبوں میں پائے جاتے ہیں۔ کومٹ نے ایک مثبت کیلنڈر (Positivist Calendar)، عوامی تعطیلات (Public Holidays) اور مندروں (Temples) کا تصور پیش کیا۔ اس نے اپنے مثبت معاشرے کے لیے ایک منصوبہ پیش کیا جس میں بینکرز اور صنعت کاروں، مثبتیت پسند پادریوں، تاجروں، صنعت کاروں اور کسانوں کے لیے اہم کردار شامل تھے۔ کومٹ نے 100 کتابوں کی ایک مثبت لائبریری کا تصور بھی دیا جو ان عناوین کے مطابق تھی جو اس نے ذاتی طور پر منتخب کیے تھے۔ اس کا یہ ماننا تھا کہ دوسرے عناوین پڑھنے سے لوگوں کے ذہن آلودہ ہو جائیں گے۔ اس نے ایک باپ، ماں، تین بچوں اور دادا دادی کو شامل کرنے کے خاندان کی تشکیل نو کا منصوبہ بھی بنایا۔

8.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس سبق کو پڑھنے سے مثبتیت کا تصور، اس کے پس منظر میں ہونے والے کافی عوامل اور دور میں پروان چڑھ رہے افکار سے واقفیت ہوئی ہوگی۔ اس دور میں پروان چڑھنے والے افکار کا مثبتیت کی نشو نما میں کس عزم کا کردار درکار تھا اور وہ کون سے مفکر تھے، ان تمام نکات کا علم ہوا ہوگا۔ مزید یہ کہ مثبتیت کے تصور کو سماجی تحقیق میں کس طرح استعمال کیا جائے اور یہ کس طرح روایتی طریقہ تحقیق سے الگ ثابت ہوا۔ اس اکائی کے مطالعے سے یہ بھی پتہ چلا کہ مثبتیت سماجی تحقیق میں کس طرح رہنمائی کرتی ہے۔

اپنے علم کی جانچ کریں (Test Your Knowledge)

1. مثبتیت کے تین بنیادی مفروضوں کے بارے میں بحث کیجئے۔
2. انسانی رویے میں سبب واثر کے تعلق کی وضاحت کیجئے۔
3. کومٹ کی مثبتیت کی تین بنیادی خصوصیات کیا ہیں؟ وضاحت کیجئے۔

8.11 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **سبب اور اثر رشتہ (Cause- effect Relationship)**: سماجی واقعات سبب اور اثر کے پیچیدہ تعلقات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ایک واقعہ دوسرے واقعہ کو متاثر کر سکتا ہے۔

❖ **سائنسی مشاہدہ (Scientific observation):** یہ قدرتی یا سماجی مظاہر کا حسی مشاہدہ ہے۔ سائنسی مشاہدات عام آدمی کے مشاہدے سے مختلف ہیں اور مثبت طریقہ کار کا اہم حصہ ہیں۔

❖ **تجربہ (Experimentation):** سائنسی طریقہ کار کو انجام دینے کا عمل ہے جو تجربہ گاہوں میں ہو سکتا ہے یا پھر سماجی گروہوں میں سماجی واقعات کے تئیں دیکھا جاسکتا ہے۔

❖ **سسٹم تھیوری (System Theory):** سسٹم تھیوری مکمل نظام اور اس نظام کو بنانے والی تمام قوتوں کے بنیادی تعامل کو سمجھنے پر مرکوز ہے، مثال کے طور پر، سماجیات میں فنکشنلزم کا نظریہ

❖ **تابعیت(Subjectivity):** ذاتی احساسات، یا آراء پر مبنی یا اس سے متاثر ہونے کا معیار، سماجی علوم میں یہ تحقیق کی اہم بنیاد ہے۔ جو کبھی کبھی مثبتیت کے خلاف کھڑی ہو جاتی ہے۔

8.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

کومٹ نے سماجیات کو سماج کی مثبت سائنس کے طور پر تجویز کیا کیونکہ:

(a) یہ 19ویں صدی میں تیار ہوئی۔

(b) سماجی جائزہ سماجی نظریہ کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

(c) سماجیات فطری علوم کے طریقوں پر مبنی ہے۔

(d) سماجیات تمام شعبوں میں سب سے پیچیدہ شعبہ ہے۔

2. نظریہ (Ideology) کیا ہے؟

(a) ایک سائنسی بیان

(b) یک طرفہ بیان

(c) یہ جزوی حقیقت کی نمائندگی کرتا ہے۔

(d) a اور c دونوں

3. اس مفکر کے نام کی نشاندہی کریں، جس نے اگست کومٹ کے ساتھ مثبتیت کے خیال کی حمایت کی؟

(a) پاریٹو

(b) اسپنسر

(c)اینجل (d)پیریٹو اور اسپنسر

4. ”قابل مشاہدہ حقائق سائنسی تحقیق کی متعلقہ بنیاد ہیں“ یہ کس کا بیان ہے؟

(a)مثبتیت پسند (b)علامتی تعامل پسند

(c)روسو (d)ہیگل

5. مثبتیت کی طرح کون سا سماجی نظریہ مثبتیت کے نظریے کی پیروی کرتا ہے؟

(a)فنکشنلسٹ (b)ہرمینٹکس نقطۂ نظر

(c)علامتی تعامل پسند (d)فینومینالوجسٹ

6. مندرجہ ذیل میں سے کس نے کہا کہ، "مظاہر پر عقلی کنٹرول ریاضیاتی طریقۂ کار کے استعمال سے حاصل کیا جا سکتا ہے"؟

(a)آئزک نیوٹن (b)ہربرٹ اسپنسر

(c)اگست کومٹ (d)رینے ڈیکارٹس

7. مندرجہ ذیل میں سے سب سے پہلے کس نے کہا کہ، ’فطری رجحان منطقی اصولوں کے مطابق تیار ہوا؟

(a)جیک بوسوٹ (b)جیک ٹورگٹ

(c)مونٹیسکوئیو (d)اگست کومٹ

8. مندرجہ ذیل میں سے کس نے روشن خیالی کے نظریات کی مخالفت کی؟

(a)ہوبز (b)روسو

(c)اگست کومٹ (d)ان میں سے کوئی

9. سماج کا جدلیاتی فلسفہ سب سے پہلے کس نے تجویز کیا؟

(a)ہیگل (b)مارکس

(c)اگست کومٹ (d)ابن خلدون

10. سماجیات کی مثبتیت مندرجہ ذیل مفروضے پر مبنی ہے۔

(a) تجرباتی مشاہدہ (b) نظریہ

(c) ہرمینیوٹیکل نقطۂ نظر (d) بنیاد پرستی

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. مثبتیت کیا ہے؟ مختصراً بیان کریں۔

2. سماجیات میں وجہ اور اثر کا اصول کیا ہے؟

3. منطقی مثبتیت کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

طویل جواب کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. روشن خیالی کیا ہے؟ کومٹ کس طرح روشن خیالی کے نظریات کی مخالفت کرتا ہے تاکہ سماجیات کو سماج کے سائنس کے طور پر پیش کیا جائے؟

2. سماجیات میں تحقیق کیا ہے؟ مثبتیت کے فلسفے کو تحقیق کے میدان میں کیسے شامل کیا جا سکتا ہے؟ مناسب مثالوں کے ساتھ بحث کریں۔

3. کومٹ کی مثبتیت کی بنیاد کیا ہیں؟ تفصیل سے بات کریں۔

8.13 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Coser, l. A. (2011). Masters of Sociological Thought. Jaipur: Rawat Publication.
2. Ritzer, G., & Goodman, D. (1986). Sociological Theory.
3. S, T. N., & Theoderson, G. A. (1976). Sociological Theory: Its Nature and Growth. Toronto: Random House of Canada Limited.

اکائی 9۔ ابن خلدون : حیات و تاریخ

(Ibn Khaldun – Life and History)

اکائی کے اجزا

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 ابن خلدون

9.3 ابن خلدون کا خاندانی پس منظر

9.4 ابن خلدون کے دور میں شمالی افریقہ کی سیاسی صورتحال

9.5 ابن خلدون کے حالات زندگی

9.6 سیاست سے کنارہ کشی اور تصنیفی کام کا آغاز

9.7 تاریخ ابن خلدون

9.8 ابن خلدون اور سماجیات

9.9 اکتسابی نتائج

9.10 کلیدی الفاظ

9.11 نمونہ امتحانی سوالات

9.12 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں

9.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں ہم ابن خلدون کی زندگی اور ان کی تاریخ سے واقفیت حاصل کریں گے۔ ابن خلدون عالم اسلام کے نامور سیاست دان، فقیہ اور مورخ تھے جنہوں نے عمرانیات کی بنیاد رکھی جسے ہم آج علم سماجیات کے نام سے جانتے ہیں۔ ابن خلدون کے پیش کردہ سماجیاتی تصورات کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے ان کے حالات زندگی اور تاریخی پس منظر کو جاننا ضروری ہے۔

9.1 مقاصد(Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ:

- ابن خلدون کے خاندانی پس منظر سے واقفیت حاصل کریں گے۔
- ان کے حالات زندگی سے واقف ہو جائیں گے۔
- ان کے دور کے شمالی افریقہ کی سیاسی صورتحال سے واقف ہوں گے۔
- تاریخ پر ابن خلدون کی کتاب اور مقدمہ ابن خلدون کے بارے میں جانیں گے۔

9.2 ابن خلدون: 27 / مئی1332 –17/ مارچ1406

(Ibn-e-Khaldoon: 27th May 1323 to 17th March 1406)

ابن خلدون ان چند معروف لوگوں میں سے ہیں جو نہ صرف مسلم دنیا میں بلکہ مغرب میں بھی سماجی علوم کے حوالے سے جانے جاتے ہیں۔ ابن خلدون کو اگر علم سماجیات کا بانی کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ انہوں نے اگست کومٹ، ہربرٹ اسپنسر اور ایمائل درکھائم سے بہت پہلے سماج کی قسموں، سماجی تغیر اور سماجی وحدت جیسے موضوعات پر تحقیق کی اور ان پر بہت تفصیل سے لکھا۔ انیسویں صدی کے کئی یوروپی اسکالرس نے ابن خلدون کے کام کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے اور انہیں عہد وسطی کے سماجی علوم کے ایک بڑے اسکالر کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے علم تاریخ اور سماجیات، سیاسیات، اقتصادیات سے متعلق کئی اہم تصورات پیش کیے ہیں۔

9.3 ابن خلدون کا خاندانی پس منظر (Family Background of Inb Khaldoon)

ابوزید ولی الدین عبد الرحمن بن محمد بن خلدون تونسی حضرمی شمالی افریقہ کے تیونس میں 27 مئی 1332ء کو ایک تعلیم یافتہ خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کا نسب حضرموت (یمن) کے قبیلہ کندہ سے ملتا ہے۔ ان کے جد اعلی خلدون عربوں کے فتح اندلس کے زمانے میں یمنی فوج کے ساتھ اندلس آئے اور قرمونہ میں بس گئے۔ ان کے بعد ان کے آل واولاد شہر اشبیلیہ منتقل ہو گئے۔

ابن خلدون کے اجداد میں سے خریب نامی ایک ممتاز شخص کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے نویں صدی کے اواخر میں بنی امیہ کے خلاف بغاوت کی اور اشبیلیہ میں ایک نیم آزاد حکومت قائم کرلی۔ خلدون خاندان نے اشبیلیہ کی سیاست میں ایک نمایاں کردار ادا کیا اور یہ لوگ علمی حیثیت سے بھی نمایاں تھے۔ گیارھوریں صدی نصف آخر میں جب ابن عباد نے اشبیلیہ فتح کیا تو اس نے بنو خلدون کو وزارتیں اور دیگر اعلی مناصب دیے۔ ابن عباد کے بعد کچھ عرصے تک اشبیلیہ میں مرابطین کی حکومت رہی، پھر موحدین غالب آگئے اور انہوں نے ابو حفص کو اپنا نائب بنادیا۔ بنو حفص کے دور حکومت میں بھی خلدون خاندان کو جاہ اور مناصب حاصل ہوئے۔

جب سلطنت موحدین کا زوال ہوا اور اندلس کے شہروں پر یکے بعد دیگرے قشتالہ (Castille) کے بادشاہ کا قبضہ ہونے لگا تو ابو حفص کا پوتا امیر ابوزکریا حفصی تیونس ہجرت کر گیا اور وہاں حفصی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ بنو خلدون نے بھی اشبیلیہ پر عیسائیوں کے قبضہ سے قبل شمالی افریقہ کے ساحل کے قریب واقع شہر سبتہ (Ceuta) کی طرف ہجرت کی اور کچھ دنوں بعد حسن بن محمد بن خلدون نے امیر ابوزکریا سے بونا (موجودہ عنابہ، الجزائر) ملاقات کی اور اسے امیر نے خوب نوازا۔ ابو اسحاق کے زمانے میں ابن خلدون کے پردادا ابو بکر محمد کو وزیر بنایا گیا اور بعد میں ابن خلدون کے دادا محمد کو سلطان ابو اسحاق کے بیٹے ابو فارس کا جو اس وقت بجایہ کا حکمراں تھا، حاجب متعین کیا گیا۔ ابن خلدون کو اندلس سے ہجرت کرنے کے بعد شمالی افریقہ میں بھی نمایاں سیاسی مقام حاصل رہا۔ یہ لوگ آخر میں تیونس میں اقامت گزیں ہوگئے جہاں ابن خلدون کی پیدائش ہوئی۔ ابن خلدون کے والد محمد کو سیاست سے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ فقہ، شاعری اور لسانیات سے زیادہ شغف رکھتے تھے۔ 1349ء کے طاعون میں ان کا انتقال ہوا تھا۔

9.4 ابن خلدون کے دور میں شمالی افریقہ کی سیاسی صورت حال

(Political Condition of North Africa at the time of Ibn Khaldoon)

ابن خلدون کے دور کا شمالی افریقہ پر تشدد سیاسی انقلابات کا مرکز تھا۔ موحدین کی سلطنت کے زوال کے بعد کئی چھوٹی ریاستیں اور امارتیں وجود میں آگئیں تھیں۔ تیونس میں بنو حفص، تلمسان اور ساحل بربر متوسط (الجزائر) میں بنو عبد الواد اور فاس اور مراکش میں بنو مرین کی حکومتیں قائم ہوگئیں تھیں۔ طاقتور باغیوں اور سرداروں کے ذریعے ان سلطنتوں کے تحت اور ان سے آزاد چند شہروں میں چھوٹی امارتیں قائم ہوگئیں تھیں۔ مختلف سلطنتیں اپنے اقتدار کو وسیع کرنے کے لیے ہمیشہ آپس میں برسرجنگ رہتی تھیں اور غاصبین حکومتوں کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قابض ہوجاتے تھے۔ شاہی دربار عداوتوں اور مکر وفریب کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ ان درباروں سے وابستہ لوگ اپنے عزائم کی تکمیل اور قوت وبرتری کے حصول کے لیے سرگرم رہتے تھے۔

انہی حالات کے درمیان کچھ پرسکون وقفے بھی آتے تھے جن میں یہ دربار آن بان اور آسائشوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے تھے اور اہل علم کی توجہ کا مرکز بن جاتے تھے۔ خاص طور پر بنو حفص اور بنو مرین اہل علم کی سرپرستی کرتے اور انہیں بڑا مقام دیتے تھے۔ اس دور میں شمالی افریقہ میں علم وحکمت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اندلس کے اہل علم کی ایک بڑی تعداد یہاں بس گئی تھی۔

9.5 ابن خلدون کے حالات زندگی (Life History of Ibn Khaldoon)

مورخین ابن خلدون کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے 20 سال بچپن اور نوجوانی پر مشتمل تھے جس میں انہوں نے مروجہ علوم کی تعلیم حاصل کی۔ اگلے 23 سال انہوں نے مختلف امراء و سلاطین کے یہاں کام کیا اور علم حاصل کرنے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ زندگی کے آخری 31 سال انہوں نے ایک عالم، مدرس اور قاضی کی حیثیت سے گزارے۔

ابن خلدون کی زندگی کا ابتدائی دور (Initial Period of Khaldoon's Life)

ابن خلدون کی پیدائش تیونس میں ہوئی اور وہیں انہوں نے نشوونما پائی۔ انہوں نے ایک ایسے خاندان میں آنکھ کھولی جو سیاسی اور علمی حیثیت سے نمایاں تھا۔ ابن خلدون نے قرآن، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، قواعد و بلاغت اور دیگر مروجہ علوم سیکھے اور ان میں مہارت حاصل کی۔ قرآن حفظ کیا اور سات مشہور قراء تیں سیکھیں۔ انہوں نے تیونس کے ممتاز علماء سے تعلیم حاصل کی۔ تیونس اس وقت شمالی افریقہ میں علم کا مرکز بن گیا تھا جہاں اندلس کے علماء بھی اپنے ملک کے ناموافق حالات کی وجہ سے آکر سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ بنو مرین کا سلطان ابوالحسن اس وقت تیونس پر اپنی حکومت قائم کر چکا تھا۔ تیونس میں مرینی حکومت عدم استحکام کا شکار تھی اور کچھ سالوں میں ختم بھی ہوگئی۔ سلطان ابوالحسن کے ساتھ بڑے بڑے علماء تیونس آئے تھے۔ ابن خلدون کو ان علماء سے بھی استفادے کا موقع ملا۔

ابن خلدون نے اٹھارہ سال کی عمر تک اپنی تعلیم جاری رکھی۔ اس وقت شمالی افریقہ میں طاعون کی ایک خطرناک وبا پھیل گئی جس نے پوری مسلم دنیا اور بیشتر یوروپی ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس وبا میں ابن خلدون کے والدین اور بہت سارے اساتذہ موت کا شکار ہوگئے۔ اس حادثے نے انہیں بہت غمگین کر دیا تھا۔ وہ اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور عملی زندگی کے آغاز کا فیصلہ کرلیا۔

1350ء میں تیونس کے آمر ابو محمد بن تافراکین نے ابن خلدون کو طلب کیا اور نوجوان سلطان ابواسحاق کا جو اس وقت اس کی قید میں تھا، مہر بردار بنادیا۔ ابن خلدون اس عہدے سے خوش نہیں تھے۔ وہ تیونس کی حفصی سلطنت کی کمزوری اور ناموافق حالات سے واقف تھے۔ تیونس پر دو سال تک سلطان ابوالحسن مرینی کا قبضہ تھا۔ اس دوران ابن خلدون نے مرینی سلطنت کی طاقت و عظمت کا مشاہدہ بھی کیا تھا۔ سلطان ابوالحسن جب تیونس سے مراکش منتقل ہوا تو بیشتر اہل علم بھی مراکش چلے گئے تھے تاکہ اس طاقتور بادشاہ کی سرپرستی میں رہیں اور اپنے مستقبل کو تابناک بنانے کے مواقع تلاش کریں۔ ابن خلدون بھی مراکش کی طرف ہجرت کے موقع کی تلاش میں تھے۔

ابن خلدون فاس میں (Ibn Khaldoon in Morocco)

ابن خلدون جب فاس (مراکش) پہونچے تو سلطان ابوعنان مرینی نے انہیں عزت دی اور اپنے علماء کی مجلس میں شامل کرلیا۔ بعد میں سلطان نے انہیں اپنا سکریٹری اور مہر بردار بھی بنالیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً بائیس سال تھی۔ ابن خلدون کو فاس میں رہ کر اندلس اور شمالی افریقہ کے دیگر شہروں سے آنے والے بڑے بڑے اہل علم سے استفادے کا موقع ملا جس سے ان کے علم میں بہت اضافہ ہوا۔ یہیں سے ان کی سرگرم سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔

اس وقت بجایہ کا حکمراں ابوعبداللہ حفصی اقتدار سے بے دخل ہوکر فاس میں ابوعنان مرینی کی قید میں تھا۔ 1357ء میں ابن خلدون کو ابو

عبداللہ کے ساتھ مل کر اس کی رہائی کی سازش کرنے کے جرم میں قید کر دیا گیا۔ ابن خلدون اسے دشمنوں کی سازشوں کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔
1358ء میں سلطان ابو عنان کی موت کے بعد وزیر الحسن بن عمر نے ابن خلدون کی رہائی کا حکم دیا اور انہیں ان کے منصب پر بحال کر دیا۔
چند دنوں بعد سلطان ابو سالم مرینی نے اقتدار حاصل کر لیا اور ابن خلدون کو اپنا پرائیویٹ سکریٹری بنالیا۔ دو سال بعد انہیں قاضی بنادیا گیا۔
جب وزیر عمر بن عبداللہ نے سلطان ابو سالم کا تختہ الٹ دیا اور حکومت کی باگ سنبھال لی تو اس نے ابن خلدون کو ان کے عہدے پر باقی رکھا اور ان کی تنخواہ بڑھادی۔ ابن خلدون کے سیاسی عزائم بہت بلند تھے اور وہ اس عہدے کو اپنی شان سے فروتر سمجھتے تھے۔ لہذا انہوں نے اپنے سیاسی عزائم کی تکمیل کے لیے وہاں سے غرناطہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

ابن خلدون غرناطہ میں (Ibn Khaldoon in Spain)

ابن خلدون 1362ء میں غرناطہ (اندلس) گئے۔ غرناطہ میں اس وقت سلطان ابو عبداللہ محمد حکمران تھا۔ مشہور عالم اور مصنف لسان الدین الخطیب اس کے وزیر تھے۔ ابن خلدون اور سلطان محمد اور اس کے وزیر سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ سلطان نے ان کا غرناطہ میں استقبال کیا اور انہیں اعزاز بخشا اور اپنے مجلس خاص میں شامل کر لیا۔ اگلے سال سلطان محمد نے انہیں قشتالہ کے بادشاہ کے پاس صلح کے قیام کی غرض سے بطور سفیر بھیجا۔ ابن خلدون بادشاہ سے ملنے اشبیلیہ گئے جہاں اس کا دربار لگتا تھا۔ بادشاہ ابن خلدون کے خاندانی پس منظر اور اشبیلیہ سے ان کے تعلق سے واقف تھا۔ اس نے ان سے اس بات کی پیش کش کی کہ وہ اشبیلیہ ہی میں رک جائیں لیکن انہوں نے منع کر دیا اور اپنے مشن کی تکمیل کے بعد غرناطہ واپس ہو گئے۔ سلطان نے انہیں جاگیر سے نوازا۔ ابن خلدون اپنے اہل خاندان کو بھی جو اس وقت تک قسنطینہ (الجزائر) میں مقیم تھے، اندلس لے آئے۔
کچھ عرصے بعد جب حاسدین کی سازشوں کی وجہ سے سلطان کی نظر التفات ان سے ہٹ گئی اور ان کے اور وزیر کے تعلقات اچھے نہیں رہے تو انہیں احساس ہو گیا کہ وہ وہاں زیادہ دنوں تک نہیں رہ سکیں گے۔ اسی اثناء میں ان کے پاس ان کے دوست بجایہ کے حکمراں ابو عبداللہ کا خط آیا۔ اس نے اپنا اقتدار دوبارہ حاصل کر لیا تھا۔ اس خط میں اس نے ابن خلدون کو بجایہ آنے کی دعوت دی تھی۔ 1364ء میں انہوں نے اندلس کو خیر باد کہا اور بجایہ کا رخ کیا۔

ابن خلدون بجایہ میں (Ibn Khaldoon in Bougie)

ابن خلدون 1365ء میں بجایہ پہونچے۔ وہاں ان کے استقبال میں ایک شاندار جلوس نکالا گیا جس میں عوام کے ساتھ اعیان سلطنت بھی شریک تھے۔ انہیں بجایہ کے امیر ابو عبداللہ کے حاجب (Chamberlain) کے منصب پر فائز کیا گیا۔ یہ اس وقت حکومت میں سب سے بڑا منصب ہوا کرتا تھا۔ سلطنت کے تمام امور کا انتظام اور سلطان اور اس کی رعایا کے درمیان تعلقات کا نظم سنبھالنا حاجب کی ذمہ داری ہوتی تھی۔ ابن خلدون نے اس ذمہ داری کو بہت اچھے طریقے سے انجام دیا۔ حکومت سے اختلاف رکھنے والوں کو بڑی حکمت سے رام کیا اور اپنے اثر و رسوخ اور فراست کو استعمال کر کے پہاڑی قبائل سے ٹیکس وصول کیا۔

یہ صورتحال زیادہ دنوں برقرار نہ رہ سکی۔ کچھ عرصے بعد امیر کے چچازاد بھائی قسنطینہ کے حکمران ابوالعباس نے اسے قتل کر دیا اور بجایہ پر قابض ہو گیا۔ اس نے کچھ دنوں کے لیے ابن خلدون کو ان کے منصب پر باقی رکھا پھر اس سے معزول کر دیا۔ ابن خلدون وہاں سے فرار ہو کر بسکرہ چلے گئے۔

تلمسان کے سلطان ابوحمو نے بجایہ کی طرف اپنی فوج بھیجی لیکن اس کی فوج سخت ہزیمت کا شکار ہوئی۔ وہ بجایہ اور اس کے آس پاس کے قبائل میں ابن خلدون کے اثرورسوخ سے واقف تھا۔ اس نے ابن خلدون سے یہ پیش کش کی وہ قبائل کو اس کا ساتھ دینے پر آمادہ کریں تاکہ وہ بجایہ پر قبضہ کر سکے۔ اس کے بدلے میں اس نے انہیں حاجب کے عہدہ دینے کا وعدہ کیا۔ انہوں نے حاجب کے عہدے کی پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن قبائل کو ابوالعباس کے خلاف ابھارنے کی درخواست قبول کرلی۔ ابن خلدون پر خطر سیاسی مہم جوئیوں سے تنگ آچکے تھے اور علمی کاموں کے لیے یکسو ہونا چاہتے تھے۔

9.6 سیاست سے کنارہ کشی اور تصنیفی کام کا آغاز

(Retirement from Politics and beginning of academic work)

ابن خلدون نے ربع صدی تک سرگرم سیاسی زندگی گزارنے اور مختلف سلطنتوں میں اعلیٰ عہدے سنبھالنے کے بعد سیاست سے کنارہ کش ہو کر تحقیق و تصنیف کے لیے یکسو ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ 1375ء میں اپنے خاندان کے ساتھ قبیلہ بنو عریف کے پاس گئے اور قلعہ ابن سلامہ کے ایک محل میں تقریباً چار سال تک قیام کیا۔ یہیں انہوں نے تاریخ پر اپنی مشہور کتاب کا مقدمہ اور چند ابواب لکھے۔ پھر انہوں نے اپنے وطن تیونس لوٹنے کا ارادہ کیا۔

تیونس میں اس وقت ابوالعباس کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اس نے تیونس میں ان کا استقبال کیا اور اکرام و اعزاز سے نوازا۔ تیونس میں انہوں نے اپنی کتاب مکمل کی۔ وہاں ان کی علم اور شہرت سے جلنے والوں نے ان کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ ابوالعباس بھی اپنی فوجی مہمات میں انہیں ساتھ لے جانا چاہتا تھا لیکن وہ سیاسی مشاغل سے کنارہ کش ہو کر پڑھنے لکھنے کے لیے یکسوئی چاہتے تھے۔ لہذا انہوں نے 1383ء میں سلطان سے اجازت چاہی اور مصر کی طرف نکل پڑے۔

ابن خلدون قاہرہ میں (Ibn Khaldoon in Cairo)

ابن خلدون 1382ء میں قاہرہ (مصر) چلے گئے۔ قاہرہ اس وقت تعلیم کا مرکز تھا۔ ابن خلدون قاہرہ کے علمی حلقوں میں تاریخ پر ان کی کتاب کے حوالے سے مشہور ہو چکے تھے۔ جب وہ قاہرہ آئے تو مختلف مقامات سے اہل علم اور طلبہ ان سے ملاقات کے لیے آنے لگے۔ وہ قاہرہ کے جامع ازہر میں درس دینے لگے۔ مشہور محدث حافظ ابن حجر عسقلانی اور مورخ تقی الدین مقریزی بھی ان کے دروس میں شریک رہے۔

سلطان مصر ظاہر برقوق نے انہیں اکرام سے نوازا اور مدرسہ قمحیہ میں مالکی فقہ کی تدریس پر مامور کر دیا۔ 1384ء میں سلطان نے انہیں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز کر دیا۔ ابن خلدون کی اس ترقی نے بہت سارے حاسدین پیدا کر دیے۔ قاضی کا عہدہ سنبھالنے کے بعد سفارشات کی پروا کیے بغیر ان کے جرات مندانہ فیصلوں کی وجہ سے بھی بہت سارے لوگ ان کے دشمن بن گئے۔ اسی اثناء میں ان کے اہل خاندان جو تیونس سے قاہرہ آرہے تھے راستے میں ڈوب کر مر گئے۔ اس واقعہ نے انہیں بہت غمگین کر دیا۔

قاضی کے منصب سے ایک سال بعد انہیں معزول کر دیا گیا۔ اسی سال سلطان نے ظاہرہ برقوقیہ نامی مدرسے کا افتتاح کر کے مدرسہ قمحیہ کے ساتھ ساتھ اس نئے مدرسے میں انہیں فقہ مالکی کا استاد متعین کر دیا گیا۔ 1387ء میں وہ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ حج سے واپسی پر سلطان نے انہیں مدرسہ صرغتمش میں حدیث کا استاد متعین کر دیا جہاں انہوں موطا ابن مالک کا درس دیا۔

ابن خلدون تقریباً چودہ سال قاضی کے عہدے سے دور رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک گروہ ان کے خلاف چالیں چلتا تھا اور سلطان کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ انہیں اس منصب سے ہٹا دیں۔ 1398ء میں جب اس گروہ کا زور کم ہوا تو ابن خلدون کو پھر سے قاضی بنا دیا گیا۔ اسی دوران ابن خلدون نے فلسطین کا سفر کیا۔ ابن خلدون کو ان کے حریفوں کی سازشوں کی وجہ سے دوسری مرتبہ قاضی کے عہدے سے معزول کر دیا گیا۔

1400ء میں یہ خبر آئی کی تیمور لنگ نے شام کے شہر حلب پر سفاکی و غارت گری کے بعد قبضہ کر لیا ہے اور وہ دمشق کی جانب بڑھ رہا ہے۔ ناصر فرج نے، جو اس وقت اپنے باپ ظاہر برقوق کی موت کے بعد بادشاہ بن چکا تھا، تیمور کے حملے کو روکنے کے لیے فوج لے کر نکلا۔ ابن خلدون کو بھی اس کے ساتھ جانا پڑا۔ سلطان بغاوت کے اندیشے سے قاہرہ واپس ہو گیا لیکن ابن خلدون تیمور لنگ سے ملے اور اس سے مختلف موضوعات پر گفتگو کی۔ تیمور لنگ ابن خلدون سے بہت متاثر ہوا۔

مصر لوٹنے کے بعد ابن خلدون کو تیسری مرتبہ قاضی بنا دیا گیا۔ لیکن ایک سال بعد ان پر غلط الزامات لگا کر انہیں برطرف کر دیا گیا۔ ہر بار جب وہ قاضی بنتے تو ان کے خلاف سازشوں اور الزامات کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ لہٰذا اسی طرح قاضی کے منصب پر ان کے عزل و نصب کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ 1406ء میں چھٹی مرتبہ قاضی بننے کے کچھ ہی ہفتوں کے بعد اس عظیم مورخ، مفکر اور فقیہ کی وفات ہو گئی۔

9.7 تاریخ ابن خلدون (History of Ibn Khaldoon)

تاریخ پر ابن خلدون کی مشہور کتاب کا پورا نام "كتاب العبر وديوان المبتدا والخبر فى ايام العرب و العجم والبربر ومن عاشرهم من ذوى السلطان الاكبر" ہے۔ یہ کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو نہ صرف مسلم دنیا میں بلکہ مغربی دنیا میں بھی بہت شہرت حاصل ہوئی۔ ابن خلدون کو اسی کتاب بلکہ اس کے ایک حصے کی وجہ سے، جو مقدمہ ابن خلدون کے نام سے معروف ہے، شہرت دوام ملی۔

اس کتاب کے مندرجات حسب ذیل ہیں:

- مختصر تعارف (مقدمہ): اس میں مصنف نے تاریخ نگاری، مورخین کی غلطیوں اور ان کے اسباب وغیرہ پر بحث کی ہے۔

- پہلی کتاب: یہی وہ حصہ ہے جو مقدمہ ابن خلدون کے نام سے مشہور ہے۔ یہ چھ فصلوں پر مشتمل ہے۔ اس میں سماج، اس کی خصوصیات، اقتدار و حکومت، کسب معاش کے ذرائع اور علوم وہنر وغیرہ پر بحث کی ہے۔
- دوسری کتاب: یہ حصہ عربوں اور غیر عربوں مثلاً فارسیوں، ترکوں، قبطیوں، اسرائیلیوں، بازنطینیوں اور یونانیوں کی تاریخ پر مشتمل ہے۔
- تیسری کتاب: یہ حصہ شمالی افریقہ کے بربر نسل کی تاریخ پر مشتمل ہے۔
- ابن خلدون نے "التعرف بابن خلدون و رحلته غربا وشرقا" کے نام سے اپنی آپ بیتی لکھی ہے۔ اسے بھی اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔

9.8 ابن خلدون اور سماجیات (Ibn Khaldoon and Sociology)

"مقدمہ" ابن خلدون کا سب سے اہم علمی کارنامہ ہے جس کا تعلق سماجیات کے جدید ڈسپلن سے ہے۔ اس میں تاریخ کے پیچھے کار فرما سماجی عوامل اور اسباب بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس نئے علم کو ابن خلدون نے علم العمران البشری کا نام دیا ہے۔ اسی کو جدید اصطلاح میں سماجیات کہا جاتا ہے۔ انہوں نے تاریخ کو داستان گوئی سے آگے بڑھ کر ایک سنجیدہ علم کا درجہ دیا اور سماجیاتِ تاریخ کی بنا رکھی۔ سماجی علوم میں یورپ مرکزیت کی وجہ سے ابن خلدون کے کام کو وہ مقام نہیں ملا جو انہیں ملنا چاہیے تھا۔ سماجیات کو عام طور پر جدید مغربی علم تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن عہد وسطی کے اس مفکر نے اپنے مقدمے میں کئی ایسے موضوعات پر تفصیلی گفتگو کی ہے جو جدید سماجیات کے موضوعات ہیں۔ انہوں نے سماج کے سائنسی مطالعہ، تجرباتی تحقیق، سماجی مظاہر کی علتوں کی تلاش، قدیم وجدید معاشرے کے درمیان تقابل اور سماجی اداروں (مثلاً سیاست، معیشت) اور ان کے باہمی تعلق پر قابل قدر کام کیا ہے۔ اس لحاظ سے ابن خلدون کو علم سماجیات کا اصل بانی کہا جاسکتا ہے۔ ابن خلدون کے پیش کردہ سماجیاتی تصورات کو اگلی اکائیوں میں تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

9.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں آپ لوگ ابن خلدون کے خاندانی پس منظر اور ان کی زندگی کے مختلف مراحل کے بارے میں جان گئے ہوں گے۔ آپ ابن خلدون کے دور کی سیاسی صورتحال سے بھی واقف ہوگئے ہوں گے۔ آپ نے ابن خلدون کی سرگرم سیاسی زندگی اور تاریخ پر ان کے علمی کام کے بارے میں واقفیت حاصل کی ہوگی۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. ابن خلدون کا خاندانی پس منظر کیا ہے؟
2. تاریخ ابن خلدون کیا ہے؟

9.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

فاس (Fez) : مراکش کا ایک شہر جو مرینی سلطنت کے دور میں پایہ تخت تھا

غرناطہ (Granada) : اندلس کا ایک اہم شہر

بجایہ (Bougie) : سلطنت تلمسان (جو اب الجزائز کا حصہ ہے) کا ایک بندر گاہ شہر

9.11 نمونہ امتحانی سوالات (Models Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. ابن خلدون کس جگہ پیدا ہوئے؟

(A) تیونس (B) مراکش (C) اندلس (D) مصر

2. تاریخ پر ابن خلدون کی کتاب کا نام کیا ہے؟

(A) البدایہ والنھایہ (B) کتاب العبر (C) تاریخ الامم والملوک (D) الکامل فی التاریخ

3. فاس کے حکمران ابوعنان کا تعلق کس خاندان سے تھا؟

(A) بنوحفص (B) بنومرین (C) بنوعبدالود (D) بنوالاحمر

4. بجایہ کے امیر عبداللہ نے ابن خلدون کو کس منصب پر فائز کیا؟

(A) قاضی (B) مہر بردار (C) شاہی مورخ (D) حاجب

5. مصر کے مدرسہ قمحیہ میں ابن خلدون نے کونسی فقہ پڑھائی؟

(A) فقہ حنفی (B) فقہ شافعی (C) فقہ مالکی (D) فقہ حنبلی

6. ابن خلدون کے آباءواجداد اندلس کے کس شہر میں بس گئے تھے؟

(A) غرناطہ (B) اشبیلیہ (C) طلیطلہ (D) قرطبہ

7. ابن خلدون نے اپنی کتاب کے کس حصہ میں ساجیاتی تصورات کو موضوع بنایا ہے؟

(A) تعارف (B) پہلی کتاب (C) دوسری کتاب (D) تیسری کتاب

8. ابن خلدون مصر میں کتنی مرتبہ قاضی کے عہدے پر فائز ہوئے؟

(A) دو (B) تین (C) پانچ (D) چھ

9. ابن تافراکین نے ابن خلدون کو کس منصب پر تعین کے لیے طلب کیا تھا؟

(A) مہر بردار (B) قاضی (C) حاجب (D) وزیر

10. ابن خلدون کی وفات کس جگہ ہوئی؟

(A)فاس (B) قاہرہ (C) حلب (D)غرناطہ

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. ابن خلدون کے خاندانی پس منظر پر روشنی ڈالیے۔
2. ابن خلدون کے دور کے شمالی افریقہ کی سیاسی صورتحال پر روشنی ڈالیے۔
3. سماجیات سے متعلق ابن خلدون کے کام پر مختصر تبصرہ کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. ابن خلدون کی سیاسی زندگی اور مختلف سلطنتوں سے ان کی وابستگی کی تفصیل لکھیے۔
2. ابن خلدون کی سرگرم سیاست سے کنارہ کشی کے بعد کی زندگی کے بارے میں لکھیے۔
3. ابن خلدون کی علمی خدمات پر روشنی ڈالیے اور تاریخ پر ان کی کتاب کے بارے میں لکھیے۔

9.12 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for further Readings)

1. Muhammad Abdullah Enan, 2007, Ibn Khaldun: His Life and Works, Islamic Book Trust, Petaling Jaya
2. Syed Farid Alatas, 2013, Ibn Khaldun: Makers of Islamic Civilization, Oxford University Press, Oxford
3. Syed Farid Alatas, 2014, Applying Ibn Khaldun: The Recovery of a Lost Tradition in Sociology, Routledge, Oxfordshire
4. Allen James Fromherz, 2011, Ibn Khaldun: Life and Times, Edinburg University Press, Edinburg

اکائی 10۔ ابن خلدون کے نزدیک سماج کے اقسام

(Ibn Khaldun – Types of Society)

اکائی کے اجزا

10.0 تمہید

10.1 مقاصد

10.2 ابن خلدون اور علم سماجیات

10.3 تاریخ کی نظریہ سازی

10.4 عمرانیات کی ضرورت

10.5 عمرانیات کا موضوع

10.6 ابن خلدون کا تصور عمران

10.7 عمران یا سماج کی نوعیت

10.8 سماج کی قسمیں

10.9 بدوی سماج

10.10 بدوی سماج کی خصوصیات

10.11 حضری سماج

10.12 حضری سماج کی خصوصیات

10.13 اکتسابی نتائج

10.14 کلیدی الفاظ

10.15 نمونہ امتحانی سوالات

10.16 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں

10.0 تمہید (Introduction)

پچھلی اکائی میں آپ لوگوں نے علامہ عبد الرحمن بن خلدون کی شخصیت، ان کی تعلیم، حالات زندگی اور مختلف حکومتوں میں ان کی سیاسی طالع آزمائی کے بارے میں تفصیل سے پڑھا تھا۔ ابن خلدون کی کتاب مقدمہ ابن خلدون کے بارے میں بھی آپ نے سرسری طور پر جانا تھا۔ اس اکائی میں آپ ابن خلدون اور علم عمرانیات، ابن خلدون کے تصور عُمران (جو تقریباً سماج کے ہم معنی اصطلاح ہے) اور ان کے نزدیک عمران یا سماج کی تقسیم کے بارے میں واقفیت حاصل کریں گے۔

ماہرین سماجیات نے سماج کی مختلف قسمیں اور ان کی خصوصیات بتائی ہیں۔ ابن خلدون سماج کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک بدوی سماج جسے ہم خانہ بدوش سماج (Nomadic Society) بھی کہہ سکتے ہیں اور دوسرا حضری سماج جسے ہم سکونت پذیر سماج (Sedentary Society) بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ اصطلاحات جدید سماجیات میں دیہی سماج (Rural Society) اور شہری سماج (Urban Society) سے قریب ہیں۔

ان دونوں سماجوں کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں جن پر ہم آگے گفتگو کریں گے۔ کسی بھی شخص کے علمی کام کا جائزہ لیتے وقت اس کے سماجی پس منظر کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ سماج سے متعلق ابن خلدون کے تصورات کا مطالعہ کرتے ہوئے بھی اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ انہوں نے اپنے دور کے سماج کا علمی مطالعہ کیا تھا اور اس کی تقسیم کا کام انجام دیا تھا۔

10.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ:

- یہ جانیں گے کہ ابن خلدون نے تاریخ کی نظریہ سازی کے ذریعے کس طرح علم عمرانیات کی بنیاد رکھی۔
- یہ جانیں گے کہ ابن خلدون نے عمرانیات میں کن مسائل کو موضوع بحث بنایا۔
- ابن خلدون کے تصور عمران کے بارے میں جانیں گے۔
- ابن خلدون کے نزدیک سماج کی تقسیم سے واقف ہو جائیں گے۔
- بدوی سماج کی اصطلاح کو سمجھ سکیں گے۔
- حضری سماج کے بارے میں جانیں گے۔
- بدوی سماج کی خصوصیات بیان کر سکیں گے۔
- حضری سماج کی خصوصیات بیان کر سکیں گے۔

10.2 ابن خلدون اور علم سماجیات(Ibn Khaldun and Sociology)

علامہ ابن خلدون (27 مئی 1332 – 17 مارچ 1406) نے جدید ماہرین سماجیات سے صدیوں قبل سماج کو سمجھنے اور اس کے سائنسی و معروضی مطالعہ کے لیے ایک خاص علم کی بنیاد رکھی جسے انہوں نے "علم العمران البشري" یا "علم الاجتماع الإنساني" کا نام دیا۔ اسی علم کو آج ہم عمرانیات اور سماجیات (Sociology) کے نام سے جانتے ہیں۔ علم عمرانیات کی تشکیل کا کام انہوں نے تاریخ کی نظریاتی تشکیل کے ذریعے انجام دیا تھا۔ ابن خلدون وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے سماج کو علمی اور سائنسی طریقے پر سمجھنے اور اس کے قوانین کو دریافت کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے تاریخ پر ایک مشہور کتاب لکھی جس کا پورا نام "كتاب العبروديوان المبتدا والخبرفى ايام العرب و العجم والبربرومن عاشرهم من ذوى السلطان الاكبر" ہے۔ یہ کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی پہلی جلد میں، جو مقدمہ ابن خلدون کے نام سے مشہور ہے، انہوں نے سماج کی نوعیت، اقسام اور سماجی تبدیلی کے اسباب و علل پر بحث کی ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک سماج کی نوعیت اور اس کے قوانین کو سمجھنا تاریخ نگاری میں غلطیوں سے اجتناب کے لیے ضروری ہے۔

10.3 تاریخ کی نظریہ سازی(Theorisation of History)

ابن خلدون نے علم عمرانیات کی بنیاد تاریخ کی نظریہ سازی(Theorisation of History) کے ذریعے کی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ابن خلدون نے پہلے تاریخ کی حقیقت متعین کی۔ وہ کہتے ہیں کہ تاریخ دراصل انسانی سماج (Society) اور سماج کو طبعی طور پر پیش آنے والے مختلف احوال یا سماجی ظواہر (Social Phenomena) سے متعلق اخبار و معلومات پر مشتمل ہوتی ہے اسے وہ عمران العالم سے تعبیر کرتے ہیں۔ توحش یا عام لوگوں سے دوری، باہمی میل جول اور انسیت، عصبیت، باہم ایک دوسرے پر غلبہ کی صورتیں، اس کے نتیجے میں بننے والی حکومتیں اور سلطنتیں اور ان کے مراتب، انسانوں کے اعمال و مساعی (کسب، معاش، علوم، صنائع) وغیرہ وہ مختلف حالتیں ہیں جو سماج کو پیش آتی ہیں۔

ابن خلدون سے قبل تاریخ صرف وقائع نگاری کا نام تھا۔ ابن خلدون وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے سیاسی واقعات اور سلطنتوں سے متعلق معلومات کی فراہمی سے آگے بڑھ کر تاریخ کے بین السطور کا مطالعہ کیا اور غور و فکر کے ذریعے واقعات و حوادث کے اسباب و علل کو جاننے کی کوشش کی۔ تاریخی واقعات کا سطحی اور سرسری مطالعہ صرف تاریخ کے "ظاہر" تک محدود ہوتا ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں کہ تاریخ کا ایک "باطن" بھی ہوتا ہے جو اس کے پوشیدہ اور اندرونی معانی کا نام ہے۔ تاریخ کو صرف نقل کرنے والا تاریخی واقعات کو ثبت کرتا ہے اور انہیں اگلی نسلوں کے حوالے کر دیتا ہے جبکہ تاریخ کو تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھنے والا اس کے باطنی معانی کو دریافت کرتا ہے اور واقعات کے اسباب و علل اور ان کے پیچھے کارفرما قوانین کا سراغ لگاتا ہے۔

10.4 سماجیات کی ضرورت (Need of Sociology)

ابن خلدون تاریخ نگاری کی پچھلی کاوشوں کا جائزہ لے کر بتاتا ہے کہ تاریخ نگاری میں غلط بیانیوں کے مختلف اسباب کیا ہیں مثلاً تاریخ نگاروں کا کسی رائے یا مکتب فکر کی حمایت کرنا، ناقلین کا ثقہ اور قابل اعتماد یا نا قابل اعتماد ہونا، ان کا نسیان، اصحاب مراتب سے ان کی قربتیں وغیرہ۔ ابن خلدون کی رائے میں غلطیوں کے اسباب میں سب سے اہم سبب عمران یعنی انسانی آبادی یا سماج کے احوال یا اس کی نوعیت سے ناواقفیت ہے۔ یہی صحیح اور غلط خبروں میں امتیاز نہ کر پانے کی وجہ ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں کہ تمام تاریخی واقعات طبعی قوانین کے تابع ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں عمرانیات کا علم انسانی تاریخ کو درست طور پر سمجھنے اور اس کے بارے میں غلطیوں میں مبتلا ہونے سے بچنے کے لیے ضروری ہے۔

10.5 سماجیات کا موضوع (Subject Matter of Sociology)

ابن خلدون نے اپنے مقدمے کے آغاز ہی میں ایک نئے اور مستقل علم کی حیثیت سے جس کے اپنے موضوعات ہوں، عمرانیات کا تعارف کرایا۔ ان کے نزدیک اس کا موضوع سماج کے طبعی حالتوں کا بیان مثلاً بدوی سماج سے شہری سماج میں تبدیلی، اس عمل میں سلطنتوں کا قیام، شہری زندگی کی نوعیت بالخصوص شہروں کی معاشی زندگی، مختلف علوم، سلطنتوں کے زوال اور خاتمے کی وجوہات وغیرہ اس علم کے موضوعات ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ علوم اور صنعتیں، حکومت، معاش کے لیے تگ ودو اور مختلف ذرائع سے اس کا حصول اور اس کے اسباب کی فراہمی وغیرہ انسان ہی کی خصوصیات ہیں۔

انہوں نے اپنے مقدمے کے چھ ابواب میں اس علم کے مختلف موضوعات کو بیان کیا ہے۔ یہ ابواب درج ذیل ہیں:

۱۔ انسانی سماج، اس کی قسمیں، زمین کے وہ علاقے جہاں انسانی معاشرے آباد ہوئے۔

۲۔ بدوی سماج

۳۔ سلطنتیں، بادشاہتیں اور خلافتیں

۴۔ شہری سماج

۵۔ معاش، ذرائع معاش اور صنعتیں

۶۔ علوم اور اس کی قسمیں

10.6 ابن خلدون کا تصور عمران (Ibn Khaldun's Concept of Imran)

ابن خلدون کی سماجی تقسیم کو جاننے سے قبل ان کے تصور "عمران" کو جاننا ضروری ہے۔ عمران جدید سماجیات میں "سماج یا سماجی تنظیم" (Society/ Social Organisation) کی اصطلاحات کے تقریباً ہم معنی ہے اور "علم العمران البشري" کو جدید اصطلاح میں

سماجیات(Sociology) یا سماجی تنظیم کا علم(Science of Social Organisation) کہا جاسکتا ہے۔ اسی سے اردو میں عمرانیات کی اصطلاح ماخوذ ہے۔

عربی زبان میں عَمَرَ یَعمُرُ عُمرانا ً کا مطلب کسی جگہ پر بسنا اور اسے آباد کرنا ہے۔ وہ تمام چیزیں جو کسی جگہ کو آباد کرنے اور اس کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہوتی ہیں ان پر بھی عمران کا اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً زراعت، صناعت، تجارت وغیرہ۔

عمران کی تعریف:" التساكن و التنازل فى مصر أو حلة للإنس بالعشير واقتضاء الحاجات لما فى طباعهم من التعاون على المعاش" یعنی کسی شہر یا انسانوں کی بستی میں رشتہ داروں کے ساتھ سکونت اختیار کرنا اور ایک دوسرے کی ضرورتیں پوری کرنا کیونکہ معاش کے حصول میں باہمی تعاون ان کی فطرت میں ہے۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ انسان فطری طور پر سماجی وجود ہے۔ اجتماعیت کے بغیر اس کا وجود اور بقاء ناممکن ہے۔ وہ غذائی اور دفاعی ضرورتوں کے لیے اجتماعیت کا محتاج ہوتا ہے۔ دوسرے انسانوں کے تعاون کے بغیر وہ تنہا اپنی ضرورتیں پوری نہیں کر سکتا۔ باہمی تعاون کے ذریعے اپنی ضرورتوں کی تکمیل انسانوں کی سرشت اور جبلت میں موجود ہے۔

ابن خلدون صرف انسانی گروہ یا جماعت (الاجتماع الإنساني) کو جو باہمی تعاون کی ضرورت کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے، عمران نہیں کہتا۔ اس کے نزدیک عمران انسانی اجتماعیت کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ ہر انسانی جماعت پر عمران کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ وہی انسانی اجتماعیت عمران کہلاتی ہے جو کسی شہر، قریہ یا بستی میں سکونت پذیر ہو۔ لہذا کوئی انسانی گروہ اگر ایک تنہا اور الگ تھلگ خاندان کی صورت میں ہو تو اسے عمران نہیں کہیں گے۔ انسانی جماعت جب ایک حرکی معاشرہ میں تبدیل ہو جائے جس میں مختلف گروہوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے اجتماعی رویوں کو منضبط کرنے والے نظام موجود ہوں تو ایسے معاشرہ کو عمران کہا جاتا ہے۔

ابن خلدون کے الفاظ میں عمران کا مطلب "التساكن و التنازل فى مصر أو حلة للإنس بالعشير واقتضاء الحاجات لما فى طباعهم من التعاون على المعاش" یعنی کسی شہر یا انسانوں کی بستی میں رشتہ داروں کے ساتھ سکونت اختیار کرنا اور ایک دوسرے کی ضرورتیں پوری کرنا کیونکہ معاش کے حصول میں باہمی تعاون ان کی فطرت میں ہے۔ جدید سماجیات کی اصطلاح میں اسے سماجی تنظیم(Social Organisation) کہہ سکتے ہیں۔

ابن خلدون کے نزدیک حکومت بھی عمران یا دوسرے الفاظ میں سماج کی ایک ضرورت ہے۔ انسانوں کی طبیعت میں ظلم وعدوان بھی موجود ہے۔ انہیں آپس میں ایک دوسرے کے ظلم وزیادتی سے بچانے کے لیے کوئی ایسا شخص ہونا چاہیے جو انہیں قابو میں رکھے۔ یہ شخص خود انہیں میں سے ہوتا ہے جسے ان پر غلبہ اور اقتدار حاصل ہوتا ہے۔

10.7 عمران یا سماج کی نوعیت(Nature of Umran/ Society)

ابن خلدون کے نزدیک تاریخ کا علمی مطالعہ کرنے کے لیے عمران کی نوعیت(Nature) جاننا ضروری ہے۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ تمام احوال جو عمران یعنی سماج کو پیش آتے ہیں یا دیگر الفاظ میں تمام سماجی مظہر (Social Phenomena) طبعی قوانین کے تابع ہوتے ہیں۔ اس کے نزدیک عمران یا سماج ایک جامد (Static) چیز نہیں بلکہ ایک حرکی و نامی مظہر (Dynamic and Evolving Phenomenon) ہے۔وہ تبدیلی کے کئی مراحل سے گزرتا ہے۔ابن خلدون لکیری تبدیلی(Linear Change) کے بجائے چکراتی تبدیلی(Cyclical Change) کا قائل ہے۔ابن خلدون کے سماجی تبدیلی کے تصور بارے میں اکائی 4 میں ہم تفصیل سے جانیں گے۔

10.8 سماج کی قسمیں(Types of Society)

ابن خلدون کے نزدیک سماج (جسے وہ عمران کا نام دیتے ہیں) کی دو قسمیں ہیں:

- بدوی سماج (العمران البدوی)
- حضری سماج (العمران الحضری)

ابن خلدون نے شمالی افریقہ کی ریاستوں کے عروج وزوال کو سمجھنے کے لیے بدوی معاشروں اور حضری معاشروں کی سماجی تنظیم کی خصوصیات میں بنیادی فرق کا مطالعہ کرنا ضروری سمجھا۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے اس نے ایک مرکزی تصور دیا جسے وہ عصبیت سے تعبیر کرتا ہے۔ عصبیت سے مراد کسی گروہ کے افراد کے درمیان یکجہتی کا وہ احساس ہے جو اس بات کے علم سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی آباء و اجداد کی اولاد ہیں۔اس تصور عصبیت کے بارے میں ہم اگلی اکائی میں تفصیل سے جانیں گے۔ ہم یہاں بدوی سماج اور حضری سماج کی تعریف اور خصوصیات بیان کریں گے۔

ابن خلدون کے نزدیک بدوی سماج اور حضری سماج کی نوعیت میں اختلاف دراصل دونوں سماجوں میں ذریعہ معاش میں فرق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے بقول اجتماعیت کی بنیاد ہی معاش کے حصول میں باہمی تعاون ہے۔بدوی سماج میں لوگ کسان اور گڈریے ہوتے ہیں اور انہیں کھیتی باڑی اور جانوروں کو چرانے کے لیے کھلی اور وسیع زمین کی ضرورت ہوتی ہے جو شہروں میں موجود نہیں ہوتی۔ بدوی سماج میں معاشی عمل زندگی کی بنیادی ضروریات کی تکمیل ہی تک محدود ہوتا ہے۔ جبکہ حضری سماج میں معاشی عمل کی غرض وغایت بنیادی ضروریات سے آگے بڑھ کر تعیشات کا حصول ہوتا ہے۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ بدوی سماج اور حضری سماج دونوں طبعی ہیں۔ ہر سماج اپنے آغاز میں بدوی سماج ہی ہوتا ہے۔ جب اس کے اندر معاشی خوشحالی آجاتی ہے ضرورت سے زائد کے حصول کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور اچھی غذاوں، عمدہ ملابس کے حصول اور وسیع گھروں، شہروں کی تعمیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔اس طرح بدوی سماج ارتقاء پذیر ہو کر حضری سماج بن جاتا ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک حضری سماج یا تمدن ہی بدوی سماج کی غایت ہوتی ہے۔

10.9 بدوی سماج (العمران البدوي) (Rural Society)

بدوی لفظ "بداوت" سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے بادیہ نشین ہونا۔ بادیہ ایسی کھلی جگہ کو کہتے ہیں جہاں چارہ اور پانی ہو۔ قدیم زمانے میں عرب اور شمالی افریقہ وغیرہ کے صحرائی علاقوں میں بسنے والے خانہ بدوش قبائل کو بدوی کہا جاتا تھا۔ بدوی سماج سے ابن خلدون شہر کے نواحی علاقوں، پہاڑوں، سبزہ زاروں، ویران زمینوں اور ریگستانوں میں بسنے والے لوگ مراد لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ابن خلدون چھوٹے دیہاتوں میں بسنے والے سماج کو بھی وہ بدوی سماج کہتا ہے۔ بدوی سماج جدید سماجیات میں دیہی سماج (Rural Society) کی اصطلاح کے تقریباً ہم معنی ہے۔

10.10 بدوی سماج کی خصوصیات (Characteristics of Rural Society)

ابن خلدون بدوی سماج کی درج ذیل خصوصیات بیان کرتا ہے:

- بدوی سماج خانہ بدوش ہوتا ہے۔ یہ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی کوئی مستقل جائے سکونت نہیں ہوتی۔
- بدوی سماج حضری سماج کی اصل اور اس پر مقدم ہوتا ہے۔ کیونکہ بدوی سماج حضری سماج کے برعکس صرف بنیادی ضروریات زندگی پر اقتصار کرتا ہے۔ ضروریات زندگی مقدم ہیں ایسی زائد از ضرورت چیزوں پر جو تکمیلی نوعیت کی نہیں ہوتی ہیں۔
- بدوی سماج کے لوگوں کا انحصار کھیتی باڑی اور مویشی پروری اور اس سے متعلق کاموں پر ہوتا ہے۔
- بدوی سماج میں معاشی عمل متنوع نہیں ہوتا۔ یہ لوگ مختلف قسم کے پیشوں سے وابستہ نہیں ہوتے۔
- بدوی سماج میں معاشی عمل زندگی کی بنیادی ضروریات کی تکمیل ہی تک محدود ہوتا ہے۔ وہ اپنی اصل اور بنیادی ضرورتوں پر قناعت کر لیتے ہیں۔
- بدوی سماج کے لوگ معمولی غذا کھا لیتے ہیں، رہنے کے لیے خیمے گاڑ لیتے ہیں یا بانسوں سے یا مٹی اور اینٹوں سے یا پتھروں سے کچے جھونپڑے بنا لیتے ہیں۔
- بدوی سماج کے لوگ محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں۔ یہ لوگ عیش و عشرت کی زندگی نہیں گزارتے۔
- بدوی سماج کے لوگ بہادر اور جنگجو ہوتے ہیں۔ بدوی سماج کے افراد شہر کے نواحی علاقوں میں الگ الگ رہتے ہیں اور مضبوط در و دیوار کے بغیر زندگی گزارتے ہیں اور انہیں اپنا دفاع خود کرنا ہوتا ہے۔ یہ ہمہ وقت مستعد اور مسلح ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔ انہیں دفاعی ضرورتوں کے لیے مضبوط اور طاقتور ہونا پڑتا ہے۔ بدویوں میں بھی جو وحشی قومیں ہوتی ہیں وہ دیہاتوں میں بس جانے والے اہل بدو سے زیادہ بہادر ہوتی ہیں۔

- بدوی سماج کے لوگوں میں خونی رشتہ یا عصبیت مضبوط ہوتی ہے۔ مضبوط عصبیت کے حامل قبائل ہی بادیہ میں رہنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ یہاں کوئی حکومت موجود نہیں ہوتی۔ ظلم وزیادتی سے لوگوں کی حفاظت قبیلے کے سردار یا جیالے نوجوان ہی کرتے ہیں۔ ان کی حفاظت ودفاع میں خلوص اسی وقت ممکن ہے جب ان میں خونی رشتہ موجود ہو۔
- بدوی سماج کے لوگ خیر کے زیادہ قریب اور اعلی اخلاقی صفات سے متصف ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہیں سامان عیش وعشرت میسر نہیں ہوتا۔ بدوی سماج کے لوگ دنیا دار ہوں بھی تو ان کی دنیا ضروریات تک ہی محدود رہتی ہے۔ ان کے اندر کچھ برائیاں پائی جاتی ہیں مگر وہ اہل حضر کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہیں۔
- بدوی سماج کی غایت حضری سماج اور تمدن ہے۔ ہر سماج پہلے بدوی سماج ہی ہوتا ہے جو بعد میں ارتقاء کے مراحل سے گزر کر حضری سماج بن جاتا ہے۔

10.11 حضری / شہری سماج (العمران الحضري) (Urban Society)

حضری سماج سے مراد وہ سماج ہے جو قصبوں اور شہروں میں آباد ہوتا ہے۔ بدوی سماج کے برعکس یہ لوگ ایک ہی جگہ مستقل طور پر سکونت پذیر ہوتے ہیں اور مختلف پیشوں میں مصروف ہوتے ہیں۔ یہ درحقیقت بدوی سماج کا ارتقائی مرحلہ ہوتا ہے۔ حضری سماج ہی بدوی سماج کی غایت ہوتی ہے۔ یہ جدید اصطلاح میں شہری سماج (Urban Society) کے تقریباً ہم معنی ہے۔

10.12 حضری سماج کی خصوصیات (Characteristics of Urban Society)

ابن خلدون حضری سماج کی درج ذیل خصوصیات بیان کرتا ہے:

- حضری سماج بدوی سماج ہی کی ارتقایافتہ شکل ہے اس لیے کہ بڑے بڑے شہر پہلے دیہات ہی تھے۔
- حضری سماج مستقل طور پر ایک ہی جگہ سکونت پذیر ہوتا ہے۔ حضری سماج بڑی بڑی عماتیں تعمیر کرتے ہیں اور درودیوار کے اندر محفوظ ہوتے ہیں۔
- حضری سماج کے لوگ متنوع قسم کے معاشی کاموں میں مصروف ہوتے ہیں۔ یہاں لوگ مختلف قسم کی صنعتوں اور تجارتوں سے وابستہ ہوتے ہیں۔
- حضری سماج میں لوگ معاشی طور پر خوش حال ہوتے ہیں اور بنیادی ضروریات سے آگے بڑھ کر ایسی چیزوں کے حصول کے لیے کوشاں ہوتے ہیں جو تکمیلی نوعیت کی نہیں ہوتی ہیں۔
- حضری سماج کے لوگ آسائش پسند اور تعیشات میں مبتلا ہوتے ہیں۔

- حضری سماج کے لوگوں میں شجاعت اور بہادری کی کمی ہوتی ہے۔ پختہ گھروں کے در و دیوار کے اندر آرام پسندی اور پر سکون زندگی کی وجہ سے حضری سماج کے افراد کمزور ہو جاتے ہیں۔ وہ ایسے افراد یا قوت کے محتاج ہوتے ہیں جو ان کی حفاظت کریں۔ وہ ان کی جان و مال کی حفاظت کا کام حکومت کو سونپ دیتے ہیں۔
- حضری سماج میں عصبیت کمزور ہو جاتی ہے۔
- حضری سماج کے لوگ عموماً اعلی اخلاقی صفات سے عاری ہوتے ہیں۔ تعیش پسندی شہری سماج کے افراد کو اخلاق اور مذہب سے دور کر دیتی ہے۔ لذتوں کی فراوانی، سامان عیش و عشرت کی کثرت اور شہوت کی بھرمار کی وجہ سے ان کے اندر بہت سی بری عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور یہ ہر قسم کی برائیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

10.13 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں آپ نے:

- یہ جانا کہ تاریخ کی نظریہ سازی کے ذریعے ابن خلدون نے کیسے ایک نئے علم کی بنیاد رکھی۔
- یہ پڑھا کہ ابن خلدون نے کن مسائل کو عمرانیات کا موضوع قرار دیا۔
- ابن خلدون کے تصور عمران کو سمجھا۔
- بدوی سماج کی اصطلاح سے واقفیت حاصل کی۔
- بدوی سماج کی خصوصیات کے بارے میں پڑھا۔
- حضری سماج کی اصطلاح سے واقفیت حاصل کی۔
- حضری سماج کی خصوصیات کے بارے میں پڑھا۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. تاریخ کی نظریہ سازی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. حضری سماج کی خصوصیات کیا ہیں؟
3. بدوی سماج کی خصوصیات سے آپ کیا سمجھتے ہیں

10.14 کلیدی الفاظ (Key Words)

عمران: ابن خلدون کے الفاظ میں عمران کا مطلب " التساکن و التنازل فی مصر أو حلة للإنس بالعشیر واقتضاء الحاجات لما فی طباعهم من التعاون علی المعاش" یعنی کسی شہر یا انسانوں کی بستی میں رشتہ

داروں کے ساتھ سکونت اختیار کرنا اور ایک دوسرے کی ضرورتیں پوری کرنا کیونکہ معاش کے حصول میں باہمی تعاون ان کی فطرت میں ہے۔ جدید سماجیات کی اصطلاح میں اسے سماجی تنظیم (Social Organisation) کہہ سکتے ہیں۔

- **علم العمران البشری:** وہ علم جس میں انسانوں کی سماجی تنظیم (Social Organisation) کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔۔ یہ جدید اصطلاح میں سماجیات کے مترادف ہے۔
- **بدوی سماج:** اس سے مراد وہ سماج ہے جو شہر کے نواحی علاقوں، پہاڑوں، سبزہ زاروں، ویران زمینوں اور ریگستانوں میں بسنے والے خانہ بدوش لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے۔
- **حضری سماج:** اس سے مراد وہ سماج ہے جو قصبوں اور شہروں میں آباد لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ بدوی سماج کے برعکس یہ لوگ مستقل طور پر ایک ہی جگہ سکونت پذیر ہوتے ہیں۔

10.15 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ عمران کے لفظی معنی کیا ہیں؟

(a) کسی جگہ کو آباد کرنا، (b) منتقل ہونا

(c) ہجرت کرنا (d) عمر گزارنا

2۔ بداوت کے معنی کیا ہیں؟

(a) بادیہ نشین ہونا، (b) شہری زندگی گزارنا

(c) جاہل ہونا (d) کند ذہن ہونا

3۔ بدوی سماج کے لوگ _____ ہوتے ہیں۔

(a) محنتی (b) بزدل

(c) آرام طلب (d) کمزور

4۔ شہری سماج کے لوگ _____ ہوتے ہیں۔

(a) طاقتور (b) بہادر

(c) آسائش پسند (d) ذہین

5۔ علم العمران البشری سے مراد _____

(a)سماجیات　　　　(b)سیاسیات

(c) معاشیات　　　　(d) نفسیات

6۔ تاریخی واقعات میں غلطیوں سے اجتناب کے لیے کونسا علم سب سے زیادہ ضروری ہے؟

(a)تاریخ کا علم　　　　(b)عمرانیات

(c)علم بلاغت　　　　(d) علم حدیث

7۔انسانوں کے اندر اجتماعیت کی بنیاد

(a) تعاون　　　　(b)تضاد

(c) تعلیم　　　　(d) محبت

8۔بدوی سماج کے لوگ _____ ہوتے ہیں۔

(a)خیر پسند　　　　(b)شر پسند

(c) آرام پسند　　　　(d) علم دوست

9۔شہری سماج کے لوگ _____ ہوتے ہیں۔

(a)بزدل　　　　(b)بہادر

(c) جفاکش　　　　(d) جنگجو

10۔بدوی سماج کی اصلاح _______ سے قریب تر ہے۔

(a) صنعتی سماج　　　　(b)شہری سماج

(c) دیہی سماج　　　　(d) تکثیری سماج

مختصر جوابات کے حامل سوالات(Short Answer Type Questions)

1۔ عمران کی تعریف کیجئے۔

2۔بدوی سماج کی تعریف کیجئے۔

3۔ حضری سماج کی تعریف کیجئے۔

4۔ ابن خلدون کے نزدیک تاریخ کے ظاہر سے کیا مراد ہے؟

5۔ابن خلدون کے نزدیک تاریخ کے باطن سے کیا مراد ہے؟

6۔بدوی اور حضری سماج کی نوعیت میں اختلاف کی بنیادی وجہ کیا ہے؟

طویل جوابات کے حامل سوالات(Long Answer Type Questions)

1۔ابن خلدون کے تصور عمران کی وضاحت کیجئے۔

2۔بدوی سماج کی نوعیت اور اس کی خصوصیات پر روشنی ڈالئے۔

3۔حضری سماج کی نوعیت اور اس کی خصوصیات پر روشنی ڈالئے۔

4۔تاریخ کے سلسلے میں ابن خلدون کا نقطہ نظر واضح کرتے ہوئے علم عمرانیات کی ضرورت پر روشنی ڈالئے۔

10.16 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. عبدالرحمن بن خلدون، مقدمہ ابن خلدون(اردو ترجمہ)، مترجم:راغب رحمانی دہلوی ،اعتقاد پبلشنگ ہاوس، نئی دہلی،1987

2. Ibn Khaldun, 1967, Ibn Khaldun: The Muqadimmah – An Introduction to History, 3 vols, trans. Franz Rosenthal. London: Routledge and Kegan Paul

3. Mohammad Abdullah Enan, 2007, Ibn Khaldun: His Life and Works, Islamic Book Trust, Petaling Jaya

4. Syed Farid Alatas, "Ibn Khaldun" in George Ritzer, Jeffrey Stepnisky edited The Wiley-Blackwell Companion to Major Social Theorists, Volume I Classical Social Theorists, Wiley-Blackwell, 2011, India

5. Syed Farid Alatas, 2013, Ibn Khaldun: Makers of Islamic Civilization, Oxford University Press, Oxford

6. Syed Farid Alatas, 2014, Applying Ibn Khaldun The Recovery of a Lost Tradition in Sociology, Routledge Publications, New York

7. Syed Farid Alatas, 2006, Ibn Khaldun and Contemporary Sociology, International Sociolgy, Vol 21 (6): 782-795

اکائی 11۔ابن خلدون کا تصور عصبیت

(Ibh Khaldun –Concept of Assabiyyah)

اکائی کے اجزا

11.0 تمہید

11.1 مقاصد

11.2 ابن خلدون کا تصور عصبیت

11.3 عصبیت کی قسمیں

11.4 قبائلی سماج میں عصبیت کی اہمیت و مرکزیت

11.5 قبائلی سماج کی کشمکش اور عصبیت

11.6 عصبیت اور سرداری

11.7 عصبیت اور حکومت واقتدار

11.8 عصبیت کے فعال ہونے کے شرائط

11.9 عصبیت کے زوال اور خاتمے کے اسباب

11.10 عصبیت اور حضری سماج

11.11 اکتسابی نتائج

11.12 کلیدی الفاظ

11.13 نمونہ امتحانی سوالات

11.14 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

11.0 تمہید (Introduction)

پچھلی اکائی میں ہم نے ابن خلدون کے تصور عمران اور سماج کی قسموں اور بدوی سماج اور حضری سماج کی خصوصیات کے بارے میں تفصیل سے پڑھا۔ ہم نے یہ بھی جانا کہ کس طرح ابن خلدون نے تاریخ کی نظریہ سازی (Theorisation of History) کے ذریعے ایک نئے علم کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد سماج اور اس کی حرکیات کو سمجھنا ہے۔ ابن خلدون کے سماجیاتی افکار میں عصبیت کے تصور کو ایک اہم اور مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس دور کی سماجی حرکیات میں عصبیت کا بڑا اہم رول تھا۔ پچھلی اکائی میں ابن خلدون کے تصور عصبیت کا سرسری ذکر آیا تھا۔ اس اکائی میں ہم ابن خلدون کے تصور عصبیت کے بارے میں تفصیل سے جانیں گے۔

عصبیت کا لفظ ابن خلدون نے پہلی بار استعمال نہیں کیا۔ یہ لفظ عربی زبان میں پہلے سے مستعمل تھا۔ یہ لفظ نسب کی بنیاد پر باہمی تنازع اور فرقہ بندی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ باہمی نزاع کی صورت میں کسی دوسرے فریق کے مقابلے میں اپنے افراد کی نصرت و حمایت کی دعوت کو، قطع نظر اس سے کہ وہ حق پر ہیں یا نہیں، عصبیت کہتے ہیں۔ اردو زبان میں بھی عصبیت اور تعصب کے الفاظ اسی مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں۔ عام طور پر عصبیت کا لفظ منفی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عصبیت کو ایک قابل مذمت چیز سمجھا جاتا ہے۔

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں اس دور کے مورخین اور مصنفین کی طرح صحیح و غلط بیان کرنے کا اسلوب (Normative Approach) نہیں اختیار کیا بلکہ سماجی حقائق کو جوں کا توں بیان کرنے کا طریقہ (Positive Approach) اختیار کیا۔ ابن خلدون نے عصبیت کو ایک سماجی مظہر یا سماجی حقیقت کے طور پر سمجھا اور سماج میں اس کے رول اور اثرات کا سائنسی طور پر جائزہ لینے کی کوشش کی۔

11.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- ابن خلدون کے تصور عصبیت کو واضح کر سکیں۔
- عصبیت کی بنیادوں کو بیان کر سکیں۔
- قبائلی سماج میں عصبیت کی اہمیت و مرکزیت کو سمجھ سکیں۔
- عصبیت کی مضبوطی و کمزوری کے عوامل سے واقف ہوں۔
- عصبیت اور حکومت کے تعلق کو سمجھ سکیں۔

11.2 ابن خلدون کا تصورِ عصبیت (Ibn Khaldoon's Concept of Assabiyyah)

ابن خلدون کے نزدیک شمالی افریقہ کی ریاستوں کے عروج و زوال کو سمجھنے کے لیے بدوی سماج اور حضری سماج کے درمیان سماجی تنظیم کی خصوصیات میں بنیادی فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ عصبیت کے تصور کو سمجھے بغیر بدوی سماج اور حضری سماج کے درمیان سماجی تنظیم

کی خصوصیات کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ سماج کی حرکیات میں عصبیت کا غیر معمولی رول ہوتا ہے۔ وہ سماجی گروہ جس کے اندر عصبیت مضبوط ہوتی ہے کمزور عصبیت والے گروہ پر غالب آجاتا ہے اور حکمرانی کرتا ہے۔

وہ بنیادی مسئلہ جو ابن خلدون کے ذہن پر چھایا ہوا تھا اور اس کے فکر و تحقیق کا موضوع بنا ہوا تھا وہ حکومتوں کے قیام اور ان کے آپسی کشمکش اور اضمحلال وزوال کے قوانین کا سراغ لگانا تھا۔ اس کے ذہن میں جو بنیادی سوال تھا وہ یہ تھا کہ وہ کونسی قوت ہے جس کے بل بوتے پر حکمران خاندان اقتدار پر قابض ہوتے ہیں؟ یہ سوال فلسفیانہ غور وفکر کا نتیجہ نہیں بلکہ ابن خلدون جس مخصوص سیاسی و سماجی حالات سے گزر رہا تھا ان حالات کی پیداوار تھا۔ ابن خلدون نے شمالی افریقہ کے جس سماج میں سیاسی سرگرمیاں انجام دیں، وہ سماج ایک قبائلی سماج تھا۔ اس قبائلی سماج میں اسی خاندان کی حکومت قائم ہوتی تھی جس کی پشت پر قبیلہ کی قوت ہوتی تھی۔ عصبیت اسی قوت کا نام تھا۔

ابن خلدون نے مورخین پر بھی اس حوالے سے تنقید کی ہے کہ اس نے حکومتوں کے عروج وزوال کے مطالعہ میں عصبیت کے رول کو نظر انداز کر دیا۔ جبکہ حکومت کی تاسیس سے لے کر اس کے اضمحلال و زوال تک ہر مرحلے میں عصبیت کا بہت اہم کردار ہوا کرتا ہے۔

ذیل میں ہم ابن خلدون کے تصور عصبیت اور اس کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ ہم یہ جانیں گے کہ قبائلی سماج میں عصبیت کی کیا اہمیت ہوتی ہے، عصبیت کن بنیادوں پر قائم ہوتی ہے اور اس کی کیا کیا قسمیں ہیں، کب عصبیت مضبوط اور فعال ہوتی ہے، حکومت کے قیام اور اس کے زوال میں عصبیت کا کیا رول ہوتا ہے اور عصبیت کے زوال کی کیا وجوہات ہوتی ہیں۔

عصبیت کے لغوی معنی

عربی زبان میں فعل عَصَبَ یَعْصِبُ کا مطلب کسی چیز کو باندھنا یا کسی کا احاطہ کرنا ہے۔ عَصَبة ، عُصْبة اور عِصَابة کے معنی لوگوں کی جماعت کے ہوتے ہیں۔ عَصَبة الرَجُل کے معنی ہوتے ہیں کسی شخص کی اولاد اور باپ کی جانب سے اس کے رشتہ دار یا اس کی قوم جو اس کی حمایت کرے اور اس کی مدد کے لیے کھڑی ہو۔ رشتہ داروں کے لیے عصبہ کا لفظ اس لیے استعمال ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہر جانب سے اپنے رشتہ دار کو گھیرے رہتے ہیں اور اس کی مدد و حمایت کرتے ہیں۔ عصبیت کے لغوی معنی ایسے شخص کی حمایت و مدافعت جس سے آپ کا تعلق ہو۔ عربی کے مشہور لغت لسان العرب میں عصبیت کے معنی یوں بیان کئے گئے ہیں: أن یدعو الرجلُ إلى نصرة عصبته، والتألب معهم على من يناوئهم، ظالمين كانوا أو مظلومين یعنی دشمنوں کے مقابلے میں اپنے رشتہ داروں کی نصرت اور ان کے ساتھ جمع ہونے کی دعوت، خواہ وہ ظالم ہوں یا مظلوم ہوں۔

عصبہ کا مفہوم

عصبیت کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عصبہ کس نوعیت کی جماعت ہوتی ہے۔ اوپر آپ نے پڑھا کہ عَصَبة کے معنی جماعت یا گروہ کے ہوتے ہیں لیکن وہی جماعت یا گروہ عصبہ کہلاتا ہے جو کسی شخص کے قریبی رشتہ داروں پر مشتمل ہو جو اس کے ساتھ رہتے ہوں۔ کسی کا عصبہ ہونے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں: ۱۔ قرابت داری ۲۔ ساتھ رہنا۔

عصبہ وقتی طور پر تشکیل پانے والی جماعت کو نہیں کہتے۔ یہ زمانی و مکانی ضرورتوں کے تحت یا خارجی محرکات کے سبب یا مخصوص اہداف کی خاطر وجود میں آنے والی جماعت نہیں ہوتی۔ یہ ہمیشہ رہنے والی جماعت ہوتی ہے۔ یہ نہ جماعت کے ممبران کے اتفاق سے وجود میں آتی ہے اور نہ ہی جماعت کے ممبران اس کو تحلیل کر سکتے ہیں۔ یہ جن افراد پر مشتمل ہوتی ہے وہ جب تک موجود ہوتے ہیں یہ جماعت قائم رہتی ہے اور ان کی نسل کے جاری رہنے تک یہ جماعت میں باقی رہتی ہے۔

عصبیت کا مفہوم

عصبہ ہی سے لفظ عصبیت نکلا ہے۔ عصبیت فرد کے اس شعور کا نام ہے کہ وہ اس جماعت (عصبہ) کا جزو لاینفک ہے جس کی طرف اس کی نسبت ہے۔ وہ ضرورت پڑنے پر اس جماعت میں اپنی شخصیت کو فنا کرنے کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتا ہے۔ عام حالات میں فرد کے شعور پر اس کی شخصیت اور انا غالب ہوتی ہے لیکن جب اس جماعت کو جس کی طرف اس کی نسبت ہے کوئی خارجی خطرہ لاحق ہوتا ہے تو فرد کے اندر جماعت کے اٹوٹ حصہ ہونے کا احساس جاگ اٹھتا ہے اور وہ اپنی شخصیت اور انا کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ یہ شعور جو جماعت (عصبہ) کے افراد کو ایک دوسرے سے باندھتا ہے اور انہیں ایک ایسا وجود بنا دیتا ہے جس میں کئی انفرادی وجود فنا ہو جاتے ہیں، اسی شعور کا نام عصبیت ہے۔

یہ ایک فرد اور دوسرے فرد کا تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ فرد کا جماعت کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ جماعت کو خطرہ لاحق ہونے پر فرد اپنی انفرادیت کو ختم کر کے جماعت کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور فرد کو مصیبت لاحق ہونے پر پوری جماعت اس فرد کے وجود کا حصہ بن جاتی ہے۔

عرب دنیا کے مشہور فلسفی ڈاکٹر محمد عابد جابری عصبیت کی تعریف کچھ اس طرح کرتے ہیں: "ایک ایسا نفسیاتی، شعوری و لاشعوری اجتماعی تعلق جو کسی ایسی مخصوص جماعت کے افراد کو جو مادی یا معنوی قرابت کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے، مستقل طور پر جوڑتا ہے اور اس وقت نمایاں اور مضبوط ہو جاتا ہے جب ان افراد کو بحیثیت افراد یا جماعت کوئی خطرہ لاحق ہوتا ہے۔"

فرید العطاس نے عصبیت کی تعریف یوں کی ہے: "کسی گروہ کے افراد کے درمیان یکجہتی کا احساس جو عموماً اس بات کے علم سے پیدا ہوتا ہے کہ ان کا نسب مشترک ہے"۔

عصبیت کی جامع تعریف یوں کی جا سکتی ہے: کسی گروہ کے افراد کے درمیان یکجہتی کا احساس جو عموماً نسب اور بسا اوقات ولاء یا معاہدے کی بنیاد پر قائم ہونے والی وحدت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

انگریزی میں لفظ عصبیت کا ترجمہ مختلف انداز سے کیا گیا ہے مثلاً خونی رشتہ (blood relationship)، قبائلی شعور (tribal consciousness)، وحدت کا احساس، گروپڈم (Groupdom)، جماعتی احساس (group feeling)، جماعتی اسپرٹ (group spirit)، جماعتی شعور (group consciousness)، گروہی یکجہتی (group solidarity) وغیرہ۔ عام طور پر لوگوں نے اس کے لیے سماجی یکجہتی (Social solidarity) کی تعبیر اختیار کی ہے۔ اس ترجمہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ solidarity کا لفظ پورے طور پر ایک مجرد تصور ہے۔ جبکہ عصبیت کا لفظ کسی مخصوص گروہ کی یکجہتی solidarity کو بیان کرتا ہے۔ چنانچہ عصبیت کی جمع عصبیات بھی مستعمل

ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس لفظ کا صحیح ترجمہ نہیں ہو سکتا لہذا اس کا ترجمہ نہیں کرنا چاہیے۔ اردو میں لفظ عصبیت ہی کا استعمال زیادہ موزوں ہے۔ ہم یہ لفظ من و عن یہاں استعمال کریں گے۔

عصبیت کی بنیاد

عصبیت کے معنی سمجھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی گروہ یا جماعت کے اندر عصبیت کس بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ ابن خلدون نسب یعنی رشتہ داری یا اس جیسی چیز کی بنیاد پر قائم ہونے والی وحدت کو عصبیت کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ (أن العصبية إنما تكون من الالتحام بالنسب أو ما في معناه)۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ صلہ رحمی انسانوں کی فطرت میں ہے۔ اسی صلہ رحمی کا تقاضا یہ ہے کہ جب کبھی اپنے رشتہ داروں کو کوئی ظلم و زیادتی پیش آئے تو دوسرے رشتہ دار اس کی حمایت کے لیے کھڑے ہو جائیں۔ اگر رشتہ دار بہت قریبی ہوں اور اس کی بنیاد پر وہ متحد اور یکجا ہوں تو نصرت و حمایت کا جذبہ بہت زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ اگر رشتہ دار دور کے بھی ہوں تب بھی آدمی ان پر ظلم و زیادتی برداشت کرنے کو اپنے اوپر عار سمجھتا ہے۔

نسب ہی کی طرح ولاء اور حلف کا تعلق بھی ہے۔ ولاء ایک ایسے تعلق کا نام ہے جو غلام کو آزاد کرنے سے بنتا ہے۔ ایسا غلام اپنے آقا کے گھر کے فرد کی مانند ہوتا ہے۔ حلف معاہدے کے تعلق کو کہتے ہیں۔ کسی قبیلے کا حلیف بننے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی دشمنوں کے مقابلے میں قبیلے کی حفاظت و دفاع میں قبیلے کے افراد ساتھ کھڑے ہو۔ جس طرح انسان اپنے خونی رشتہ داروں پر ظلم برداشت نہیں کر سکتا اسی طرح ان لوگوں پر بھی ظلم برداشت نہیں کر سکتا جن سے اس کا ولاء یا عہد کا تعلق ہو۔ اس لیے کہ ولاء یا حلف کی بنیاد پر پیدا ہونے والی وحدت بھی نسب کی بنیاد پر قائم ہونے والی وحدت ہی کی طرح ہے یا اس سے قریب ہے۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ نسب ایک وہمی چیز ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ نسب بمعنی کسی گروہ کی مشترک جد امجد کی طرف نسبت ایک وہمی چیز ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خالص خون جو پچھلوں سے اگلوں تک منتقل ہو ایک وہمی چیز ہے۔ نسبوں کا اختلاط ایک عام حقیقت ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک اہم چیز نسب کا ثمرہ یا فائدہ ہے۔ نسب کا اصل فائدہ وحدت ہی ہے جو صلہ رحمی کو واجب کرتا ہے اور باہمی نصرت و حمایت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ عصبیت در حقیقت نسب کی بنیاد پر قائم نہیں ہوتی بلکہ نسب کے نتیجے میں بننے والی وحدت کی بنیاد پر عصبیت قائم ہوتی ہے۔ اگر وحدت نسب کے بجائے ولاء یا حلف سے حاصل ہو جائے تو اس بنیاد پر بھی عصبیت پیدا ہو سکتی ہے۔ مگر ولاء یا عہد کی بنیاد پر پیدا ہونے والی عصبیت نسب کی بنیاد پر پیدا ہونے والی عصبیت کے مقابلے میں نسبتاً کمزور اور غیر مستحکم ہوتی ہے۔

یہ وحدت (ابن خلدون کے الفاظ میں التحام) اصل میں باہمی معاشرت ہے جو لوگوں کے اندر عصبیت کا رشتہ قائم کرتی ہے۔ یہی عصبیت کی عملی بنیاد ہے۔

11.3 عصبیت کی قسمیں (Types of Assabiyyah)

عصبیت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ عصبیت خاصہ

۲۔ عصبیت عامہ

عصبیت خاصہ: وہ جماعت (عصبہ) جنہیں قریبی تعلق یا خاص نسبت آپس میں جوڑتی ہو ان کے درمیان قائم عصبیت عصبیت خاصہ ہوتی ہے۔

عصبیت عامہ: وہ جماعتیں (عصبات) ہیں جن کا دائرہ زیادہ وسیع ہو اور جن میں ربط نسبتاً کم ہو اور جنہیں دور کا تعلق یا عام تعلق جوڑتا ہو ان کے درمیان قائم ہونے والی عصبیت عصبیت عامہ ہوتی ہے۔

ہر عصبیت عامہ عصبیات خاصہ سے تشکیل پاتی ہے یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ کئی خاص عصبیتیں مل کر ایک عام عصبیت تشکیل دیتی ہیں۔ یہیں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عصبیت وحدت میں کثرت اور تعاون اور تناصر کے ساتھ ساتھ باہمی تنافس اور منافرت کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔

عصبیت اسی وقت ایک سیاسی قوت بنتی ہے جب آپس میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے والی خاص عصبیتیں ایک عام عصبیت کے ساتھ شامل ہو کر وحدت بن جائیں۔ یہ عصبی وحدت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب مخصوص حالات پیدا ہوں۔ ابن خلدون کے الفاظ میں جب حکومت بڑھاپے کا شکار ہو جائے۔

11.4 قبائلی سماج میں عصبیت کی اہمیت و مرکزیت (Significance of Assabiyyah in Rural Society)

ابن خلدون کہتا ہے کہ صرف وہی قبیلے بادیہ میں رہ سکتے ہیں جن کے اندر عصبیت موجود ہو۔ وہ عصبیت کو بدوی سماج کا لازمی عنصر مانتا ہے جس کے بغیر وہاں کسی قبیلے کا وجود ناممکن ہے۔ قبائلی سماج میں عصبیت کی اہمیت و مرکزیت کو سمجھنے کے لیے انسانی سماج کے بارے میں ان کے بنیادی مقدمے کو سمجھنا ضروری ہے۔ ابن خلدون جانوروں کے مقابلے میں انسان کی کچھ خصوصیات بیان کرتا ہے۔ ان خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ انسانی سماج کو ایک "وازع" کی ضرورت ہے۔ وازع کا مطلب ہے انسانوں کو (ظلم اور دست درازی سے) روکنے والا یا کنٹرول کرنے والا۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ انسان فطرتاً ایک سماجی وجود ہے اس لیے کہ اسے اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے دیگر انسانوں کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ انسانوں کی فطرت میں ظلم و عدوان بھی ہے۔ چنانچہ اس ظلم و عدوان سے بچنے کے لیے انہیں ایک وازع کی ضرورت ہوتی ہے۔

انسان کے اندر ضمیر یا اخلاقی حس کی صورت میں ایک وازع ہوتا ہے جو اسے اخلاقی اعتبار سے غلط چیزوں سے روکتا ہے۔ اس کے علاوہ خارج میں بھی انسانوں کو ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی سے روکنے کے لیے ایک وازع کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ وازع مادی قوت

(حکومت جس کے پاس قوت قاہرہ ہوتی ہے) کی شکل میں بھی ہوتا ہے اور معنوی قوت (قبیلے کے سرداراور بزرگ جن کے پاس کوئی قوت قاہرہ تو نہیں ہوتی لیکن ان کے احترام میں لوگ ان کی بات مانتے ہیں) کی صورت میں بھی ہوتا ہے۔

ابن خلدون ظلم وعدوان کی بھی دو قسمیں بیان کرتا ہے۔

۱۔ داخلی ظلم وعدوان یعنی شہر کے اندر یا بدووں کے قبیلے کے اندر افراد کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا

۲۔ خارجی ظلم وعدوان یعنی پورے شہر پر یا قبیلے پر باہر کے لوگوں کی جانب سے ظلم اور تعدی

حضری سماج میں حکومت اپنی قوت قاہرہ سے لوگوں کو باہمی ظلم سے روکتی ہے اور خارجی ظلم وعدوان سے شہر کو حکومت کی فوج اور شہر کی فصیلیں روکتی ہیں۔ بدوی سماج میں قبیلے کے سردار اور بزرگ لوگوں کو باہمی ظلم سے روکتے ہیں اور خارجی عدوان سے قبیلے کے لوگوں کی حفاظت قبیلے کے بہادر جنگجو نوجوان کرتے ہیں۔ یہ لوگ صداقت اور اخلاص کے ساتھ اسی وقت قبیلے کے لوگوں کی حمایت و مدافعت کر سکتے ہیں جب ان کے مابین خونی رشتہ اور عصبیت کا تعلق ہو۔ اس لیے کہ انسانی فطرت اپنے خونی رشتہ داروں پر ظلم و زیادتی برداشت نہیں کر سکتی۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابن خلدون عصبیت کا مطالعہ ایک ایسے فطری ربط کے طور پر کرتا ہے جو دشمنوں کے مقابلے میں قبیلے کے جنگجو اور بہادر لوگوں کو آپس میں قبیلے کی نصرت و مدافعت کے لیے جوڑتا ہے۔ وہ عصبیت کو قبیلے کے اندر لوگوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات کو منظم کرنے والے سماجی ربط کے طور پر نہیں دیکھتے۔ ابن خلدون خارجی عدوان سے قبیلے کی مدافعت میں عصبیت کا وہی رول بیان کرتا ہے جو شہر کی مدافعت میں اس کی فوج اور فصیلوں کا ہوتا ہے۔ وہ عصبیت کا مطالعہ بطور وازع کرتا ہے جو قبیلے کی حمایت اور حفاظت کا ضامن ہوتا ہے۔ ابن خلدون عصبیت کو ایک ایسے دفاعی ربط یا مقابلے کی قوت کے طور پر دیکھتا ہے جو بادیہ میں رہنے والے مختلف گروہوں کے خارجی تعلقات کو منظم کرے، ان گروہوں کے ایک دوسرے سے تعلقات کو بھی، اور حکومت سے ان کے تعلقات کو بھی۔

11.5 قبائلی سماج کی کشمکش اور عصبیت (Clash of Rural Society and Asabiyah)

اوپر ہم یہ پڑھ چکے ہیں کہ خارجی عدوان سے قبیلے کی حفاظت اور دفاع میں عصبیت کا وہی رول رہا ہے جو شہر کی حمایت و مدافعت میں حکومت کی فوج اور شہر کی فصیلوں کا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے عصبیت بطور خاص بدوی سماج کا ایک مظہر ہے۔ حضری سماج میں عصبیت بطور وازع نہیں ہوتی بلکہ حکومت اور اس کا دفاعی نظام وازع کا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ظلم یا تعدی کی نوعیت کیا ہوتی ہے جو قبائلی سماج میں قبیلوں کو پیش آتی ہے۔

ابن خلدون جس ظلم و تعدی کی بات کرتا ہے اس سے مراد مختلف عصبات یا سماجی گروہوں کا ایک دوسرے کے خلاف تعدی یا ان کی آپسی کشمکش ہے۔ اس کشمکش میں نسب کا بہت اہم رول ہوتا ہے۔ نسبی رشتہ جہاں ایک عصبہ یا گروہ کے افراد یا مختلف قبائل کے عصبات کو

ایک ساتھ جمع کرتا ہے وہیں ان گروہوں اور افراد کے درمیان دوری اور منافرت بھی پیدا کرتا ہے جن میں قریب یا دور کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

بدوی سماج کے لوگوں کی معاشی سرگرمیاں ناگزیر ضروریات کی تکمیل کے ارد گرد گھومتی ہیں۔ ان کے لیے ان ناگزیر چیزوں کا حصول بھی اسی قدر ممکن ہوتا ہے جتنا زندہ رہنے کے لیے کافی ہو۔ اس لیے اس سے زیادہ کا حصول ان کے لیے ناممکن ہوتا ہے۔ ان کے درمیان محدود وسائل کے حصول کے لیے لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ جس زمین پر وہ مقیم ہوتے ہیں وہ، جب تک وہ وہاں رہیں، ان کی اجتماعی ملکیت ہوتی ہے۔ اگر کوئی دوسرا فرد یا گروہ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اسے تعدی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ان گروہوں کو ان زرخیز زمینوں پر قبضہ کرنے میں تردد نہیں ہوتا جہاں ان کے جانوروں کے لیے چارہ اور پانی ہو۔ یہی چیز عام طور پر بدوی سماج کے مختلف گروہوں کے درمیان مخاصمت کی وجہ بنتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی آپسی لڑائیوں کی وجہ ان کے اندر موجود بدلہ کی عادت (عادۃ الثأر) ہوتی ہے۔ اس کی رو سے اگر کسی گروہ کا ایک فرد دوسرے گروہ کے افراد یا چیزوں پر تعدی کرتا ہے تو اسے اس پورے گروہ کی جانب سے تعدی سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی ظلم وزیادتی سے نقصان اٹھانے والا گرچہ ایک فرد ہی کیوں نہ ہو، اسے پورے گروہ پر تعدی سمجھا جاتا ہے۔ اسی صورت حال کی وجہ سے یہ لوگ ہمیشہ مسلح ہوتے ہیں اور یہی چیز ان کے مضبوط عصبیت کا باعث بنتی ہے۔ یہی عصبیت جماعت کی روح اور اس کی قوت کا منبع ہوتی ہے۔

> ابن خلدون کہتا ہے کہ جس طرح بدوی سماج میں رہائش کے لیے عصبیت ضروری ہے اسی طرح نبوت یا بادشاہت کے قیام یا کسی بھی دعوت کے لیے عصبیت ضروری ہے۔ اس لیے کہ لوگوں کی فطرت میں نافرمانی پائی جاتی ہے۔ وہ قتال کے بغیر کسی چیز کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور قتال کے لیے عصبیت ضروری چیز ہے۔

11.6 عصبیت اور سرداری (Asabiyah and Chieftain)

اوپر ہم پڑھ چکے ہیں کہ بدوی سماج میں داخلی ظلم وعدوان سے لوگوں کی حفاظت سردار اور بزرگ کرتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل عصبیت کی سرداری کے لیے کیا شرائط ہیں، خواہ وہ کسی عصبہ یا گروہ کی سرداری ہو یا عصبیت عامہ کی بنیاد پر ایک دوسرے سے جڑنے والی کئی عصبات یا گروہوں کی سرداری۔ ابن خلدون اس سرداری کے لیے تین شرطیں بیان کرتا ہے۔

۱۔ نسب صریح

۲۔ شرف وحسب

۳۔ غلبہ

۱۔ نسب صریح: ابن خلدون کہتا ہے: إن الرئاسة على أهل العصبية لا تكون في غير نسبهم یعنی اہل عصبیت کی سرداری نسب سے باہر نہیں ہوتی۔ یہ بات اوپر بیان کی جاچکی ہے کہ کسی عصبہ یا جماعت میں وہ لوگ بھی شامل ہوجاتے ہیں جن سے خونی رشتہ نہیں ہوتا بلکہ ولاء یا حلف کا تعلق ہوتا ہے۔ نسبی رشتہ رکھنے والوں کے مقابلے میں ان کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ لیکن صریح نسب سے

مراد خالص خون نہیں ہے بلکہ جماعت کے ساتھ قدیم تعلق اور طویل معاشرت ہے۔ ولاء اور عہد کے تعلق سے عصبیت حاصل ہو سکتی ہے مگر سرداری نہیں۔ اس کے لیے نسب ضروری ہے۔

۲۔ شرف و حسب: اہل عصبیت کے اندر سرداری پانے کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ اس شخص کے آباء شرفاء اور صفات حمیدہ کے حامل رہے ہوں۔ یہ سرداری موروثی طور پر منتقل ہوتی ہے۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ خاندان و شرف اصلا اہل عصبیت ہی کے لیے ہے۔ قصبوں والے مجازی طور پر خاندانی کہلاتے ہیں۔ اس لیے کہ شرف و حسب خلال حمیدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ قصبوں والے ان سے عاری ہوتے ہیں۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ (إن الرئاسة إنما هي سؤدد، و صاحبها متبوع، وليس لهم قهر في أحكامه) یعنی نسب و حسب سے جو سرداری حاصل ہوتی ہے وہ معنوی ہوتی ہے۔ سردار کی بات مانی جاتی ہے لیکن اس کے پاس اپنے احکام کو نافذ کرنے کے لیے قوت قاہرہ نہیں ہوتی۔ سردار کا سب احترام کرتے ہیں لیکن اس کی تنقید بھی کی جاتی ہے اور مواخذہ بھی۔

۳۔ غلبہ: جہاں تک عصبیت خاصہ میں سرداری کا معاملہ ہے اس کے لیے مذکورہ بالا دو شرطیں کافی ہیں یعنی نسب صریح اور شرف و حسب۔ لیکن عصبیت عامہ کی سرداری کے لیے غلبہ ضروری ہے۔ عصبیت عامہ کئی خاص عصبیتوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ان تمام خاص عصبیتوں میں سے غالب عصبیت خاصہ ہی کو سرداری حاصل ہوتی ہے۔

قبائلی سماج قریبی رشتہ یا دور کے رشتوں کی بنیاد پر بننے والی کئی جماعتوں یا گروہوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک گروہ مضبوط عصبیت کی بنیاد پر دیگر تمام گروہوں پر غالب آتا ہے اور تمام گروہ اس کے ماتحت ہو جاتے ہیں۔ اس طرح یہ ایک بڑی وحدت تشکیل دیتے ہیں۔

11.7 عصبیت اور حکومت و اقتدار (Asabiyah and Sovereignty)

ابن خلدون کے نزدیک حکومت عصبیت کی فطری غایت ہوتی ہے۔ الغاية التي تجري إليها العصبية هي الملك۔ وہ کہتا ہے کہ یہ کوئی اختیاری معاملہ نہیں ہے بلکہ طبعی طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ ایک سماجی حقیقت ہے۔ جب کوئی گروہ مضبوط عصبیت کی بنیاد پر اپنی قوم پر غلبہ حاصل کرلیتا ہے تو طبعی طور پر دوسری عصبیتوں پر جو ان سے دور ہوں، غلبہ پانا چاہتا ہے۔ اگر ان پر بھی غلبہ پالیتا ہے تو انہیں اپنے ساتھ جوڑلیتا ہے اور اس کی قوت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح غلبہ و تحکم حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی طاقت حکومت کی طاقت کے برابر ہو جاتی ہے۔ قبیلہ کو حکومت استبداد یا مظہر (حکومت کی مدد و حمایت) کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔

اگر وہ حکومت کو کمزور (زوال و انحطاط) کی حالت میں پاتا ہے اور اسے روکنے کے لیے حکومت کے اولیاء اور اہل عصبیات نہیں ہوتے تو وہ اس پر قبضہ کرلیتا ہے اور اقتدار چھین لیتا ہے اور حکومت پورے طور پر اسی کی ہو جاتی ہے۔ اسے وہ "الملك باالاستبداد" کہتا ہے۔

اگر اس کی طاقت حکومت کی طاقت کے برابر ہو جاتی ہے لیکن حکومت کمزور (زوال و انحطاط) کی حالت میں نہیں ہوتی اور صرف اسے اہل عصبیات کی مدد اور پشت پناہی کی ضرورت ہوتی ہے تو حکومت اس عصبیت کو اپنا مدد گار بنالیتی ہے۔ اسے وہ " الملك بالمظاهرة" کہتا ہے یعنی حکومت کی مدد اور حمایت کے ذریعے حکومت میں نفوذ کا نام دیتا ہے۔

جس طرح حکومت کے حصول میں عصبیت کا رول ہوتا ہے اسی طرح اس کی بقا میں بھی عصبیت کا رول ہوتا ہے۔ حکومت جب کسی قوم کے بعض گروہوں سے چھن جاتی ہے تو اسی قوم کے دوسرے گروہوں کی طرف چلی جاتی ہے جب تک ان کے اندر عصبیت باقی رہے۔

11.8 عصبیت کے فعال ہونے کے شرائط (Conditions of Assabiyyah's Dynamism)

عصبیت کے اوپر یہ بات آچکی ہے وہ پہلے ٹکراو کی قوت بنتی ہے اور اس کے بعد اقتدار کے حصول کی طالب ہوتی ہے اور بالآخر حکومت کی تاسیس کا سبب بنتی ہے۔ عصبیت اس وقت یہ رول ادا کرتی ہے جب دو شرطیں پائی جائیں۔

ا۔ عصبیت عامہ کا وجود جو کئی متفرق / خاص عصبیتوں کو اپنے اندر جمع کرلے۔

۲۔ حکومت کا کمزور / اضمحلال کی حالت میں ہونا۔

وہی عصبیت طاقتور اور فعال ہوتی ہے جو براہ راست موجودہ حکومت کے تابع فرماں نہ ہو۔ یہ عصبیت یا تو ان بدووں کی عصبیت ہوگی جو صحراؤں میں آزادانہ زندگی بسر کرتے ہیں اور کوئی ٹیکس ادا نہیں کرتے۔ یا یہ شہر والوں سے مغلوب بدووں کی عصبیت ہوگی جو سلطنت کے اضمحلال اور ضعف کی وجہ سے چین کی سانس لیتے ہیں۔

ان دونوں صورتوں میں یہ بدویوں کی عصبیت ہی ہوگی۔ اس لیے کہ یہی لوگ ہیں جو حکومت کے کنٹرول سے ایک کم یا طویل مدت کے لیے آزاد رہ سکتے ہیں۔ شہر کے لوگ ہمیشہ اقتدار کے زیر نگیں ہوتے ہیں اور حکومت ہی ان کی حمایت کرتی ہے جس کی وجہ سے ان کے اندر عصبیت کا فقدان ہوتا ہے۔ ان کے اندر عصبیت کے کچھ مظاہر اسی وقت پیدا ہوتے ہیں جب حکومت پوری طرح ختم ہو جائے اور کوئی قوی عصبیت اقتدار کی طالب نہ ہو۔ یہ ایک طرح کا تحرب ہوتا ہے جس کے ذریعے یہ لوگ ملک اصغر یا امارت حاصل تو کرسکتے ہیں لیکن اصل حکومت یا ملک اعظم حاصل نہیں کرسکتے۔

عصبیت کو مضبوط کرنے میں مذہب کا بھی اہم رول ہوتا ہے۔ بدوں کی وہ قسم جو خانہ بدوش ہوتی ہے، ان کے اندر توحش یعنی لوگوں سے دوری پائی جاتی ہے۔ وہ لوگ صحراؤں میں رہتے ہیں اور اپنی سخت طبیعت کی وجہ سے کسی کی اطاعت و فرماں برداری قبول نہیں کرتے۔ ان کا سردار بھی ان کا محتاج ہوتا ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک پر مجبور ہوتا ہے تا کہ عصبیت جو ان سب کی حفاظت و مدافعت کا ذریعہ ہے، ختم نہ ہو جائے۔ یہ تمام قوموں سے زیادہ حکومت اور اقتدار کی سیاست سے دور ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ بادشاہ یا سلطان کے پاس قوت قاہرہ ہونا ضروری ہے ورنہ اس کی حکومت نہیں چلے گی جب کہ یہ لوگ کسی کے آگے نہیں جھکتے۔ ان کی پوری زندگی انتہائی سخت کوشی سے عبارت ہوتی ہے۔

ان خانہ بدوش بدووں کی عصبیت آگے بڑھ کر اس عام عصبیت کا حصہ نہیں بنتی جس کی غایت حضری زندگی، شاہی اقتدار اور اس کے ثمرات ہوتے ہیں الا یہ کہ کسی دینی دعوت یا اصلاحی تحریک کے زیر اثر ان کے حالات تبدیل ہو جائیں۔ دینی دعوت خواہ وہ نبوت و رسالت کی شکل میں ہو یا کسی اصلاحی تحریک کی صورت میں، ان کے اندر سے سختی، تنافس، حسد وغیرہ ختم کردیتی ہے۔ دینی دعوت یا تحریک

ایک طرف اس کی باہمی منافرت اور اختلافات کو ختم کرتی ہے اور ان کے اندر تعاون کی عادت پیدا کرتی ہے اور دوسری طرف طبیعت میں موجود ظلم وعدوان کو کنٹرول کرتی ہے۔

11.9 عصبیت کے زوال یا خاتمے کے اسباب (Causes of decline of Assabiyyah)

کچھ عوامل ایسے ہیں جو عصبیت کو کمزور اور ختم کر دیتے ہیں اور اسے اپنا تاریخی کردار ادا کرنے سے روک دیتے ہیں۔ وہ رکاوٹیں جو عصبیت کو اس کی فطری غایت یعنی حکومت واقتدار تک پہنچنے سے روک دیتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ چیزیں جو ابتدا ہی میں عصبیت کو کمزور کر دیتی ہیں۔

۲۔ وہ چیزیں جو درمیانی راستے میں عصبیت کی پیش قدمی کو روک دیتی ہیں۔

پہلی قسم کی رکاوٹوں میں کمزوری و تابعداری ہے۔ اور دوسری قسم کی رکاوٹوں میں مادی آسائشوں اور نعمتوں میں انغماس ہے۔ سردار کا عصبیت سے حاصل ہونے والے فوائد سے اپنے لوگوں کو محروم کر دینا اور غلبہ و تحکم میں ان کو شریک نہ کرنا بھی عصبیت کو ختم کرنے کا باعث بنتا ہے۔

کمزوری اور تابعداری

دوسروں کے آگے کمزوری و تابعداری حکومت کے حصول میں رکاوٹ ہے۔ یہ عصبیت کو آغاز ہی میں کمزور کر دیتی ہے۔ عصبیت اسی وقت مضبوط ہوتی ہے اور حکومت کے حصول میں اپنا رول ادا کرتی ہے جب وہ کسی بھی خارجی طاقت کی تابعداری واطاعت سے آزاد ہوتی ہے۔ یہ طاقت خواہ کوئی حکومت ہو یا غالب و مستبد عصبیت۔ اور چاہے یہ تحکم اور غلبہ نفوس یعنی لوگوں پر ہو یا اموال پر جیسے ٹیکس اور تاوان کی شکل میں ہوتا ہے۔

کمزوری اور تابعداری عصبیت کی شدت کو ختم کر دیتی ہیں اور اس میں رخنہ ڈال دیتی ہیں۔ ذلت عصبیت کے فقدان کی دلیل ہے۔ ذلت کا مطلب مدافعت سے عاجزی ہے۔ جو جماعت مدافعت سے عاجز ہو جاتی ہے وہ مقاومت اور حکومت کے مطالبے سے بھی عاجز ہوتی ہے۔ جب کوئی قوم مغلوب ہو جاتی ہے اور دوسروں کے احکام کی تابع ہو جاتی ہے تو حکومت حاصل کرنا تو درکنار، اس کے وجود کا باقی رہنا بھی محال ہو جاتا ہے۔ ایسی قوم جلد ہی فنا ہو جاتی ہے۔

مادی خوشحالی کا حصول اور آسائشوں میں انغماس

پر تعیش زندگی عصبیت کو حکومت کے حصول کے راستے میں کمزور کرنے والی رکاوٹ ہے۔ قبیلہ جب اپنی عصبیت کی طاقت کے ذریعے کسی حد تک غلبہ حاصل کر لیتا ہے تو اسی کے بقدر اسے آسائشیں بھی حاصل ہوتی ہیں اور وہ دوسرے مادی طور پر خوشحال لوگوں کے ساتھ سامان عیش و عشرت سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اپنے غلبے کے ذریعے حکومت کی حمایت و پشت پناہی بھی کرتا ہے۔ اگر حکومت کی طاقت اتنی ہو کہ کوئی اس سے اقتدار چھین نہیں سکتا ہو اور نہ اس میں شریک ہو سکتا ہو تو قبیلہ اس کے اولیاء میں شامل ہو جاتا ہے اور اس سے حاصل ہونے والی نعمتوں پر قانع ہو جاتا ہے۔ وہ حکومت اور اس کے اسباب کے حصول کی تمنا نہیں کرتا۔ قبیلہ کے لوگوں کی توجہ آسائشوں

کے حصول، حکومت کے زیر سائے سکون و آرام اور ملابس اور عمارتوں میں حکومت کے طور طریقوں کی نقالی تک محدود ہوتی ہے۔ان کے اندر سے بداوت کی سختی اور شجاعت ختم ہو جاتی ہے اور عصبیت کمزور پڑ جاتی ہے۔ان کی اولاد بھی اسی طرز زندگی میں پرورش پاتی ہے اور ان کی آئندہ نسلوں میں عصبیت بالکل ختم ہو جاتی ہے اور یہ قوم فنا ہو جاتی ہے۔جب عصبیت ختم ہو جاتی ہے تو قبیلہ اپنی حفاظت و مدافعت سے قاصر ہو جاتا ہے چہ جائیکہ وہ حکومت کے حصول کی کوشش کرے۔اور دیگر قومیں اسے نگل لیتی ہیں۔عصبیت کا وجود بداوت کی سختی کے ساتھ مرتب ہے۔

سردار کا مادی فوائد میں دوسروں کو شریک نہ کرنا

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حکومت اس عصبیت عامہ کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے جو کئی عصبیتوں سے مل کر بنتی ہے۔ان عصبیتوں میں سے ایک مضبوط عصبیت تمام عصبیتوں پر غلبہ پا لیتی ہے اور انہیں اپنے ساتھ جوڑ لیتی ہے۔اس طرح وہ حکومت حاصل کر لیتی ہے۔اس غالب عصبیت کا سردار تمام ماتحت عصبیتوں کا بھی سردار قرار پاتا ہے۔اس کے نتیجے میں اس کے اندر کبر پیدا ہوتا ہے اور وہ دوسروں کو اپنے اقتدار میں شریک نہیں کرنا چاہتا۔وہ حکومت اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مادی فوائد کو اپنی ذات یا اپنے خاندان تک محدود رکھتا ہے اور دوسروں کو ان فوائد میں شریک ہونے سے روک دیتا ہے تو عصبیت ختم ہو جاتی ہے۔

11.10 عصبیت اور حضری سماج (Asabiyah and Rural Society)

اب تک کی بحث سے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ عصبیت اصلاً بدوی سماج کا مظہر ہے۔کیونکہ عصبیت در حقیقت خارجی تعدی سے قبیلے کی حفاظت کے لیے ضروری ہوتی ہے۔حضری سماج میں حکومت کی فوج اور شہر کی فصیلیں یہ کام انجام دیتی ہے۔اسی طرح عصبیت کے لیے بدوی سماج کی سختی ضروری ہے۔شہروں کی آرام دہ اور پر تعیش زندگی میں عصبیت معدوم ہو جاتی ہے۔ابن خلدون حضری سماج کی عصبیت کا ذکر کرتا ہے۔اس سے مراد در حقیقت کچھ سماجی گروہوں کی حزب بندی کا نام ہے جو بعض خاص حالات مثلاً حکومت کے زوال اور حکومت کے حصول کی سعی کرنے والی بدوی عصبیت کے معدوم ہونے کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔

11.11 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے سے آپ نے ابن کے خلدون کے تصور عصبیت کو سمجھا۔نیز قبائلی سماج میں عصبیت کی اہمیت سے واقف ہوئے۔اس کے علاوہ عصبیت جن بنیادوں پر قائم ہوتی ہے ان کے بارے میں آپ نے واقفیت حاصل کی۔اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے عصبیت خاصہ اور عصبیت عامہ کے بارے میں واقفیت حاصل کی، قبائلی سماج میں حکومتوں کے قیام اور زوال میں عصبیت کے رول کو سمجھا اور عصبیت کی فعالیت اور زوال کے وجوہ و اسباب سے واقف ہوئے۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. ابن خلدون کے تصور عصبیت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

2. قبائلی سماج میں عصبیت کی کیا اہمیت ہے؟

3. عصبیت کے فعال ہونے کے کیا شرائط ہیں؟

11.12 کلیدی الفاظ (Key Words)

وازع: وہ قوت جو انسان کی طبیعت میں موجود ظلم اور سرکشی کو روکے اور لگام دے۔ حاکم بھی ایک وازع ہے۔

عَصَبہ: اس کے معنی جماعت یا گروہ کے ہیں لیکن وہی جماعت یا گروہ عصبہ کہلاتا ہے جو کسی شخص کے قریبی رشتہ داروں پر مشتمل ہو جو اس کے ساتھ رہتے ہوں۔

عصبیت خاصہ: وہ جماعت (عصبہ) جنہیں قریبی رشتہ یا خاص نسبت آپس میں جوڑتی ہو اس کے افراد کے درمیان قائم عصبیت عصبیت خاصہ ہوتی ہے۔

عصبیت عامہ: وہ جماعتیں (عصبات) جن کا دائرہ زیادہ وسیع ہو اور جن میں ربط نسبتاً کم ہو اور جنہیں دور کا رشتہ یا نسب عام جوڑتا ہو، ان کے درمیان قائم ہونے والی عصبیت عصبیت عامہ ہوتی ہے۔

ولاء: اس کے معنی قرابت اور تابعداری کے ہیں۔ ولاء ایک ایسے تعلق کا نام ہے جو غلام کو آزاد کرنے سے بنتا ہے۔ ایسا غلام اپنے آقا کے گھر کا فرد سمجھا جاتا ہے۔

حِلف: معاہدہ۔ اسی سے لفظ حلیف نکلا ہے یعنی وہ شخص جس سے معاہدہ ہو۔ کسی قبیلے کا حلیف بننے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی دشمنوں کے مقابلے میں قبیلے کی حفاظت و دفاع میں قبیلے کے افراد ساتھ کھڑے ہو۔

11.13 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ عصبیت کی مضبوط ترین بنیاد_______کی بنیاد پر وحدت قائم ہونے والی ہے۔

(a) نسب　　(b) ولاء

(c) معاہدہ　　(d) رنگ

2۔ عصبیت کی فطری غایت_______ہوتی ہے۔

(a) سرداری　　(b) حکومت

(c) شہرت　　(d) بدلہ

3۔ عصبیت عامہ کئی_______پر مشتمل ہوتی ہے۔

(a)حکومتوں　　　(b)دیہاتوں

(c)شہروں　　　(d) عصبیتوں

4۔عصبیت خاصہ_______کی بنیاد پر بنتی ہے۔

(a)حکومت　　　(b)قبیلے

(c)نسب خاص　　　(d)نسب عام

5۔عصبہ کے لفظی معنی________کے ہیں۔

(a)جماعت　　　(b) پڑوسی

(c)دوست　　　(d)معاہدہ

6۔________عصبیت کو کمزور کرتی ہے۔

(a)جنگ　　　(b)پر تعیش زندگی

(c) سخت کوشی　　　(d)معاشی تنگ دستی

7۔دوسروں کی تابعداری عصبیت کو_______کرتی ہے۔

(a)مضبوط　　　(b) کمزور

(c)نمایاں　　　(d)آسان

8۔عصبیت_______کا خاص مظہر ہے۔

(a)شہروں　　　(b) قصبوں

(c)بدوی سماج　　　(d)حکومتوں

9۔کسی بھی دینی دعوت یا حکومت کے قیام کے لیے_______ضروری ہے۔

(a)جماعت　　　(b) اتحاد

(c)معاہدہ　　　(d)عصبیت

10۔بدوی سماج میں عصبیت________سے حفاظت کرتی ہے۔

(a)داخلی عدوان　　　(b) خارجی عدوان

(c)سخت کوشی　　　(d)غربت

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ عصبیت سے ابن خلدون کیا مراد لیتے ہیں؟

2۔ عصبیت عامہ اور عصبیت خاصہ کے بارے میں ڈالیے۔

3۔ اہل عصبیت کی سرداری کے شرائط پر روشنی ڈالیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ قبائلی سماج میں عصبیت کی اہمیت و مرکزیت پر روشنی ڈالیے۔

2۔ حکومت کے قیام اور اس کے زوال میں عصبیت کے رول پر تفصیل سے لکھیے۔

3۔ عصبیت کے فعال اور کمزور ہونے کے اسباب بیان کیجیے۔

11.14 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for further Readings)

1. عبدالرحمن بن خلدون، مقدمہ ابن خلدون (اردو ترجمہ)، مترجم: راغب رحمانی دہلوی، اعتقاد پبلشنگ ہاوس، نئی دہلی، 1987

2. Ibn Khaldun, 1967, Ibn Khaldun: The Muqadimmah – An Introduction to History, 3 vols, trans. Franz Rosenthal. London: Routledge and Kegan Paul
3. Mohammad Abdullah Enan, 2007, Ibn Khaldun: His Life and Works, Islamic Book Trust, Petaling Jaya
4. Syed Farid Alatas, "Ibn Khaldun" in George Ritzer, Jeffrey Stepnisky edited The Wiley-Blackwell Companion to Major Social Theorists, Volume I Classical Social Theorists, Wiley-Blackwell, 2011, India
5. Syed Farid Alatas, 2013, Ibn Khaldun: Makers of Islamic Civilization, Oxford University Press, Oxford
6. Syed Farid Alatas, 2014, Applying Ibn Khaldun The Recovery of a Lost Tradition in Sociology, Routledge Publications, New York
7. Syed Farid Alatas, 2006, Ibn Khaldun and Contemporary Sociology, International Sociolgy, Vol 21 (6): 782-795

اکائی 12۔ابن خلدون: سماجی تبدیلی

(Ibn Khaldun – Social Change)

اکائی کے اجزا

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 ابن خلدون اور سماجی تبدیلی

12.3 ابن خلدون کے نزدیک "ملک" اور "دولۃ" کا مفہوم

12.4 ایک خاص عصبیت سے دوسری خاص عصبیت کی طرف سلطنت کی منتقلی

12.5 سلطنت میں تبدیلی کی تین سطحیں

12.6 پہلی سطح: حکمران اشخاص کے اندر تبدیلی کے پانچ مراحل

12.7 دوسری سطح: حکمران نسلوں کے اندر عصبیت کی حالت میں تبدیلی

12.8 تیسری سطح: سلطنت میں تبدیلی کے تین بڑے مراحل

12.9 تمدن اور سماجی تبدیلی

12.10 اکتسابی نتائج

12.11 کلیدی الفاظ

12.12 نمونہ امتحانی سوالات

12.13 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں

12.0 تمہید (Introduction)

پچھلی اکائیوں میں ہم نے ابن خلدون کے نزدیک سماج دو قسموں یعنی بدوی سماج، حضری سماج کے بارے میں پڑھا اور دونوں سماجوں کی خصوصیات کے بارے میں جانا۔ ہم نے ابن خلدون کے تصور عصبیت کو بھی تفصیل سے سمجھا۔ ابن خلدون کا ایک اہم کام سماج کی تبدیلی سے متعلق ان کے افکار ہیں۔ اس اکائی میں ہم سماجی تبدیلی اور سلطنت میں تبدیلی سے متعلق ابن خلدون کے افکار کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

12.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- سماجی تبدیلی سے متعلق ابن خلدون کے افکار کو سمجھ سکیں۔
- حکمران اشخاص کے زاویے سے سلطنت میں تبدیلی کے پانچ مراحل کو بیان کر سکیں۔
- عصبیت کی حالت میں تبدیلی کے حوالے سے یہ واضح کر سکیں کہ سلطنت کی عمر تین نسلوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔
- سلطنت میں مجموعی طور پر تبدیلی کے تین بڑے مراحل اور ہر مرحلے کی خصوصیات بیان کر سکیں۔

12.2 ابن خلدون اور سماجی تبدیلی (Ibn Khaldoon and Social Change)

ابن خلدون سماج کی چکراتی تبدیلی (Cyclical Change) کا قائل ہے۔ بدوی سماج حضری سماج میں تبدیل ہوتا ہے اور ایک گروہ مضبوط عصبیت کی بنیاد پر حکومت قائم کرلیتا ہے۔ بدوی سماج کی خصوصیات ختم ہو جاتی ہیں اور عصبیت کمزور ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ گروہ فنا ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا گروہ لے لیتا ہے۔

ابن خلدون کے مطالعہ و تحقیق کا محور قبائلی سماج میں حکومتوں کی تاسیس و تشکیل اور ان کا اضمحلال و زوال تھا۔ ابن خلدون حکومتوں کے عروج وزوال میں عصبیت کو ایک اہم عامل کی حیثیت سے دیکھتا تھا۔ گزشتہ اکائیوں میں یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ ابن خلدون کے نزدیک بدوی سماج کی غایت تمدن ہوتا ہے اور عصبیت کی غایت حکومت ہوتی ہے۔ اس اکائی میں ہم یہ دیکھیں کہ کس طرح حکومت حاصل کرنے کے بعد بدوی سماج میں تبدیلیاں آتی ہیں اور کس طرح وہ تمدن اختیار کرتا ہے اور کیسے حکومت زوال پذیر ہوتی ہے۔

ابن خلدون نے سلطنت کے اندر رونما ہونے والی تبدیلی (تطورالدولة) کو اپنا موضوع بنایا ہے اور اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور سلطنت کے مختلف مراحل بیان کیے ہیں۔ لیکن اسی کے ذیل میں یہ موضوع بھی تفصیل سے زیر بحث آیا ہے کہ قبائلی سماج میں کس طرح تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ کس طرح عصبیت غلبے اور حکومت کے حصول کا سبب بنتی ہے اور سلطنت کے قیام کے بعد جب بدوی سماج کے لوگ

حضری سماج کا حصہ بنتے ہیں تو ان کے اندر کیا تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ کس طرح ان کے اندر آہستہ آہستہ عصبیت ختم ہو جاتی ہے اور بدوی زندگی کی سختی کی جگہ حضری زندگی کی نرمی لے لیتی ہیں اور وہ آسائشوں کے طلب گار ہو جاتے ہیں اور سخت کوشی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس تبدیلی کے نتیجے میں ان کی حکومت زوال کا شکار ہوتی ہے اور دوسری مضبوط عصبیت والی جماعت حکومت قائم کر لیتی ہے۔

ابن خلدون جب یہ بحث کرتا ہے کہ سلطنت کیسے قائم ہوتی ہے اور کیسے زوال پذیر ہوتی ہے تو اس سے مراد کسی غالب عصبیت کی حکومت ہوتی ہے۔ اس کے نزدیک بدوی سماج کے حضری سماج میں تبدیل ہونے کے عمل کے نتیجے میں ایک حکومت کا زوال اور اس کی جگہ دوسری حکومت کا قیام عمل میں آتا ہے۔

12.3 ابن خلدون کے نزدیک "ملک" اور "دولۃ" کا مفہوم

(The Meaning of "Mulk" and "Daulat" as per Ibn Khaldoon)

ابن خلدون کے "تطور الدولۃ" کی بحث کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھنا مفید ہوگا کہ وہ "ملک" اور "دولۃ" کی اصطلاحات سے کیا مراد لیتا ہے اور اس کی کیا قسمیں ہیں۔

ملک کا مفہوم: ابن خلدن "ملک" کا لفظ حکومت و اقتدار کے معنی میں استعمال کرتا ہے۔

ملک تام: ملک تام سے اس کی مراد وہ حکومت ہے جس میں حکمران عملی طور پر یا رسمی طور پر کسی کے تابع نہیں ہوتا مثلاً خلیفہ۔

ملک ناقص: ملک ناقص سے اس کی مراد وہ حکومت ہے جس میں حکمران اپنے اوپر کسی حاکم کے کسی نہ کسی شکل میں تابع ہوتا ہے مثلاً کسی علاقہ کے ملوک و امراء۔

دولۃ کا مفہوم: ابن خلدون جب "دولۃ" کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس سے کی مراد سلطنت ہوتی ہے یا دوسرے الفاظ میں کسی مخصوص خاندان حکومت یا اقتدار کی مدت مراد ہوتی ہے۔ یہ وہ مدت ہوتی ہے جس میں ایک ہی عصبیت کے افراد کے مابین حکومت منتقل ہوتی رہتی ہے۔

دولۃ یا بالفاظ دیگر ایک مخصوص عصبیت کی حکومت کے مکانی امتداد یا رقبے میں توسیع کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:

ا۔ دولۃ خاصۃ

۲۔ دولۃ عامۃ۔

دولۃ خاصۃ: دولۃ خاصۃ سے مراد کسی خاص علاقہ پر کسی مخصوص عصبیت کی حکومت ہوتی ہے جو اس دولت عامہ کی عملی طور پر یا رسمی طور پر تابع ہوتی ہے جس کا اقتدار کئی علاقوں پر پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ جس طرح دولۃ بویہیہ دولت عباسیہ کی تابع تھی۔

دولۃ عامۃ: دولۃ عامۃ سے مراد کسی عصبیت کی ایسی حکومت ہوتی ہے جو کسی دوسرے حکمران کی کسی بھی شکل میں تابع نہ ہو۔ جس کا اقتدار اپنے تمام زیر اثر علاقوں پر بالواقع پھیلا ہوا ہو اور اسی طرح ان بعض علاقوں پر رسمی طور پر پھیلا ہوا ہو جن میں دولت خاصہ کی حکومت ہو۔

اسی طرح دولۃ یا کسی عصبیت کی حکومت کی زمانی امتداد یا اس کی تاسیس سے لے کر فنا تک کی مدت کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:

۱۔ دولۃ شخصیۃ

۲۔ دولۃ کلیہ

دولۃ شخصیۃ: اس سے مراد غالب عصبیت کے کسی شخص کی حکمرانی کی مدت ہے مثلاً یزید کی حکومت، مامون کی حکومت

دولۃ کلیۃ: اس سے مراد کسی عصبیت (خواہ وہ عصبیت خاص ہو یا عام) کے تمام افراد کی حکومت کی پوری مدت یا بالفاظ دیگر کسی عصبیت کی کل مدت حکومت۔ مثلاً اموی حکومت (جو ایک خاص عصبیت کی حکومت تھی) یا عربوں کی حکومت خواہ اموی ہو یا عباسی یا عربوں کی عصبیت رومیوں یا فارسیوں کے مقابلے میں (جو عام عصبیت تھی)۔

ابن خلدون جب حکومت کے تاسیس اور اس کے مختلف مراحل پر بحث کرتا ہے تو اس سے ان کی مراد دولت کلیہ عامہ ہوتی ہے یعنی وہ حکومت جس میں ایک لمبی مدت کے اندر نسب یا ولاء کی بنیاد پر بننے والی عصبیت کے مختلف حکمران یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور ان کے اوپر کوئی حکمران نہیں ہوتا۔

12.4 ایک خاص عصبیت سے دوسری خاص عصبیت کی طرف سلطنت کی منتقلی

(Transfer of the Empire from one particular Assabiyyah to another one)

گزشتہ اکائی میں ہم نے جانا کہ عصبیت کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ عام عصبیت اور خاص عصبیت۔ عام عصبیت بہت ساری خاص عصبیتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ سرداری اور حکومت اسی خاص عصبیت کے حصہ میں آتی ہے جس کے اندر عصبیت مضبوط ہو اور اس مضبوط عصبیت کی بنیاد پر وہ دوسری عصبیتوں پر غلبہ حاصل کرلے۔ ابن خلدون کے نزدیک سلطنت کی تبدیلی یا سلطنت کے مراحل (تطور الدولۃ / اطوار الدولۃ) سے مراد سرداری اور حکومت کا عام عصبیت ہی کے اندر ایک خاص عصبیت سے دوسری خاص عصبیت کی طرف منتقل ہونا ہے۔ اس سے تمدن یا سماج میں کوئی بڑا خلل واقع نہیں ہوتا۔ حکومت عام عصبیت کے اندر ہی باقی رہتی ہے۔ ابن خلدون جب سطنت کی تبدیلی کے لیے 120 سال کی مدت متعین کرتے ہیں تو ان کے نزدیک یہی تبدیلی مراد ہوتی ہے۔

جب حکومت ایک بڑی عام عصبیت سے دوسری عام عصبیت کی طرف منتقل ہو جائے جن کے درمیان عصبیت کا کوئی رابطہ نہ ہو، تو اس وقت تمدن اور سماج میں بڑی تبدیلی آتی ہے۔ مثلاً رومیوں یا فارسیوں یا عربوں کی حکومت تبدیل ہو جانا۔ ابن خلدون اس طرح کی بڑی تبدیلی کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن اس کے مراحل یا مدت متعین نہیں کرتا۔

12.5 سلطنت کی تبدیلی کی تین سطحیں (Three Stages of the changes in Empire)

ابن خلدون کے نزدیک بیک وقت تین سطحوں پر سلطنت میں تبدیلی آتی ہے۔ ان تینوں سطحوں کا تعلق اس بات سے ہے کہ ابن خلدون کس زاویے سے سلطنت کو دیکھتا ہے یا وہ اس کے کون سے پہلو کا مطالعہ کرتا ہے۔ وہ سلطنت میں رونما ہونے والی تبدیلی کا مطالعہ تین

مختلف پہلوؤں سے کرتا ہے۔

۱۔ حکمران افراد کے اندر تبدیلی کے پہلو سے

۲۔ حکمران عصبیت کے اندر عصبیت کی صورتحال کے پہلو سے

۳۔ غالب عصبیت اور مغلوب عصبیتوں کے تعلقات کے حوالے سے

12.6 پہلی سطح-حکمران افراد کے اندر تبدیلی کے پانچ مراحل

(First Stage-Five Stages of Changes in the Ruler)

سلطنت میں تبدیلی ان افراد کی سطح پر آتی ہے جو یکے بعد دیگرے حکمران بنتے ہیں۔ اس سطح پر سلطنت مختلف مراحل اور حالات سے گزرتی ہے۔ ان میں سے ہر مرحلے میں حکمرانوں کے اندر ایسے اخلاق و اطوار پیدا ہو جاتے ہیں جو اس مرحلے کے موافق ہوتے ہیں۔ یہ عام طور پر پانچ مراحل ہوتے ہیں۔ یہاں سلطنت کے اندر تبدیلی سے مراد حکمران کا اپنے اہل عصبیت کے ساتھ تعلقات میں تبدیلی ہے۔

1۔ اقتدار کے حصول کا مرحلہ

یہ پچھلی حکومت کو بے دخل کر کے حکومت پر قبضے کا مرحلہ ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں حکمران اپنے قبیلے والوں کے لیے بڑائی اور عظمت و نمونہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کو کسی بھی معاملے میں الگ نہیں کرتا۔ اس لیے کہ یہی عصبیت کا تقاضا ہوتا ہے اور عصبیت ہی غلبہ کی بنیاد ہوتی ہے۔ عصبیت اس مرحلے میں اپنی اصل حالت میں باقی رہتی ہے۔

2۔ آمریت اور اہل عصبیت سے دوری کا مرحلہ

اس مرحلے میں حکمران اپنے لوگوں سے الگ ہو کر ان پر آمریت قائم کرنا چاہتا ہے اور انہیں حکومت میں حصہ داری اور شرکت سے دور کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس مرحلے میں حکمران بہت سارے حلیف اور اعوان و انصار بنانے لگتا ہے تاکہ ان کے ذریعے اپنی اہل عصبیت اور رشتہ داروں کو قابو میں رکھ سکے جو اسی کے نسب سے ہوتے ہیں اور حکومت و اقتدار میں برابر کی حصہ داری چاہتے ہیں۔ وہ حکومت اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی شوکت و عظمت کو اپنے خاندان تک محدود رکھنا چاہتا ہے۔

3۔ راحت و آسائش کا مرحلہ

یہ مرحلہ راحت و آسائش کا ہوتا ہے۔ اس میں حکمران کی پوری توجہ حکومت سے حاصل ہونے والے ان فوائد و ثمرات کی طرف ہوتی ہے جن کی طرف فطری طور پر انسان کے اندر رغبت پائی جاتی ہے۔ جیسے مال و دولت اور شہرت و ناموری کا حصول، عمارتوں اور یادگاروں کی تعمیر، ٹیکسوں کا حصول وغیرہ۔

4۔ قناعت اور صلح جوئی کا مرحلہ

یہ مرحلہ قناعت اور صلح کا ہوتا ہے جس میں حکمران جو کچھ اس کے سابقین نے حاصل کیا اس پر قانع ہوتا ہے، سابق حکمرانوں

کے نقش قدم کی پیروی کرتا ہے اور اپنے جیسے دیگر حکمرانوں کے ساتھ صلح قائم رکھتا ہے۔

5۔اسراف اور فضول خرچی کا مرحلہ

یہ مرحلہ اسراف اور فضول خرچی کا ہوتا ہے جس میں حکمران اپنی خواہشات اور تعیشات پر بے دریغ دولت خرچ کرتا ہے، اپنے حاشیہ برداروں کو خوب نوازتا ہے، اپنی مجلسوں میں دولت لٹاتا ہے اور سابق حکمرانوں کی حصولیابیوں کو برباد کرتا ہے۔ اس مرحلے میں سلطنت کو بڑھاپا لاحق ہو جاتا ہے اور اسے ایسا مرض آگھیرتا ہے جس سے خلاصی ممکن نہیں ہو پاتی یہاں تک کہ سلطنت ہی ختم ہو جاتی ہے۔

حسب میں تبدیلی

یہ پانچ مراحل ہیں جن میں سلطنت کے ان افراد کی سطح پر تبدیلی آتی ہے جو یکے بعد دیگرے حکمران بنتے ہیں۔ ان پانچ مراحل میں آنے والی تبدیلی کے ساتھ ہی حکمرانوں کے حسب یعنی خاندانی شرافت میں بھی مرحلہ بہ مرحلہ تبدیلی آتی ہے۔ حسب کی بنیاد اعلی اخلاق ہوتے ہیں۔ حسب اور اعلی اخلاقی صفات ہی کی بنیاد پر ایک شخص سرداری اور پھر حکومت کا مستحق قرار پاتا ہے۔ سرداری ہی کی طرح حکومت بھی وراثت میں منتقل ہوتی ہے۔

ابن خلدون کے نزدیک جس طرح حکومت عصبیت کی غایت ہوتی ہے اسی طرح حسب کی بھی غایت ہوتی ہے۔ جس طرح عصبیت میں فساد پیدا ہوتا ہے اسی طرح عصبیت کو مکمل کرنے والی چیز یعنی حسب میں بھی فساد پیدا ہوتا ہے۔ یہ اس وقت پیدا ہوتا جب اس کا وارث حسب یا خاندانی شرافت کا خیال رکھنے اور اس کو آگے بڑھانے کے بجائے صرف اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک ایک شخص کے وارثوں میں حسب چار پشتوں تک قائم رہتا ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک اس کی مدت 120 سال کی ہوتی ہے۔

پہلا شخص وہ ہوتا ہے جس سے حسب اور خاندانی شرافت کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ ان اعلی اخلاقی صفات کی پاسداری کرتا ہے جن کی بنیاد پر حسب قائم ہوتا ہے۔ دوسری اور تیسری پشتوں میں حسب درجہ بدرجہ کمزور ہوتا ہے اور چوتھی پشت میں عام طور پر ختم ہو جاتا ہے۔ حسب کے خاتمے کے بعد سرداری کی اہلیت کھو دینے کے باعث حکومت غالب عصبیت کے خاندان کی ایک شاخ سے منتقل ہو کر دوسری شاخ میں چلی جاتی ہے۔

12.7 دوسری سطح۔حکمران نسلوں میں عصبیت کی صورتحال میں تبدیلی

(Change in the Assabiyyah of the Rulers' Generations)

جس طرح پہلی سطح میں حکمران خاندان کے افراد کے اندر حسب اور خاندانی شرافت کا زوال سلطنت میں تبدیلی کا باعث بنتا ہے اسی طرح دوسری سطح پر عصبیت خاصہ کے اندر عصبیت کا زوال سلطنت میں تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔ حکمران جماعت کے اندر اس مرحلے میں عصبیت کی قوت ختم ہو جاتی ہے اور ضعف پیدا ہو جاتا ہے اور ان کے اندر وحدت و تعاون ختم ہو جاتا ہے تفرقہ اور ایک دوسرے سے کنارہ کشی اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ ابن خلدون یہ بتاتا ہے کہ عصبیت کی حالت میں یہ تبدیلی کیسے آتی ہے اور اس کے عوامل کیا ہیں؟

ابن خلدون کے نزدیک اس اعتبار سے سلطنت کی عمر عام طور پر تین نسلوں (120 سالوں) سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ابن خلدون کے بقول"عمر الدولة لا يعدو في الغالب ثلاثة أجيال" (سلطنت کی عمر عام طور پر تین نسلوں سے زیادہ نہیں ہوتی)۔ یہاں نسل بذات خود مراد نہیں بلکہ ہر نسل میں عصبیت کا حال مراد ہوتا ہے۔ یہاں سلطنت میں تبدیلی سے مراد یکے بعد دیگرے آنے والی حکمران نسلوں میں عصبیت کی حالت میں تبدیلی ہے۔

پہلی نسل :

یہ وہ نسل ہوتی ہے جو انقلاب لاتی ہے۔ یہ بدوی نسل ہوتی ہے جو صحراوں میں پرورش پاتی ہے اور بدوی اخلاق سے آراستہ ہوتی ہے۔ شہر میں منتقل ہونے کے باوجود ان میں بداوت کی سختی، بہادری، بڑائی وعظمت میں اپنے لوگوں کو شریک کرنے کی عادت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے عصبیت مضبوط ہوتی ہے اور لوگ ان سے خائف اور مغلوب ہوتے ہیں۔

دوسری نسل:

دوسری نسل پہلی نسل سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ یہ نسل سرداری اور حکومت کی گود میں پلتی ہے اور شہری سماج کے قلب یعنی سلطنت کے پایہ تخت میں پرورش پاتی ہے۔ اس لیے یہ بدوی زندگی کے بجائے شہری زندگی سے اور سخت کوشی اور تنگ حالی کے بجائے آسودہ حالی سے مانوس ہوتی ہے۔ اس کے اندر ضعف وانقیاد پایا جاتا ہے۔ اس میں عصبیت کمزور ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود پہلی نسل کو دیکھنے اور ان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے یہ شہری زندگی میں پوری طرح غرق ہو کر بداوت کی زندگی کو بھول نہیں جاتے۔

تیسری نسل:

اس نسل کے لوگ بداوت اور سخت کوشی کی زندگی کو بالکل بھلا دیتے ہیں اور ان کے اندر عصبیت جو قوت وغلبے کا سبب ہے، بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ یہ عیش وعشرت کے آخری درجے کو پہنچ جاتے ہیں۔ یہ اپنی مدافعت خود نہیں کر سکتے اور سلطنت کے محتاج بن جاتے ہیں۔ سلطنت کے حکمران کو انہیں چھوڑ کر دوسرے اعوان وانصار، حلیفوں اور سپاہیوں سے مدد لینی پڑتی ہے یہاں تک کہ سلطنت کچھ عرصے بعد فنا ہو جاتی ہے۔

12.8 تیسری سطح- حکمران عصبیت اور محکوم عصبیتوں کے تعلقات میں تبدیلی

(Change in Ruler's Assabiyyah and People's Assabiyyah)

سلطنت کے اندر رونما ہونے والی تبدیلی کا ایک پہلو حکمران خاندان کے اندر حسب کی تبدیلی ہے۔ اس کا دوسرا پہلو غالب عصبیت کے اندر عصبیت کی حالت میں تبدیلی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں دراصل اس حکمران جماعت کے داخلی تعلقات میں تبدیلی آتی ہے جس نے انقلاب کی قیادت کی اور حکومت حاصل کی۔ تبدیلی کے تیسرے پہلو کا تعلق غالب وحکمران عصبیت اور مغلوب ومحکوم عصبیات دونوں سے ہے۔

جب حکمران عصبیت کے داخلی تعلقات میں تبدیلی آتی ہے تو اس کے نتیجے میں سلطنت میں مجموعی طور پر تبدیلی آتی ہے۔ داخلی طور پر رونما ہونے والی تبدیلی پر اوپر بحث ہو چکی ہے۔ خارجی طور پر تبدیلی کا مطلب حکمران عصبیت اور محکوم عصبیتوں کے تعلقات میں تبدیلی ہے۔ اس لحاظ سے سلطنت تین بڑے مراحل سے گزرتی ہے۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ جس طرح افراد کی زندگی میں طبعی مراحل ہوتے ہیں اسی طرح حکومت کی زندگی میں بھی طبعی مراحل ہوتے ہیں۔ (إن الدولة لها أعمار طبيعية كما للأشخاص)۔ ابن خلدون کے نزدیک مجموعی طور پر سلطنت تین بڑے مرحلوں سے گزرتی ہے۔ ایک فرد اپنی زندگی میں جس طرح بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے مراحل سے گزرتا ہے اسی طرح سلطنت بھی بچپن (تاسیس)، جوانی (عظمت) اور بڑھاپے (کمزوری اور زوال) کے مراحل سے گزرتی ہے۔ ان مراحل میں سے ہر مرحلے کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں۔

ا۔ تاسیس و تشکیل کا مرحلہ

تاسیس و تشکیل کے مرحلے کی درج ذیل خصوصیات ہیں۔

پہلی خصوصیت: اس مرحلہ میں عصبیت اپنی پوری شان کے ساتھ باقی رہتی ہے۔ فرد کی انفرادیت پر جماعتی شناخت کا غلبہ ہوتا ہے۔ ان کا سردار اپنے آپ کو ان کا حصہ بلکہ خادم سمجھتا ہے۔ وہ کسی چیز میں ان سے الگ نہیں ہوتا کیونکہ یہی عصبیت کا تقاضا ہوتا ہے۔ عصبیت کے افراد سلطنت کے مددگار و معاون ہوتے ہیں۔ انہی کے ذریعے سلطنت اپنے دشمنوں سے مقابلے کرتی ہے۔ یہی افراد مملکت کے اعمال اور وزارت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہیں اور ٹیکس وغیرہ وصول کرتے ہیں۔ یہ حکومت میں شریک اور ساجھے دار ہوتے ہیں۔ حکومت اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی قدر و منزلت اور مال و دولت تمام اہل عصبیت کی ہوتی ہے۔ اس مرحلے میں حکمران کے حصے میں زیادہ دولت نہیں آتی۔ وہ دولت کو قبیلے والوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ جب تک شوکت و عظمت میں عصبیت کے تمام افراد شریک ہوتے ہیں اور ان سب کی تگ و دو کا مقصد ایک ہوتا ہے، ان کے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور وہ غالب ہوتے ہیں۔ اس دور میں حکومت طاقتور ہوتی ہے۔ جن علاقوں پر اس کا اقتدار ہوتا ہے وہاں اس کا حکم نافذ ہوتا ہے۔

دوسری خصوصیت: حکومت کا تعلق اپنی رعایا کے ساتھ وہی ہوتا ہے جو اس کے افراد کا ایک دوسرے کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح حکمران عصبیت کے افراد کا تعلق شرکت و ساجھے داری کا تعلق ہوتا ہے اسی طرح ان کا تعلق ان عصبیتوں کے ساتھ بھی ہوتا ہے جو اس کے زیر اقتدار ہوتے ہیں اور ان کے ماتحت علاقوں کے افراد کے ساتھ بھی نرمی اور عفو و درگزر کا تعلق ہوتا ہے۔ یہ ان صفات حمیدہ کی وجہ سے ہوتا ہے جس کی بنیاد پر حکمران عصبیت کو سرداری اور پھر حکومت کی اہلیت حاصل ہوتی ہے۔

تیسری خصوصیت: اس کا تعلق مال سے متعلق حکومت کے موقف سے ہے۔ جس اساس پر سلطنت قائم ہوتی ہے اسی سے یہ موقف طے ہوتا ہے۔ اگر یہ اساس دین ہو، تو دین صرف زکوۃ و صدقات، خراج اور جزیہ کے وصول کی اجازت دیتا ہے جس سے قلیل آمدنی ہوتی ہے۔ اگر وہ اساس جس پر سلطنت قائم ہوئی ہو صرف عصبیت ہو تو اس صورت میں بھی آمدنی کم ہو گی کیونکہ مال سے متعلق حکومت کا

موقف بدوی اخلاق مثلاً عفو و درگزر وغیرہ کے مطابق ہو گا۔

۲۔ بلندی و عظمت کا مرحلہ

اس مرحلے کی تین خصوصیات ہیں جو پہلے مرحلے کی خصوصیات کے برعکس ہیں۔ پہلے مرحلے کے آخر میں پیدا ہونے والی معاشی خوشحالی کی وجہ سے بداوت کی سختی ختم ہو جاتی ہے اور شہری سماج میں نرمی اس کی جگہ لے لیتی ہے اور حکومت اور اس سے حاصل ہونے والے ثمرات میں شرکت و ساجھے داری کی جگہ آمریت اور علحدگی لے لیتی ہیں۔ اور حکمران اپنے رشتہ داروں اور عصبیت پر بھروسہ کرنے کے بجائے اپنے اعوان وانصار اور سپاہیوں پر بھروسہ کرنے لگتا ہے۔

پہلی خصوصیت: اس مرحلے کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ بدویت سے شہریت یعنی سادہ اور بنیادی ضروریات تک محدود زندگی سے فارغ البالی اور آسودگی کی زندگی کی طرف منتقلی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ابن خلدون کہتا ہے کہ جب کسی قبیلے کو حکومت اور مال و دولت کی فراوانی حاصل ہو جاتی ہے تو اس کی آل و اولاد میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کے دوست اور حلیف بڑھ جاتے ہیں۔ ان کی نسل آسائشوں میں پرورش پانے لگتی ہے۔ وہ خیموں میں قیام کی زندگی چھوڑ کر محلوں میں سکونت اختیار کرنے لگتے ہیں۔

دوسری خصوصیت: معاشی خوشحالی اور آسودگی کے نتیجے میں شخصی مصالح اور مفادات کا ظہور ہوتا ہے۔ حکمران حکومت کی شان و شوکت میں دوسروں کو شریک کرنے کے بجائے اسے اپنے اہل خاندان تک محدود کرنے لگتے ہیں۔ اس طرح عصبیت کمزور پڑ جاتی ہے اور لوگوں کے اندر کمزوری اور ضعف پیدا ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں جنگوں اور حکومت کی توسیع کا سلسلہ رک جاتا ہے اور حکمران عصبیت کے لوگ حکومت کے فوائد بٹورنے اور سرداری کے حصول کے لیے ایک دوسرے کا قتل کرنے لگ جاتے ہیں۔ حکمران ان لوگوں پر لگام لگاتا ہے اور اسے ان کے سرداروں اور اکابر کا قتل بھی کرنا پڑتا ہے۔

حکمران یہ کام قبیلے کی بھلائی کے لیے نہیں بلکہ خود اپنی مفادات کے تحفظ کے لیے کرتا ہے۔ اس طرح وہ بھی اس کشمکش کا حصہ بن جاتا ہے اور خود اپنے اہل خاندان اور رشتہ داروں پر استبداد قائم کرنا چاہتا ہے اور انہیں ہر طرح کی شرکت سے دور کر دیتا ہے۔

تیسری خصوصیت: جب حکمران کی کشمکش خود اپنے رشتہ داروں اور اہل عصبیت کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے اور وہ انہیں ہر طرف کے عہدہ و منصب اور حکومت کے فوائد سے دور کر دیتا ہے تو وہ اس کے دشمن بن جاتے ہیں جن سے مدافعت کے لیے اسے دیگر اعوان و انصار کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ نئے لوگ حکمران کا قرب پاتے ہیں اور حکومتی عہدے اور مناصب انہیں حاصل ہوتے ہیں۔ اس مرحلے میں حکمران کو زیادہ مال و دولت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے اعوان و انصار اور اپنے سپاہیوں پر خرچ کرے اور اسی طرح اپنے حاشیہ برداروں کے ساتھ عیش و عشرت کے لیے بھی اسے زیادہ مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ زیادہ ٹیکس لگائے جاتے ہیں اور لوگوں سے دولت اکٹھا کی جاتی ہے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سلطنت اضمحلال وزوال کے مرحلے میں داخل ہو جاتی ہے۔

۳۔ بڑھاپے کا مرحلہ

سلطنت عصبیت کی اساس پر قائم ہوتی ہے اور وہ مال و دولت کے ذریعے مجد و عظمت حاصل کرتی ہے۔ حکمران جب استبداد کی

آخری حد کو پہنچتا ہے اور ٹیکس اور تاوان کو آخری حد تک بڑھا دیتا ہے تو ایک طرف عصبیت کمزور پڑ جاتی ہے اور وحدت ختم ہو جاتی ہے اور دوسری طرف لوگ تنگ آجاتے ہیں اور کام میں ان کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں سلطنت کمزور ہو جاتی ہے اور بڑھاپے کے مرحلے میں پہنچ جاتی ہے۔

سلطنت جب بڑھاپے کو پہنچ جاتی ہے تو ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ حکومت کا مطالبہ کرنے والی عصبیت موجود ہو اور وہ اس قابل ہو کہ موجودہ حکومت کا قلع قمع کر دے ورنہ حکومت کسی نہ کسی شکل میں باقی رہے گی اور اپنا دفاع کرتی رہے گی۔

12.9 تمدن اور سماجی تبدیلی (Civilization and Social Change)

ابن خلدون کہتا ہے کہ "الحضارة غاية العمران و نهايه لعمره و أنها مؤذنة بفساده"۔ حکومت اور سلطنت عصبیت کی غایت ہوتی ہے اور بدویت کی غایت تمدن (الحضارۃ) ہوتا ہے۔ جب عصبیت کی بنیاد پر کوئی قبیلہ حکومت حاصل کر لیتا ہے اور بدوی سماج کے لوگ تمدن اختیار کر لیتے ہیں تو اس کے بعد اس سماج کا زوال شروع ہو جاتا ہے اور اس کے اندر خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ سماج کی (خواہ بدوی سماج ہو یا حضری سماج، حکومت ہو یا رعایا ہو) ایک متعین عمر ہوتی ہے جس طرح انسان کی ایک متعین عمر ہوتی ہے۔ جس طرح چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد انسان کی نشو ونما رک جاتی ہے اور اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے اسی طرح تمدن بھی ہوتی ہے اس لیے یہی بدویت کی آخری حد ہوتی ہے جس کے آگے کا کوئی مرحلہ نہیں ہوتا۔

بدوی سماج کے لوگ حکومت قائم کرنے کے بعد آہستہ آہستہ بدویت کی سختی (خشونة البداوة) سے دور ہو کر تمدن کی نرمی (رقة الحضارة) اختیار کرنے لگتے ہیں۔ ابن خلدون بدویت کی سختی کی تعبیر بدوی سماج کی تمام خصوصیات کے لیے استعمال کرتا ہے اور تمدن کی نرمی کی تعبیر حضری سماج کی خصوصیات کے لیے استعمال کرتا ہے۔ بدوی سماج و حضری سماج کی خصوصیات کے بارے میں پچھلی اکائیوں میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ بدوی سماج کے لوگ بہادر، جفاکش اور اعلی اخلاقی صفات کے مالک ہوتے ہیں جبکہ حضری سماج کے لوگ بزدل، آسائش پسند اور بری عادات وخصائل میں مبتلا ہوتے ہیں۔ بدوی سماج میں لوگ ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے معاشی تگ ودو کرتے ہیں اور قناعت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ حضری سماج کے لیے لوگوں کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ ابن خلدون کے نزدیک جب کسی سماج کے لوگوں کو مادی خوشحالی اور نعمتیں میسر آتی ہیں تو وہ طبعی طور پر حضری زندگی کے رنگ ڈھنگ اور عادات واطوار اختیار کر لیتے ہیں۔ تمدن مادی عیش وعشرت کی نت نئی شکلیں ایجاد کرنے، اپنے حالات زندگی کو بہتر بنانے اور ان صنعتوں میں مہارت پیدا کرنے کا نام ہے کا جو عیش کو دوبالا کرنے کے لیے ایجاد کی گئی ہیں جیسے عمدہ کھانوں، خوب صورت ڈیزائن کے کپڑوں، عالیشان مکانات، دیدہ زیب فرشوں، خوشنما برتنوں اور دیگر تمام گھریلو سامانوں کی صنعتیں۔ بدوی زندگی سسان تکلفات سے خالی ہوتی ہے۔ جب یہ تکلفات اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہیں تو لوگ خواہشات کے بندے بن کر رہ جاتے ہیں اور یہ چیز ان کے دین اور دنیا دونوں کے لیے نقصاندہ ثابت ہوتی ہے۔

حکومت کی تاسیس کے مرحلے میں بدوی سماج کے لوگوں میں عصبیت مضبوط ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے دست وبازو ہوتے ہیں۔ لیکن جب یہی غالب عصبیت کے لوگ حکومت واقتدار حاصل کر لیتے ہیں اور حضری زندگی اور تمدن اختیار کر لیتے ہیں تو ان کے اندر ذاتی مفادات کا ظہور ہوتا ہے اور ایک دوسرے سے مسابقت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ان کی وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور ان کی سلطنت کا سقوط ہو جاتا ہے۔ یہ مارے جاتے ہیں یا بھاگنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ بالآخر یہ دوسری عصبیتوں کو جائے پناہ بناتے ہیں اور پھر انہی میں ضم ہو جاتے ہیں۔

اسی عمل کو ابن خلدون "الحضارة مفسدة للعمران" (تمدن سماج میں خرابی کا باعث بنتا ہے) کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہاں سماج میں بدوی سماج ہے جو مضبوط عصبیت کی بنیاد پر سلطنت قائم کرتا ہے جسے مجد وعظمت حاصل ہوتی ہے اور پھر بدویت کی خصوصیات کھو دینے کی وجہ سے یہ سلطنت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی جگہ دوسرا مضبوط عصبیت والا قبیلہ لے لیتا ہے اور وہ بھی انہی مراحل اور تبدیلیوں سے گزر کر زوال پذیر ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ کوئی اور قبیلہ لے لیتا ہے۔ یہ ایک چکراتی (Cyclical) عمل ہوتا ہے۔

12.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد:

آپ نے سماجی تبدیلی سے متعلق ابن خلدون کے افکار کو سمجھا۔ آپ نے یہ جانا کہ ابن خلدون جب سلطنت کے مراحل یا اس کی مدت متعین کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد خاص عصبیت کی حکومت ہوتی ہے۔ آپ نے یہ بھی جانا کہ ابن خلدون سلطنت میں تبدیلی کو مختلف زاویوں سے دیکھتا ہے۔ ابن خلدون حکمرانوں اور ان کے حسب اور اخلاق میں تبدیلی کے زاویے سے، مختلف نسلوں میں عصبیت کی صورتحال کے زاویے سے اور مجموعی طور پر غالب عصبیت اور مغلوب عصبیتوں کے زاویے سے سلطنت کی تبدیلی کا مطالعہ کرتا ہے۔ آپ نے سلطنت کی مجموعی طور پر تبدیلی کے تین بڑے مراحل اور ان میں سے ہر مرحلے کی خصوصیات کے بارے میں جانا۔ اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ نے یہ بھی سمجھا ہوگا کہ کس طرح بدوی سماج کے افراد حکومت کی تاسیس کے بعد تمدن اختیار کرتے ہیں اور بدویت کی خصوصیات چھوڑ کر حضری سماج کی خصوصیات اختیار کر لیتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کی حکومت کا سقوط ہوتا ہے اور دوسرا بدوی گروہ ان کی جگہ لے لیتا ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. ابن خلدون کے نزدیک سماجی تبدیلی کا کیا مفہوم ہے؟
2. ابن خلدون کے تصور تمدن اور سماجی تبدیلی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
3. ابن خلدون کے نزدیک "ملک" اور "دولة" کا کیا مفہوم ہے؟

12.11 کلیدی الفاظ (Key Words)

دولۃ: ابن خلدون جب "دولۃ" کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس سے مراد سلطنت ہوتی ہے یا دوسرے الفاظ میں کسی مخصوص خاندان / خاص عصبیت کی حکومت یا اقتدار کی مدت مراد ہوتی ہے۔ یہ وہ مدت ہوتی ہے جس میں ایک ہی عصبیت کے افراد کے مابین حکومت منتقل ہوتی رہتی ہے۔

دولۃ خاصۃ: دولۃ خاصۃ سے مراد کسی خاص علاقہ پر کسی مخصوص عصبیت کی حکومت ہوتی ہے جو اس دولت عامہ کی عملی طور پر یا رسمی طور پر تابع ہوتی ہے جس کا اقتدار کئی علاقوں پر پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ جس طرح دولۃ بویہیہ دولت عباسیہ کی تابع تھی۔

دولۃ عامۃ: دولۃ عامۃ سے مراد کسی عصبیت کی ایسی حکومت ہوتی ہے جو کسی دوسرے حکمران کی کسی بھی شکل میں تابع نہ ہو۔ جس کا اقتدار اپنے تمام زیر اثر علاقوں پر بالواقع پھیلا ہوا ہو اور اسی طرح ان بعض علاقوں پر رسمی طور پر پھیلا ہوا ہو جن میں دولت خاصہ کی حکومت ہو۔

دولۃ شخصیۃ: اس سے مراد غالب عصبیت کے کسی شخص کی حکمرانی کی مدت ہے مثلاً یزید کی حکومت، مامون کی حکومت

دولۃ کلیۃ: اس سے مراد کسی عصبیت (خواہ وہ عصبیت خاص ہو یا عام) کے تمام افراد کی حکومت کی پوری مدت یا بالفاظ دیگر کسی عصبیت کی کل مدت حکومت۔

12.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ ابن خلدون کے نزدیک "تطور الدولۃ" میں سے "دولۃ" مراد ایک ________ کی مدت حکومت ہے۔

(a) خاص عصبیت (b) عام عصبیت (c) حکمران شخص (d) حکمران نسل

2۔ ابن خلدون کے نزدیک سلطنت کی عمر ______ سال ہوتی ہے۔

(a) 100 (b) 110 (c) 120 (d) 90

3۔ ابن خلدون کے مطابق سلطنت کی عمر عام طور پر _____ نسلوں زیادہ نہیں ہوتی۔

(a) دو (b) تین (c) چار (d) پانچ

4۔ ابن خلدون کے مطابق حسب ایک خاندان میں _____ پشتوں پر ختم ہو جاتی ہے۔

(a) دو (b) چار (c) تین (d) پانچ

5۔ حکمران اشخاص کے اخلاق کے زاویے سے سلطنت میں تبدیلی کے ______ مراحل ہیں۔

(a) دو (b) تین (c) چار (d) پانچ

6۔ ________ مرحلے میں حکمران اپنے قبیلے والوں کے لیے اسوہ اور نمونہ ہوتا ہے۔

(a) پہلے (b) دوسرے (c) تیسرے (d) چوتھے

7۔ سلطنت کی ________ کے مرحلے میں اپنی اصل حالت میں عصبیت قائم رہتی ہے۔

(a) تاسیس وتشکیل (b) بڑائی وعظمت (c) بڑھاپے (d) زوال

8۔ حکمران اشخاص میں ________ کے پہلو سے تبدیلی آتی ہے۔

(a) نسب (b) ولاء (c) عصبیت (d) حسب

9۔ شخصی مفادات کا ظہور ________ کے مرحلے میں ہوتا ہے۔

(a) تاسیس وتشکیل (b) بڑائی وعظمت (c) زوال (d) بڑھاپے

10۔ ________ کے لوگوں میں عصبیت مضبوط ہوتی ہے۔

(a) پہلی (b) دوسری (c) تیسری (d) چوتھی

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ "سلطنت کی عمر عام طور پر تین نسلوں سے زیادہ نہیں ہوتی"۔ ابن خلدون کے اس قول کی تشریح کیجیے۔

2۔ سلطنت کی تاسیس وتشکیل کے مرحلے کی خصوصیات بیان کیجیے۔

3۔ سلطنت کی بلندی وعظمت کے مرحلے کی خصوصیات بیان کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ سماجی تبدیلی سے متعلق ابن خلدون کے افکار پر روشنی ڈالیے۔

2۔ سلطنت میں مجموعی طور پر تبدیلی کے تین بڑے مراحل پر روشنی ڈالیے۔

3۔ حکمران افراد کے اندر اخلاق وعادات کے حوالے سے حکومت کی تبدیلی کے پانچ مراحل بیان کیجیے۔

12.13 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for further Readings)

7. عبدالرحمن بن خلدون، مقدمہ ابن خلدون (اردو ترجمہ)، مترجم: راغب رحمانی دہلوی ، اعتقاد پبلشنگ ہاوس، نئی دہلی، 1987

1. Ibn Khaldun, 1967, Ibn Khaldun: The Muqadimmah – An Introduction to History, 3 vols, trans. Franz Rosenthal. London: Routledge and Kegan Paul
2. Mohammad Abdullah Enan, 2007, Ibn Khaldun: His Life and Works, Islamic Book Trust, Petaling Jaya
3. Syed Farid Alatas, "Ibn Khaldun" in George Ritzer, Jeffrey Stepnisky edited The Wiley-Blackwell Companion to Major Social Theorists, Volume I Classical Social Theorists, Wiley-Blackwell, 2011, India
4. Syed Farid Alatas, 2013, Ibn Khaldun: Makers of Islamic Civilization, Oxford University Press, Oxford

اکائی 13۔ کارل مارکس: حیات و تاریخ

(Karl Marx: Life and History)

اکائی کے اجزا

13.0	تمہید
13.1	مقاصد
13.2	کارل مارکس کی ابتدائی زندگی
13.3	مارکس پر مفکرین کے فکری اثرات
13.4	کارل مارکس کی بنیادی فکر
13.5	مارکس کی مشہور تصنیفات
13.6	مارکس کے اہم تصورات کا مختصر تعارف
13.7	اکتسابی نتائج
13.8	کلیدی الفاظ
13.9	نمونہ امتحانی سوالات
13.10	مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

13.0 تمہید (Introduction)

کارل ہنرچ مارکس (Karl Heinrich Marx) انیسویں صدی کا مشہور فلسفی، مورخ، ماہر معاشیات اور ماہر سماجیات گزرا ہے۔ اس کی پیدائش 15 مارچ 1818 میں جرمنی میں ہوئی۔ وہ ایک متوسط طبقے (Middle Class) سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے خاندان میں یہودیوں کے بڑے علماء اور ربی گزرے ہیں۔ اس کے والد ہنرچ (Heinrich) ایک متوسط درجے کے وکیل تھے جسے مذہب سے بہت زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن اپنی یہودی شناخت کی وجہ سے انہیں مختلف سطح پر تعصب کا شکار ہونا پڑا۔ وکالت کے پیشے کو باآسانی جاری رکھنے

کے لیے ہنرچ نے 1817 میں یہودیت کو چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ہنرچ کے وکالت کے پیشے میں ترقی ہوئی اور معاشی طور پر انہیں ایک خوش حال زندگی میسر ہوئی۔

اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مارکس نے بھی سیکولر تعلیم حاصل کی اور علم و فکر کی دنیا میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ اس کے افکار و خیالات کے اثرات بہت وسیع وہمہ گیر ہیں۔ شاید ہی علم کا کوئی ایسا شعبہ ہو جس میں اس کے فکری اثرات نا پائے جاتے ہوں۔ ادب، تاریخ، فلسفہ، سیاست، معیشت، سماجیات اور دیگر سماجی علوم کے شعبے میں مارکس کے گہرے فکری اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مارکس نے اپنے دوست فریڈرک اینجلس (Friedrich Engels) کے ساتھ مل کر 'دی کمیونسٹ مینیفسٹو' (The Communist Manifesto) لکھی۔ کہا جاتا ہے کہ سوشلسٹ تحریک کی اب تک کی تاریخ میں اس طرح کی کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس کے علاوہ مارکس نے 'داس کیپٹل' لکھ کر سوشلسٹ تحریک کو علمی و فکری غذا فراہم کیا۔ مارکس اور اینجلس کی تحریروں نے جس مکتبہ فکر کی بنیاد ڈالی اسے مارکسزم (Marxism) کہا جاتا ہے۔

13.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے سے آپ کو درج ذیل معلومات حاصل ہوں گی:

- کارل مارکس کی ابتدائی زندگی اور سماجی و سیاسی صورت حال کے بارے میں۔
- مارکس کی بنیادی فکر کے بارے میں۔
- مارکس پر مفکرین کے فکری اثرات کے بارے میں۔
- مارکس کی مشہور تصنیفات کے بارے میں۔
- اور مارکس کے اہم تصورات کے بارے میں۔

13.2 کارل مارکس کی ابتدائی زندگی اور سماجی احوال (Early Life of Karl Marx and Social Situation)

کارل ہنرچ مارکس (Karl Heinrich Marx) اپنے 9 بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ اس کے والد ہنرچ (Heinrich) ایک کامیاب وکیل تھے جو روشن خیال تحریک (Enlightenment Movement) سے بہت متاثر تھے۔ وہ کانٹ (Kant) اور والٹیر (Voltaire) کے افکار سے بہت متاثر تھے اور ان کے بہت بڑے مداحوں میں سے تھے۔ مارکس کی والدہ ہالینڈ (Holland) کی رہنے والی تھیں۔ مارکس کے ماں اور باپ دونوں مذہبی طور پر یہودی تھے لیکن مارکس کی پیدائش سے قبل اس کے والد نے عیسائیت قبول کر لیا تھا۔ مارکس جب چھ سال کا ہوا تو اسے بھی بپتسمہ دیا گیا۔ لیکن بچپن سے ہی اس کا رجحان مذہب کے مقابلے میں سماجی و سیاسی حالات میں

زیادہ تھا۔اس کی سوچ و فکر پر اس وقت کے حالات کا بہت گہرا اثر پڑا۔ مذہب کی بنیاد پر سماج میں موجود ظلم وناانصافی نے مارکس کو مذہب کے سماجی رول پر سوچنے کے لیے مجبور کیا اور اس کے نتیجے میں مارکس کے اندر سماج کو بدلنے کا جذبہ پیدا ہوا۔

مارکس اپنے اسکول کے زمانے سے ہی بہت ہی متحرک اور فعال طالب علم تھا۔ اس دوران مارکس کی تحریروں میں عیسائیت کی جھلک نظر آتی ہے۔ مثلاً، انسانیت کے لیے جینا اور اس کی فلاح کی خاطر خود کو قربان کر دینے کا جذبہ وغیرہ۔1835 میں مارکس نے بان (Bonn) یونیورسٹی سے بارہویں کی تعلیم مکمل کی۔ اس دوران اس نے یونانی، رومی داستان (Roman Mythology) اور آرٹ آف ہسٹری جیسے مضامین پڑھے۔مارکس طلبائی سیاست میں بہت متحرک رہتا تھا۔وہ اسکول کی غالب سیاسی کلچر کا باغی تھا جس کی وجہ سے اس کے بہت سے ساتھیوں کو گرفتار کیا گیا اور کچھ کو اسکول سے نکال دیا گیا تھا خاص طور سے اس وقت جب کچھ طلبہ نے فیڈرل ڈائٹ (Federal Diet) کے پروگرام میں ہنگامہ کرنا چاہا۔

اس کے ایک سال بعد یعنی 1836 میں مارکس نے بھی بان (Bonn) یونیوسٹی کو چھوڑ دیا اور اسی سال برلن (Berlin) یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ یہاں اس نے قانون اور فلسفہ کی پڑھائی کی۔ برلن میں قیام کے دوران اس کی ملاقات ہیگل (Hegel) کے فلسفے کو ماننے والے گروہ سے ہوئی۔ شروع میں تو مارکس کو ہیگل کے فلسفے سے بعد تھا، لیکن دھیرے دھیرے وہ ہیگل کے فلسفے سے متاثر ہوتا گیا۔ اس وقت فلسفے کی دنیا میں ہیگل کا بہت بڑا نام تھا۔ مارکس نے ہیگل کے فلسفے پر بہت موئثر تنقیدیں کی اور اپنے نظریات کی بنیاد 'تاریخی مادیت (Historical Materialism)' پر رکھی۔

1841 میں مارکس نے جینا (Jena) یونیورسٹی سے فلسفے میں ڈاکریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ لیکن اس کی اکیڈمک زندگی کا خاتمہ اس وقت ہو گیا جب برلن کے وزیر تعلیم نے اس کے متنازع افکار کی وجہ سے اسے بلیک لسٹ (Blacklist) کر دیا۔ بلیک لسٹ کیے جانے کے بعد مارکس کو 'رینیس چے زی ٹنگ (Rheinische Zeitung) نامی ایک اخبار میں لکھنے کی پیش کش کی گئی جسے اس نے فوراً قبول کر لیا۔ اپنی قابلیت کی وجہ سے اسے بہت جلد مدیر بنا دیا گیا۔مارکس اپنے مضامین میں پروسیا (Prussia) کے لوگوں کی بدحال زندگی کو بیان کرتا اور ان کے تئیں حکومت وقت کے رویے کی سخت تنقیدیں کرتا تھا۔اس کے علاوہ کسان، غریب عوام اور دوسرے تمام مزدور طبقے کی پسماندگی کو کھل کر بیان کرتا تھا۔ اپنے اس رویے کی وجہ سے وہ حکومت کی نظروں میں کھٹکنے لگا۔ نتیجتاً اسے اخبار کی ادارت سے ہٹنے پر مجبور کر دیا گیا۔

ادارت سے مستعفی ہونے کے فوراً بعد مارکس نے اپنے بچپن کی دوست 'جینی وون ویسٹ فالین' (Jenny Von Westphalen) سے شادی کر لی۔1843 میں یہ دونوں پیرس (Paris) منتقل ہوگئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پیرس علم و تحقیق اور سیاسی تحریکات کے حوالے سے پورے یوروپ کا مرکز بنا ہوا تھا۔مارکس کے لیے یہ زمین بہت سود مند ثابت ہوئی۔ چنانچہ اس نے بہت جلد وہاں کے سوشلسٹ حلقے سے تعلق رکھنے والے مفکرین اور مصنفین سے دوستانہ تعلق بنا لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے علمی ارتقا میں سب سے اہم کردار مشہور فرانسیسی فلسفی 'ہنری دے سینٹ سائمن' (Henri de Saint-Simon) کے افکار کا رہا ہے۔

مارکس نے مشہور ماہر معاشیات آدم اسمتھ (Adam Smith) اور ڈیوڈ رکارڈو (David Ricardo) کے افکار کا تنقیدی مطالعہ کیا۔ ان کے افکار کے تنقیدی جائزے کے نتیجے میں مارکس نے اپنے فلسفہ انسانیت (Humanistic Philosophy) اور معاشی نظریات (Economic Theories) کو فروغ دیا۔ پیرس میں قیام کے دوران مارکس اور فریڈرک اینجلس (Friedrich Engels) کے درمیان دوستانہ رشتہ قائم ہوا اور یہ رشتہ تادم حیات قیام رہا۔ ان دونوں کی تحریروں نے سوشلسٹ تحریک کو علمی اور فکری غذا فراہم کی۔

پیرس میں مارکس صحافت کے پیشے سے جڑا ہوا تھا۔ اپنی تحقیقی اور تنقیدی مضامین کی وجہ سے وہ حکومت وقت کی نگاہوں میں کھٹک رہا تھا۔ اپنی اسی تنقیدی مضامین کی وجہ سے اسے 1845 میں ملک بدر کر دیا گیا۔ اس کے بعد 1848 تک وہ بروسیلس میں رہا۔ یہاں مارکس کے روابط مزدوروں کی انقلابی تحریک سے قائم ہوئے۔ اس کے علاوہ بروسیلس (Brussels) میں رہتے ہوئے مارکس اور اینجلس نے دو اہم کتابیں 'دی جرمن آئیڈیالوجی' (The German Ideology) اور 'دی کمیونسٹ منیفیسٹو' (The Communist Manifesto) تصنیف کیں۔

پیرس سے نکالے جانے کے بعد مارکس نے اگست 1849 میں لندن میں سکونت اختیار کرلی اور تادم حیات یہیں مقیم رہا۔ یہاں وہ پھر سے کمیونسٹ لیگ سے وابسطہ ہو کر سخت انقلابی پالیسی کی حمایت کرتا رہا۔ مارکس کو اس بات کی امید تھی کہ ملک کے معاشی بحران کی وجہ سے انقلابی تحریک کا احیا ہو سکے گا۔ لیکن مارکس کی یہ امید پوری نا ہو سکی۔ لندن میں مارکس نے دنیا کی سب سے ترقی یافتہ سرمادارانہ معیشت کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور اس کی تنقید میں اپنی علمی و عملی جدوجہد کی رفتار میں تیزی پیدا کی۔ شروعاتی دور میں مارکس نے نپولین سوم (Napoleon III) کے اقتدار میں آنے کے اسباب کو سمجھنے کی کوشش کی جسے اس نے The Eighteenth Brumaire of Louis Bonaparte (1852) میں بیان کیا ہے۔ 1852 اور 1862 کے دوران مارکس نے نیو یارک ڈیلی ٹری بیون (New York Daily Tribune) کے لیے تقریباً تین سو مضامین لکھے۔ ان مضامین میں اس وقت کی یوروپی سماج اور وہاں کے سیاسی امور کو مختلف زاوایے سے سمجھنے کی کوشش کی گئی تھی۔

مارکس کی فکری زندگی میں اس وقت زبردست تبدیلی آئی جب وہ ہیگل (Hegel) کے فلسفے سے متعارف ہوا۔ شروع میں تو مارکس پر ہیگل کے فلسفے زیادہ اثرانداز نہیں تھے، بلکہ بہت حد تک مارکس ہیگل کے فلسفے کا مخالف تھا۔ لیکن جیسے جیسے ہیگل کے افکار سے وہ واقف ہوتا گیا، ویسے ہی وہ اس کا مداح ہوتا گیا۔

مارکس کی سیاسی زندگی بھی پر مشقت اور سخت رہی ہے۔ 1881 میں بیوی کی وفات کے بعد وہ مسلسل بیمار رہتا تھا۔ بیماری کے علاج کے لیے اس نے بہت سفر کیا لیکن بالآخر اپنی بڑی بیٹی کے انتقال کے دو مہینے بعد مارچ 1883 میں اس کا بھی انتقال ہو گیا۔

13.3 مارکس پر مفکرین کے فکری اثرات (Intellectual Influence of the Scholars on Marx)

مارکس کے افکار کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس پر بہت سے مفکرین کے اثرات ہیں۔ درج ذیل میں چند نام دئے جارہے ہیں جس سے اس بات کا علم ہو گا کہ مارکس نے جن مفکرین سے استفادہ کیا ہے ان کی فہرست کتنی لمبی اور ہمہ گیر ہے:

فلسفہ: مارکس نے فلسفے میں فریڈرک ہیگل سے استفادہ کیا اور اس کی فکر پر ہیگل کے فلسفے کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔

کلاسیکی سیاسی معیشت: کلاسیکی سیاسی معیشت کے باب میں آدم اسمتھ (Adam Smith)، ڈیوڈ رکارڈو (David Ricardo) اور جین چارلس (Jean Charles) کے افکار نے مارکس کو بہت متاثر کیا خاص طور پر لیسز فیئر (Laissez Fair) معیشت اور مزدور طبقے پر اس کے مضر اثرات کے حوالے سے چارلس کے نظریے سے مارکس متاثر تھا۔

سوشلسٹ فکر: مارکس کی سوشلسٹ فکر پر جن مفکرین کے اثرات نظر آتے ہیں وہ جین جیکس روسو (Jean Jacques Rousseau)، ہنری سینٹ سائمن (Henry Saint Simon)، پیئر جوسیف (Pierre Joseph) اور چارلس فوریئر (Charles Fourier) ہیں۔ اس کے علاوہ لوڈوگ فیورباخ (Ludwig Feuerbach)، برونو باؤر (Bruno Bauer)، فریڈرک اینجلس (Friedrich Engels) وغیرہ کے اثرات پڑے ہیں۔

13.4 کارل مارکس کی بنیادی فکر (Basic Thoughts of Karl Marx)

کارل مارکس کو آج کی تاریخ میں ان مفکرین میں شمار کیا جاتا ہے جس کے اثرات انسانی زندگی کے تمام ہی شعبے میں نظر آتے ہیں۔ مارکس کے افکار پر جس مفکر نے سب سے زیادہ اثرات ڈالا ہے، وہ ہیگل ہے۔ ہیگل کے مطابق افکار و خیالات (Ideas) انسانی تاریخ میں تبدیلی کا لازمی سبب ہیں۔ اس کے برعکس مارکس کا کہنا ہے کہ افکار و خیالات سے دنیا میں تبدیلی نہیں آتی کیوں کہ یہ تو خود ہی مادی حالات (Material Conditions) کی پیداوار ہیں۔ مادیت (Materialism) کو مارکس کی فکر میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

مارکس کے مطابق پوری انسانی تاریخ طبقاتی کشمکش کی تاریخ رہی ہے سوائے ابتدائی سماج کے جسے وہ Primitive Communism کہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ سماج میں ہمیشہ سے دو طبقات رہے ہیں۔ ایک وہ جو ذرائع پیداوار کا مالک ہوتا ہے جسے تاریخ کے ہر دور میں الگ الگ نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کبھی مالک (Master)، کبھی زمین دار (Landlord) تو کبھی بورژوا (Bourgeoisie)۔ معاشی بالادستی کی وجہ سے اس طبقے کو سیاسی، سماجی، مذہبی، تعلیمی اور دیگر تمام ہی شعبے کی بالادستی حاصل رہتی ہے۔ دوسرا طبقہ جو ذرائع پیداوار کی ملکیت سے محروم رہتا ہے اس کا بھی تاریخ کے ہر دور میں الگ الگ نام رہا ہے۔ ایک دور میں اسے غلام (Slaves) جانا جاتا تھا، تو کبھی اس طبقے کو دست بستہ غلام (Serf) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ نظام سرمایہ داری میں اسے پرولتار / طبقہ عوام (Proletariat) کہا جاتا ہے۔ یہ طبقہ بورژوا طبقے کے ماتحت ہوتا ہے۔

مارکس نے تاریخ کو چار مرحلوں (Four Stages) کے حوالے سے بیان کیا ہے:

(1) **پریمیٹیو کمیونزم (Primitive Communism)**۔ اس سماج کو انسان مساوات (Egalitarian) کا سماج کہا جاتا ہے کیوں کہ اس میں کسی بھی بنیاد پر انسانوں کی درجہ بندی نہیں تھی۔ ہر ایک کو مساوی سماجی حیثیت ملی ہوئی تھی۔ یہ اس وقت کا سماج ہے جب معیشت شکار اور غذا اکٹھا کرنے پر منحصر تھی۔

(2) **قدیم سماج (Ancient Society)**۔ اس میں انسانوں کی درجہ بندی مالک (Masters) اور غلام (Slaves) کی شکل میں ہوتی تھی۔ قدیم یونانی اور رومی سماج میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

(3) **جاگیرداری سماج (Feudal Society)**: یہ سماج زمین دار (Landlord) اور دست بستہ غلام یعنی جو کسی جاگیردار کی خدمت کا پابند ہو (Serf) پر مشتمل تھا۔

(4) **سرمایہ دار سماج (Capitalist Society)**: یہ سماج ان دو طبقات پر مشتمل ہے جنہیں بورژوا (Bourgeoisie) اور پرولتار / طبقہ عوام (Proletariat) کہا جاتا ہے۔ بورژوا طبقہ ذرائع پیداوار پر قابض رہتا ہے اور اس کے ماتحتی میں پرولتاریت محنت اور مزدوری سے مصنوعات تیار کرتا ہے۔

ان میں سے ہر مرحلہ (Stage) اگلے مرحلے کا سبب بنتا ہے۔ کیوں کہ کچھ وقت کے بعد ذرائع پیداوار اور رشتہ پیداوار میں تضاد (Contradiction) شروع ہو جاتا ہے جو نئے مرحلے کا سبب بنتا ہے۔ کارل مارکس کا ماننا ہے کہ سرمایہ دار سماج میں مزدور طبقہ اپنے حقوق کے لیے لڑے گا جس کے نتیجے میں سوشلسٹ حکومت قائم ہوگی۔ اس نظام حکومت کے تحت کمیونسٹ سماج کے قیام کے لئے راہیں ہموار کی جائیں گی۔ اس سماج میں ہر کوئی برابر ہوگا۔ ہر کوئی اپنی صلاحیت کے مطابق کام کرے گا اور اسے اس کی ضرورت کے مطابق معاوضہ یا اشیا دی جائیں گی۔

13.5 مارکس کی مشہور تصنیفات (Famous Books of Karl Marx)

مارکس کی تصنیفات آج بھی علمی حلقوں میں کافی اہمیت رکھتی ہیں اور زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس کی معنویت مزید بڑھ رہی ہے۔ ذیل میں ہم اس کی چند مشہور تصنیفات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے:

دی کمیونسٹ مینفیسٹو (The Communist Manifesto)

یہ کتاب مارکس نے اینجلس کے ساتھ تصنیف کی جو 1848 میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مصنفین نے سماج اور سیاست کے تعلق سے اپنے خیالات پیش کئے ہیں اور مارکسزم (Marxism) جسے بعد میں سوشلزم (Socialism) کا نام دیا گیا، اس کے مقاصد کی وضاحت کی ہے۔ دی کمیونسٹ مینفیسٹو (The Communist Manifesto) لکھتے وقت مارکس اور اینجلس نے اس بات کو تفصیل سے بیان کیا کہ سرمایہ دارانہ نظام مضبوط اور پائے دار بنیادوں پر نہیں ہے۔ لہٰذا سرمایہ دارانہ سماج کی وہ شکل جو اس وقت موجود ہے وہ منہدم ہو جائے گی اور اس کی جگہ پر بالآخر سوشلسٹ سماج وجود میں آئے گا۔

کیپٹل: اے کریٹیک آف پالیٹکل اکانمی (Capital: A Critique of Political Economy)

یہ کتاب سرمایہ داری کی نقد (Criticism) ہے۔ اس میں مارکس نے اشیا (Commodities)، لیبر مارکیٹ (Labour Market)، تقسیم کار (Division of Labour) اور سرمایہ کے مالکین کو نفع کی شرح کے تعلق سے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ بات ابھی تک واضح نہیں ہے کہ انگریزی زبان میں لفظ "Capitalism" کا وجود کیسے ہوا، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مارکس پہلا شخص نہیں تھا جس نے اس لفظ کو انگریزی میں استعمال کیا۔ لیکن مارکس نے اپنی تحریروں میں اس لفظ کو بہت زیادہ استعمال کیا ہے۔

اے کنٹری بیوشن ٹو دا کریٹیک آف پالیٹکل اکانمی (A Contribution to the Critique of Political Economy)

13.6 مارکس کے اہم تصورات کا مختصر تعارف (Introduction of Marx's major concepts)

بورژوا (Bourgeoisie) : لفظ "Bourgeoisie" فرانس کے اس سماجی طبقے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو معاشی اعتبار سے کافی خوشحال اور اس کو سرمایادارنہ سماج کے معاشی اور سیاسی مفادات حاصل ہوتے ہوں۔ مارکس کے فلسفے کے مطابق بورژوا وہ سماجی طبقہ ہے جو ذرائع پیداوار کا مالک ہوتا ہے۔ سماجیاتی اور سیاسی معنی میں اس اصطلاح سے مراد سرمایادارانہ سماج کا برسرِ اقتدار طبقہ ہوتا ہے۔ مارکس کہتا ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں ابتدائی دور کو اگر چھوڑ دیا جائے تو انسانوں کے مابین ہمیشہ مفادات کا تصادم اور کشمکش کی کیفیت رہی ہے۔ ہمیشہ سے ایک طبقہ ایسا رہا ہے جس کا قبضہ ذرائع پیداوار پر ہوتا ہے اور یہ طبقہ سماج کے دیگر شعبوں میں اپنی مرضی چلاتا ہے۔

پرولتاریت / طبقہ عوام (Proletariat): اس اصطلاح سے مراد کسی بھی سماج کا نچلا معاشی اور سماجی طبقہ ہے۔ قدیم رومی سماج میں وہ لوگ پرولتاریت / طبقہ عوام کہلاتے تھے جن کے پاس کھیت نہیں ہوتا تھا اور جو غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ مارکس کے مطابق یہ وہ طبقہ ہے جو وسائل پیداوار سے محروم ہو اور جو صنعتی پیداوار سے وابسطہ ہو۔ جس کی آمدنی کا واحد ذریعہ محنت اور مزدوری ہو۔ یہ طبقہ زندگی کے ہر معاملات میں بورژوا طبقے کے ماتحت ہوتا ہے۔ مارکس کا یہ بھی کہنا ہے کہ نظام سرمایاداری کی فطرت میں استحصال ہے اور ایک وقت آئے گا جب پرولتار / طبقہ عوام بورژوا طبقے کا باغی ہو جائے گا اور اس استحصالی نظام کو اکھاڑ پھینکے گا اور پھر اس کی جگہ ایک نیا فلاحی نظام کمیونزم قائم کرے گا۔

طبقہ بذاتہ (Class in itself): مارکس کا کہنا ہے کہ بورژوا طبقہ پرولتار یا طبقہ عوام کا ہمیشہ سے استحصال کرتا رہا ہے۔ اور اس استحصال کی وجہ سے ان کے اندر مختلف نوعیت کی بیزاری اور علاحدگی (Alienation) پیدا ہو گئی ہے۔ طبقہ عوام خاموشی سے ظلم و ستم برداشت کرتا رہا ہے۔ مارکس کا کہنا ہے کہ طبقہ بذاتہ (Class in itself) ایک ایسا سماجی گروہ ہے جس کے ارکان کا وسائل پیداوار سے ایک جیسا رشتہ ہو۔ یہ گروہ اپنے اوپر کئے جارہے استحصال سے ناواقف اور لاشعور ہوتا ہے۔ جب اس کے اندر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ اس کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے اور اس کے اندر بے چینی کی کیفیت پیدا ہونے لگے تو یہ گروہ طبقہ بذاتہ (Class in itself) سے کلاس فار اٹسیلف (Class for itself) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ غرض یہ کہ پرولتاریت یا طبقہ عوام اس وقت تک **طبقہ بذاتہ** رہتا ہے جب تک اس کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس کا استحصال ہو رہا ہے۔

طبقہ لذاتہ (Class for itself) : جب پرولتار کو اس بات کا احساس ہونے لگے کہ ان کی محنت اور صلاحیت کا استحصال کیا جارہا ہے اور ان کے ارکان کے مابین ہمدردی کی کیفیت پیدا ہونے لگے اور اجتماعی استحصال کی وجہ سے ان کے اندر اتحاد پیدا ہونے لگے تو اس طبقے کو **طبقہ لذاتہ (Class for itself)** کہتے ہیں۔یعنی ایسا طبقہ جو اپنے آپ کے لیے ہو۔

ذرائع پیداوار (Means of Production): سماجیات میں ذرائع پیداوار کو ان ذرائع اور ضروری آلات کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس سے مصنوعات پیدا کی جاتی ہیں یا جس کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔کسی بھی سماج میں ذرائع پیداوار میں انسان کے علاوہ تمام ہی مادی عناصر شامل ہیں جن سے مصنوعات کی پیداوار ہوتی ہے یا جن سے دوسری خدمات(Services) لی جاتی ہیں۔مثال کے طور پر مشین، مختلف قسم کے آلات و ہتھیار، آفس اور کمپیوٹر وغیرہ۔وقت کی تبدیلی سے ذرائع پیداوار میں بھی تبدیلی ہوتی ہے۔لیکن اس کے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔اس کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ وہ کون سے عناصر ہیں جن سے دولت کی پیداوار ہوتی ہے ذرائع پیداوار کہا جاتا ہے۔

رشتۂ پیداوار(Relation of Production): اس اصطلاح کو مارکس اور اینجلس نے اپنی تحریروں میں اکثر استعمال کیا ہے۔داس کیپٹل(Das Capital) میں تاریخی مادیت کی وضاحت کرتے وقت بھی اس کا استعمال کیا ہے۔جرمن آئیڈیالوجی (German Ideology) میں مارکس اور اینجلس نے اس کی تعریف بیان کی ہے۔ان کا کہنا ہے کہ کچھ سماجی رشتے ایسے ہوتے ہیں جو انسان کی خواہش پر منحصر ہوتے ہیں وہ چاہے تو اس رشتے سے جڑے اور چاہے تو نا جڑے،یعنی رشتے بنانے اور نا بنانے میں وہ آزاد اور خودمختار ہوتے ہیں۔لیکن کچھ رشتے ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے انسان کو منسلک ہونا اس کے وجود اور بقا کے لیے لازمی ہوتا ہے۔لوگ آپس میں سماجی طور پر جڑے ہوتے ہیں خواہ وا سے پسند کریں یا نا کریں۔

پیداوار کی صورت / طریقہ (Mode of Production): پیدوار کی صورت یا طریقہ مارکس کے اہم تصورات میں سے ہے۔اس سے مراد وہ طریقہ ہے جس کے مطابق اشیا کی پیداوار اور لوگوں کی خدمات حاصل کرنے کے لیے کوئی بھی سماج منظم ہوتا ہے۔اس کے دو اہم اجزا ہیں ذرائع پیداوار(Means of Production) اور رشتۂ پیداوار (Relations of Production)۔ذرائع پیداوار میں وہ تمام عناصر شامل ہیں جو اشیا کی پیداوار کے لیے ضروری ہیں۔مثلاً زمین، خام مال، تکنیکی صلاحیت، محنت، مشینی آلات اور فیکٹری وغیرہ۔اسی طرح رشتہ پیداوار میں لوگوں کے مابین رشتۂ اور ساتھ ہی ساتھ ذرائع پیداوار کی نسبت لوگوں کا تعلق شامل ہے۔یعنی لوگوں کا ذرائع پیداوار کی نسبت کس نوعیت کا تعلق ہے۔کیا وہ ذرائع پیداوار کے مالک ہیں یا محض مصنوعات کو تیار کرنا ان کی ذمہ داری ہے؟

علاحدگی(Alienation): مارکس کے یہاں یہ تصور بڑی اہمیت کا حامل ہے۔یہ اصطلاح علاحدگی، بیگانگی اور سرمایہ دارانہ نظام میں پیداوار کے عمل کے دوران بے چینی اور لاتعلقی کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کے لیے استعمال ہوتا ہے۔مارکس کے مطابق معاشی نظام ہی اس کا سبب ہے۔سماجی علاحدگی (Social Alienation) ایک وسیع تصور ہے۔یہ اقدار، سماجی معیارات، روایات اور سماجی رشتے سے افراد یا گروہ کے بے تعلقی کو بیان کرتا ہے۔مارکس کے مطابق چار قسم کی علاحدگی ہوتی ہے۔(1) انسان جو مصنوعات تیار کرتا ہے اس سے اس کو کوئی تعلق اور اپنائیت کا احساس نہیں ہوتا ہے (2) مزدور طبقہ پیداوار کے عمل سے لاتعلق اور اجنبی محسوس کرتا ہے کیوں کہ مالک کی طرف

سے جو حکم آتا ہے انہیں اس حکم کی تعمیل کرنی ہوتی ہے۔یہ اپنی تخلیق صلاحیت کا استعمال نہیں کرسکتے ہیں۔اس وجہ سے بھی ان میں بے چینی پائی جاتی ہے (3)کام کرنے والے لوگ اپنے وجود، اپنی خواہشات اور پیداوار کے پورے عمل سے ناواقف اور لا تعلق محسوس کرتے ہیں۔اس وجہ سے ان کے اندر علاحدگی کا احساس ہوتا ہے(4) علاحدگی کی چوتھی اور آخری قسم یہ ہے کہ مزدور اپنے دوسرے مزدور ساتھیوں سے علاحدگی محسوس کرنے لگتے ہیں۔کیوں کہ مزدور کم قیمت پر اپنی خدمات دینے کے لیے تیار رہتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ ایک دوسرے سے مسابقت کرتے ہیں۔اس وجہ سے وہ اپنے ساتھیوں سے دور ہونے لگتے ہیں اور ان کے اندر بے چینی کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے۔

اضافی قدر (Surplus Value): اضافی قدر کے تصور کو کارل مارکس نے استعمال کیا ہے۔اس سے مراد وہ قدر(Value) ہے جو لاگت اور مزدور طبقے کی مزدوری کی قیمت سے زائد پیدا کی جاتی ہے اور اس قدر کو سرمایہ دار طبقہ اپنے منافع کے طور پر رکھتا ہے۔یعنی اگر مزدور سے سات گھنٹے کام لیا جارہا ہے تو اس کو پانچ گھنٹے کی قیمت دینا اور باقی دو گھنٹے میں وہ جو مصنوعات (Products) تیار کرتا ہے یا جو خدمات دیتا ہے اس کی قیمت مزدور کو نا دے کر اس کا منافع سرمایہ دار طبقے کے حصے میں چلا جانا۔اسی کو اضافی قدر(Surplus Value) کہتے ہیں۔

طبقاتی جدوجہد(Class Struggle) : مارکس سماجی ڈھانچے کو اس کے بڑے طبقات اور اس کے مابین کشمکش کے حوالے سے دیکھتا ہے۔اس کے مطابق طبقاتی جدوجہد کے نتیجے میں ہی سماجی تبدیلی آتی ہے۔مارکس کا نظریہ یکجہتی اور ہم آہنگی کا نظریہ نہیں ہے۔اس کے مطابق سماجی ڈھانچے کے اندر تصادم اور کشمکش سماجی ابتری اور بدنظمی کی علامت نہیں ہے اور نا سماجی استحکام و یکجہتی قائم رکھنے میں طبقات کا کوئی مثبت رول ہے۔مارکس کا کہنا ہے کہ سماجی ڈھانچے کے اندر ہی تصادم اور کشمکش کے عناصر مضمر ہیں۔

تاریخی مادیت(Historical Materialism): سماج کے بارے میں مارکس کے نظریے کو عام طور پر تاریخی مادیت کے نظریے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔مارکس کی سماجیاتی فکر کی بنیاد مادیت (Materialism) پر ہے۔کیوں کہ مارکس کے مطابق مادی حالات یا دوسرے لفظوں میں معاشی اسباب ہی سماجی ڈھانچے، اس کی نوعیت اور اس کے ارتقا کو طے کرتے ہیں۔مارکس کا یہ تصور اس اعتبار سے تاریخی (Historical) ہے کیوں کہ مارکس نے انسانی سماج کا مرحلہ وار ارتقا کا مطالعہ کیا ہے۔اسی لیے اس کو تاریخی کہا جاتا ہے۔اسے مادیت (Materialism)اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ مارکس نے سماج کے ارتقا کی تعبیر مادی یا معاشی بنیادوں پر کی ہے۔ مادیت(Materialism) کا بنیادی مفہوم یہ کہ مادہ(Matter) یا مادی حقیقت (Material Reality) ہی ہے جو سماج میں کسی بھی طرح کی تبدیلی کی بنیاد بنتی ہے۔یعنی سماجی تبدیلی کا بنیادی عنصر مادہ ہے۔

کمیونزم (Communism): یہ ایک سماجی، سیاسی اور معاشی نظریے کا نام ہے اس کا مطلب ایسے سماج کا قیام ہے جس کی بنیاد مشترک ملکیت پر ہو اور جہاں ذاتی ملکیت کا تصور اور سماجی طبقات ناپائے جائیں۔

13.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے سے ہمیں کارل مارکس کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو سمجھنے کا موقع ملا۔ ہمیں یہ معلوم ہوسکا کہ مارکس کو اپنے افکار کی وجہ سے کتنی پریشانیاں جھیلنی پڑی۔ اپنے آزادانہ خیالات کی وجہ سے اسے اخبار کی ادارات چھوڑنی پڑی اور پھر پوری زندگی اس نے ملک بدری کی زندگی گزاری۔ اس کے علاوہ مارکس پر جن مفکرین کے اثرات پڑے ہیں، ان کے بارے میں بھی واقفیت ہوئی ہے۔ نیز مارکس کی بنیادی فکر، اس کی مشہور تصنیفات اور اہم تصورات کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. مارکس کے تصور 'طبقاتی کشمکش' سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. سرمایہ دارانہ نظام میں علاحدگی کی کیا قسمیں ہیں؟
3. تاریخی مادیت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

13.8 کلیدی الفاظ (Keywords)

بورژوا(Bourgeoisie): اس اصطلاح سے مراد سماج کا وہ طبقہ ہے جو ذرائع پیداوار (Means of Production) کا مالک ہوتا ہے۔

پرولتار / طبقہ عوام(Proletariat): اس اصطلاح سے مراد سماج کا وہ طبقہ ہے جو ذرائع پیداوار سے محروم ہوتا ہے اور وہ بورژوا طبقے کے ماتحت رہتا ہے۔ یہ طبقہ خدمات (Services) اور مزدوری کے ذریعے اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔

ذرائع پیداوار(Means of Production): اس سے مراد وہ تمام مادی عناصر ہیں جن سے مصنوعات کی پیداوار ہوتی ہے مثال کے طور پر مشین، مختلف قسم کے آلات و ہتھیار(Tools)، آفس اور کمپیوٹر وغیرہ۔ یعنی وہ تمام عناصر یا اجزا جن سے دولت کی پیداوار ہوتی ہے وہ ذرائع پیداوار کہلاتے ہیں۔

طبقاتی کشمکش(Class Struggle): مارکس کے مطابق انسانی سماج میں ہمیشہ سے دو طبقہ رہا ہے۔ ایک بورژوا اور دوسرا پرولتار / طبقہ عوام۔ ان دونوں کے مابین ہمیشہ سے کشمکش رہی ہے اور کمیونزم کے قیام تک یہ چلتی رہے گی۔ اس طبقاتی کشمکش کے نتیجے میں انقلاب آئے گا۔

13.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

(1) دی کمیونسٹ مینفیسٹو(The Communist Manifesto) کس کی تصنیف ہے؟

(a) مارکس (b) اینجلس

(c) مارکس اور اینجلس (d) ان میں سے کوئی نہیں

(2) 'تاریخی مادیت' کس کے نظریے کا اہم تصور ہے؟

(a)درکھائم (b)پارسن

(c)ویبر (d)مارکس

(3) تاریخ کے کس مرحلے میں انسانوں میں کسی بھی طرح کی درجہ بندی نہیں تھی؟

(a)پریمیٹیو کمیونزم (b)قدیم سماج)

(c)سرمایہ دار سماج (d)ان میں سے کوئی نہیں

(4) جب پرولتار کو اس بات کا احساس ہونے لگے کہ ان کی محنت اور صلاحیت کا استحصال کیا جارہا ہے تو یہ طبقہ ________ میں بدل جاتا ہے۔

(a)طبقہ بذاتہ میں (b)طبقہ لذاتہ میں

(c)طبقاتی جدوجہد میں (d)ان میں سے کوئی نہیں

(5)درج ذیل میں کس کے مطابق افکار وخیالات انسانی تاریخ میں تبدیلی کا لازمی سبب ہیں؟

(a)ہیگل کے مطابق (b)مارکس کے مطابق

(b)ویبر کے مطابق (d)پارسن کے مطابق

(6) مارکس کی فکر میں ________ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

(a)مادیت کو (b)افکار کو

(b)علم کو (d)مذہب کو

(7) درج ذیل میں سے کس کے مطابق اب تک کی انسانی تاریخ صرف اور صرف طبقاتی تصادم کی تاریخ رہی ہے؟

(a)ہیگل (b)پارسن

(c)ویبر (d)مارکس

(8) اضافی قدر(Surplus Value)کا تصور کس نے اپنے نظریے میں استعمال کیا ہے؟

(a)میکس ویبر (b)کارل مارکس

(b)امائل درکھائم (d)ہربرٹ اسپینسر

(9) 'دی جرمن آئیڈیالوجی' (The German Ideology) کس کی تصنیف ہے؟

(a)مارکس اور اینجلس (b)ویبر

(c)پارسن (d)ہیگل

(10) مارکس کے مطابق علاحدگی کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a) تین　　　　(c) دو

(b) چار　　　　(d) سات

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. مارکس کی مشہور تصنیفات کے حوالے سے ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
2. پیداوار کی صورت (Mode of Production) پر ایک مضمون لکھیے۔
3. 'علاحدگی' سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ بیان کیجیے۔
4. ۔طبقاتی کشمکش پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
5. مارکس کی فکر پر کن مفکرین کے اثرات ہیں؟ مختصراً بیان کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. مارکس کی زندگی پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔
2. مارکس کی بنیادی فکر کی تفصیل سے وضاحت کیجئے۔
3. مارکس کے اہم تصورات کی تفصیل سے وضاحت کیجیے۔

13.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books For Further Readings)

3. Haralambos & Holborn, 2018, Sociology: Themes and Perspective, Harper Collins Publishers, New Delhi.
4. Ritzer, George, 2013, Sociological Theory, McGraw Hill Education, New Delhi.
5. Giddens, Anthony & Sutton, P.W, 2017, Sociology, Atlantic Publishers & Distributors, New Delhi
6. Osborne, Richard, 2016, Sociology for Beginners, Zidane Press, London.

اکائی 14۔ تاریخی مادیت

(Historical Materialism)

اکائی کے اجزا

14.0 تمہید
14.1 مقاصد
14.2 تاریخی مادیت: ایک تعارف
14.3 مفروضات
14.4 تاریخی مادیت کا نظریہ
14.5 تاریخی مادیت کے متعلق اصطلاحات
14.6 اکتسابی نتائج
14.7 کلیدی الفاظ
14.8 نمونہ امتحانی سوالات
14.9 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں

14.0 تمہید (Introduction)

پچھلی اکائی میں کارل مارکس کی زندگی، اس وقت کی سماجی وسیاسی صورت حال اور مارکس پر مختلف مفکرین کے فکری اثرات پر تبصرہ کیا گیا۔ نیز اس کی تصنیفات کا تذکرہ اور اہم تصورات کا مختصراً تعارف کرایا گیا تھا۔ اس اکائی میں ہم تاریخی مادیت کے نظریے کو تفصیل سے جانیں گے۔ مارکس کی سماجی فکر میں یہ نظریہ کافی اہمیت کا حامل ہے۔ تاریخی مادیت مادہ اور شعور کے مابین تعلقات کے اصول و قونین کا مطالعہ کرتا ہے اور یہ مادے میں تبدیلی کی وجہ سے سماج میں آنے والی تبدیلی وارتقا کے قوانین کی کھوج کرتا ہے۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نظریے کا مقصد ان قوانین کا مطالعہ کرنا ہے جو سماج کے ارتقا اور اس کی سرگرمیوں کو منضبط کرتے ہیں۔

تاریخی مادیت کو جدلیاتی مادیت کی اصطلاح کے حوالے سے بھی بیان کیا جاتا ہے۔اس اصطلاح کو مارکس نے ہیگل کے جدلیاتی آئیڈیلزم (Dialectical Idealism) سے لیا ہے۔اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں بیان کی جائے گی۔

14.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے سے آپ کو درج ذیل معلومات حاصل ہوں گی:

- تاریخی مادیت کے تعارفی نکات اور انسانی بقا کے حوالے سے مارکس کے نقطۂ نظر کو جانیں گے
- اس نظریے کے تعلق سے مارکس کے چند مفروضات کا علم ہو گا
- اس کے مطالعے سے تاریخی مادیت کے نظریے کو تفصیل سے جان سکیں گے
- اس نظریے کے متعلق چند اہم اصطلاحات سے واقفیت حاصل ہو گی۔

14.2 تاریخی مادیت: ایک تعارف (Historical Materialism: An Introduction)

تاریخی مادیت یا تاریخ کا مادی تصور (Materialistic Conception of History) مارکس کے معاشی و سیاسی افکار کی بنیاد ہے۔اس نظریے کا ذکر سب سے پہلے مارکس نے اپنی کتاب (The German Ideology) میں کیا تھا جو اس نے انجلس کے ساتھ لکھی تھی۔یہ کتاب 1846 شائع ہوئی تھی۔دراصل یہ نظریہ ہیگل کے آئیڈیالزم (Idealism) کے فلسفے کی مخالفت میں وجود پذیر ہوا جس کی تفصیل ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔تاریخی مادیت کی وضاحت کرنے سے پہلے اس حوالے سے چند اہم نکات جو درج ذیل ہیں ان کا جاننا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

1. مارکس کا یہ ماننا تھا کہ انسان کی سب سے اہم اور بنیادی ضرورت روٹی، کپڑا اور مکان ہے اور اسے سب سے پہلے اسی کے لئے کوشش کرنی چاہئے تاکہ وہ زندگی گزار سکے۔اس کے بغیر انسان کی زندگی ممکن نہیں ہے۔لہٰذا انسان کا سب سے پہلا تاریخی عمل (Historical Act) ذرائع پیداوار کی تیاری اور اس کے حصول کا عمل ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل کر سکے۔
2. دوسرا نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو جانوروں سے الگ اور ممتاز رکھتا ہے کیونکہ جانور صرف اپنی مادی ضروریات کی تکمیل تک ہی محدود رہتا ہے جب کہ انسان کے ساتھ اس طرح کا معاملہ نہیں ہے۔
3. تیسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ انسان پیداوار کے عمل میں اپنے ماحول پر منحصر ہوتا ہے اور وہ انہیں اشیا کی پیداوار کو ترجیح دیتا ہے جو اس کی بقائے زندگی کے لئے لازمی اور ضروری ہیں۔

تاریخی مادیت کو مارکس کی سماجیاتی فکر میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔مارکس کے تمام ہی تصورات اسی کے ارد گرد گھومتے ہیں۔فریڈرک انجلس (Friedrich Engels) کے مطابق تاریخی مادیت کے نظریے کا انکشاف مارکس نے کیا ہے جبکہ مارکس کا کہنا ہے کہ تاریخ کی مادی تعبیر و تشریح کا تصور سب سے پہلے فریڈرک انجلس نے دیا۔

مارکس نے اپنی کتاب **کنٹری بیوشن ٹو دا کریٹیک آف پالیٹکل اکانمی** (Contribution to the Critique of Political Economy) میں اس کی تفصیل سے وضاحت کی ہے۔تاریخی مادیت کا نظریہ سماج کا ارتقائی تصور ہے جس کے مطابق سماج ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں آگے بڑھتا رہتا ہے جسے مارکس نے پیداوار کی صورت (Mode of Production) کا نام دیا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ سماج کی تاریخی تبدیلی میں مادی یا معاشی اسباب کا اہم رول ہے۔

مارکس کے اس نظریے کو تاریخی (Historical) اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں ارتقا کے حوالے سے سماج کا تجزیہ کیا گیا ہے۔جس طرح انسانی تاریخ آگے بڑھتی ہے ویسے ہی سماج ایک مرحلے سے آگے بڑھ کر دوسرے مرحلے میں پہنچتا ہے۔اس کے مطابق تاریخ انسان کی خود کی تخلیق کا ایک طریق ہے "History is a process of man's self-creation"۔کیونکہ رشتۂ پیداوار میں انسان کی شرکت سے ہی تاریخ کا جنم ہوتا ہے اس لئے سماج کو جاننے اور سمجھنے کے لئے تاریخ کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔اس نظریے کو مادیت (Materialistic) دو وجوہات کے بنا پر کہا جاتا ہے۔پہلی وجہ یہ ہے کہ مارکس نے اپنے تصور سماج کی بنیاد مادیت پر رکھی ہے اور اسے مادی پیداوار کے حوالے سے سمجھا جاتا ہے۔مافوق الفطری اسباب سے اس تصور کا کوئی سروکار نہیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ بدلتے ہوئے مادی حالات کو سمجھے بغیر تبدیلی کو نہیں سمجھا جاسکتا کیونکہ تبدیلی کے فہم کی بنیاد بدلتے ہوئے مادی حالات ہیں۔مارکس کا یہ تصور انسانی تاریخ کی مادی تشریح کرتا ہے۔اس کے مطابق تمام ہی سماج تاریخ کے انہیں ادوار سے گزرے ہیں اور اس کے پیچھے مادی بنیادیں کارفرما ہی ہیں۔

14.3 مفروضات (Assumptions)

تاریخی مادیت کے تصور کو تفصیل سے بیان کرنے سے پہلے اس کے پیچھے اہم مفروضات کو جاننا ضروری ہے۔ان مفروضات کو سمجھے بغیر تاریخی مادیت کو سمجھنا مشکل ہے۔یہ بات تو درست ہے کہ تاریخی مادیت کی بنیاد تاریخ کے فلسفے پر رکھی گئی ہے۔لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس کا تعلق مکمل طور پر تاریخ کے فلسفے سے ہے۔اسے انسانی ترقی کے سماجیاتی نظریے کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔یہ تجربی تحقیق کے لئے مربوط سائنسی پروگرام رکھتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے پاس سماج میں تبدیلی لانے کے لئے منصوبہ بند انقلابی پروگرام ہے۔غرض یہ کہ یہ نظریہ سائنسی تحقیق اور سماج میں تبدیلی لانے کے انقلابی منصوبے کا مجموعہ ہے۔

سماج اور انسانی فطرت کے تعلق سے مارکس کا نظریہ:

1. سماج کی حیثیت باہم منسلک اور مربوط اکائی کی ہے۔

انسانی سماج کے تعلق سے مارکس کا کہنا ہے کہ یہ باہم منسلک اور مربوط اکائی ہے۔تمام ہی سماجی گروہ، سماجی ادارے، انجمنیں، سماجی معیارات و اقدار ایک دوسرے سے جڑے اور مربوط ہیں۔اسی لئے اس نے ان کا مطالعہ علاحدہ علاحدہ نہیں کیا۔بلکہ سماج کا مطالعہ کرتے

وقت سماج سے ان کے انسلاک اور باہمی ربط کو اجاگر کیا ہے۔ مثال کے طور پر تاریخ، سیاست، مذہب، قانون اور تعلیم وغیرہ کو علاحدہ علاحدہ اداروں کی حیثیت سے اگر مطالعہ کیا جائے تو انہیں صحیح سے نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ یہ سب ادارے باہم منسلک اور مربوط ہیں۔ ان کی حقیقی تصویر جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے آپسی ربط کو سامنے رکھتے ہوئے مطالعہ کیا جائے۔

2. انسانی سماج کی فطرت میں تبدیلی ہے۔

مارکس کے مطابق سماج فطرتاً تغیر پذیر اکائی ہے جس میں تبدیلی کا طریق تسلسل کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ عام طور پر سماج میں تبدیلی اندرونی تصادم و ٹکراؤ کے نتیجے میں واقع ہوتی ہے۔ مارکس کہتا ہے کہ سماج میں ہونے والی تبدیلیوں کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ان کے اسباب و عوامل اور نتائج کے حوالے سے ایک اصول سامنے آتا ہے وہ یہ کہ سماجی تبدیلی کا ایک متعین طریقہ ہے جس کے مطابق تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ یہ دونوں مفروضات سماج کی فطرت سے متعلق ہیں۔ اب ہم انسان کی فطرت کے حوالے سے مارکس کے مفروضے پر بحث کریں گے۔

3. انسانی فطرت اور سماجی رشتے۔

تاریخی مادیت کے پیچھے ایک اور اہم مفروضہ قائم ہے جسے سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ یہ مفروضہ فرد کی عمومی فطرت اور سماج سے اس کے رشتے کے متعلق ہے۔ مارکس کہتا ہے کہ انسانی فطرت کی کوئی مستقل پہچان نہیں ہے۔ یعنی یہ اصلاً نا تو بری ہے اور نا ہی اچھی، بلکہ یہ اصلاً سخت اور طاقتور (Potential) ہے۔ اگر انسانی فطرت وہی ہے جس کی وجہ سے انسان تاریخ بناتا ہے تو ہمیں یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ وہ فطرت انسان ہی بناتا ہے۔ مزید اس کا کہنا ہے کہ انسانی فطرت انقلابی نوعیت کی ہے۔ اس کے اندر جمود نہیں ہے۔ انسانی فطرت میں یہ نہیں ہے کہ وہ محض حادثات اور واقعات کے اثرات قبول کرتی رہے بلکہ اس کے اندر یہ قوت و صلاحیت موجود ہے کہ وہ حالات کے خلاف بغاوت بھی کرے۔

انسان کا پیداوار کے عمل میں شریک ہونے سے صرف اس کی مادی ضرورت کی تکمیل ہی نہیں ہوتی، بلکہ یہ عمل فرد کو دوسرے افراد سے جوڑتا ہے۔ پیداوار کے عمل میں شریک ہونے والے افراد کا رشتہ سماجی رشتہ ہوتا ہے جو اپنے آپ میں آزاد حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی یہ افراد کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ اس رشتے سے جڑے یا نہیں۔ بلکہ یہ ان کی مجبوری ہے کیونکہ پیداوار کے عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس سے جڑے افراد کے مابین رشتے ہوں۔ مارکس کے نزدیک یہ رشتے طبقاتی نوعیت کے ہوتے ہیں جو آگے جا کر طبقاتی تصادم اور طبقاتی ٹکراؤ کا باعث بنتے ہیں۔

14.4 تاریخی مادیت کا نظریہ (Theory of Historical Materialism)

مارکس نے تاریخی یا جدلیاتی مادیت کا یہ تصور ہیگل سے لیا ہے۔ ہیگل جدلیاتی آئیڈیالزم (Dialectical Idealism) کا حامی تھا۔ اس کے مطابق انسان کی زندگی میں افکار و خیالات کی سب سے زیادہ اہمیت ہے لہٰذا انسان کی زندگی اور سماجی مظاہر میں تبدیلی افکار کی وجہ سے ہی واقع ہوتی ہے۔ جدلیاتی آئیڈیالزم کی اصطلاح کے مطابق ہر فکر و دعویٰ (Thesis) کا مخالف دعویٰ (antithesis) موجود ہوتا

ہے اور پھر ایک وقت کے بعد اصل دعویٰ یا فکر مخالف دعوے میں ضم ہو کر ایک نئے دعوے کو جنم دیتی ہے جسے Synthesis کہا جاتا ہے۔یہ طریق مسلسل ایسے ہی جاری رہتا ہے جس میں ضم ہوچکا دعویٰ یعنی Synthesis ایک وقت کے بعد اصل دعویٰ (Thesis) کی حیثیت لے لیتا ہے اور تھیسس(Thesis)، اینٹی تھیسس(antithesis)اور سنتھیسس (Synthesis)کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

جدلیاتی آئیڈیالزم کے طرز پر مارکس نے جدلیاتی مادیت کا تصور دیا۔اس کا کہنا ہے کہ کسی بھی صورت پیداوار کے عمل میں مادی ذرائع اوروسائل ہی اہم ہیں ناکہ افکار وخیالات جیسا کہ ہیگل کہتا ہے۔مادی دنیا کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنا آزاد اور خود مختار وجود رکھتا ہے اور مادی دنیا پر کسی انسانی سوچ و فکر کا اثر نہیں ہوتا۔ پچھلی اکائی میں ہم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ مارکس پر معروف ماہرین سیاسی معاشیات (Political Economists) آدم اسمتھ (Adam Smith)اور ڈیوڈ رکارڈو (David Ricardo) کے افکار کا گہرا اثر ہے۔ان دونوں مفکرین کے نزدیک محنت(Labour) ہی دولت کا بنیادی ذریعہ ہے۔ان ماہرین سیاسی معاشیات نے سرمایہ دارانہ نظام کے استحصالی فطرت کے تعلق سے جس خوف کا اظہار کیا تھا، مارکس کے افکار پر اس کے بھی اثرات دکھائی پڑتے ہیں۔ لیکن اس تعلق سے ایک چیز ہے جو مارکس کو مذکورہ بالا مفکرین سے الگ کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مارکس کے نزدیک سرمایہ داریہ نظام ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے۔

کمیونزم کے ظہور سے اس کے ظلم کا خاتمہ ہوگا۔ گو کہ مارکس سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں کا حل کمیونزم میں دیکھتا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ انسان کی بقا کے لئے لازمی ہے کہ وہ اپنی ضروری اشیا کی پیداوار میں لگا رہے۔پیداوار(Production) کے بغیر انسانی زندگی کا تصور محال ہے۔انسان کی زندگی کا یہ پہلا اور تاریخی عمل قرار دیا جاتا ہے اور پوری دنیا کے انسان اس تاریخی عمل سے گزرے ہیں۔انسان جب پیداوار کے عمل سے گزرتا ہے تو وہ لازماً دوسرے انسان کے بذریعۂ رابطہ ہی گزرتا ہے۔اس طرح ایک فرد کا تعلق دوسرے فرد سے جڑتا ہے اور یہ تاریخ کا بہت ہی اہم اور بنیادی پہلو مانا جاتا ہے۔

مارکس کے تصور تاریخی مادیت کے دو پہلو بیان کئے جاتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

1. مارکس سماج کے مادی تصور کو معاشی بنیاد (Economic Infrastructure) اور سماجی سوپر اسٹرکچر (Social Superstructure) کے حوالے سے بیان کرتا ہے۔ان دونوں اصطلاحات کو اس نے صورت پیداوار یا سماج کو سمجھنے کے لئے وضع کیا ہے۔
2. مارکس تاریخی ارتقا کو جدلیاتی طریق کے حوالے سے بیان کرتا ہے جہاں دو مخالف قوتیں ایک دوسرے سے ٹکراتی رہتی ہیں جس کے نتیجے میں نئے ڈھانچے وجود میں آتے ہیں۔جدلیات کا یہ طریق مسلسل جاری رہتا ہے۔

اس نظریے کے مطابق تمام ہی چیزیں خواہ جاندار ہوں یا غیر جاندار وہ تغیر پذیر ہیں اور ان میں تغیر و تبدیلی کی رفتار کا تعین قوانین جدلیات(Laws of dialectics) کے تحت ہوتا ہے۔مارکس کہتا ہے کہ جب بھی ذرائع پیداوار میں کوئی تبدیلی یا ترقی واقع ہوتی ہے تو یہ موجودہ رشتۂ پیداوار میں ٹکراؤ اور تصادم کا باعث بنتی ہے۔جب لوگوں کو اس ٹکراؤ کی کیفیت کا احساس ہوتا ہے تو وہ اس کو جلد

از جلد ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس کوشش کے نتیجے میں سماجی انقلاب برپا ہوتا ہے اور طبقاتی تصادم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔یعنی نئے ذرائع پیداوار کے وجود کے ساتھ نئے رشتۂ پیداوار کا وجود ہوتا ہے۔

اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ذرائع پیداوار میں تبدیلی و ترقی ہی انسانی تاریخ کے رخ کو متعین کرتی ہے اور یہ ذرائع وہ پیداواری قوتیں ہیں جن کے ذریعے زندگی کے مادی پہلوؤں کی تعیین ہوتی ہے۔مارکس کے نزدیک تاریخ مادی پیداوار کے ذرائع میں ارتقا اور اس کے نتائج کا بیان ہے۔اسی وجہ سے مارکس کے نظریۂ تاریخ کو تاریخی مادیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

14.5 تاریخی مادیت کے متعلق اصطلاحات (Terminologies Related to the Historical Materialism)

افراد پر سماجی رشتے کی فوقیت (Social Relations Above Individuals)

مارکس کہتا ہے کہ انسان کی کچھ ایسی مادی ضروریات ہیں جن کی تکمیل اس کی بقا کے لئے لازمی ہے۔اگر ان ضروریات کو پورا نہیں کیا جاتا ہے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔لہٰذا وہ انہیں ضروریات کی تکمیل کے لئے پیداوار کے عمل سے منسلک ہوتا ہے۔جب وہ اس عمل میں شریک ہوتا ہے تو اس کا رابطہ سماج کے دوسرے افراد سے ہوتا ہے کیونکہ پیداوار کے عمل میں شریک ہوئے بغیر وہ اپنی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا۔اس طرح انسان کو مجبوراً ایک متعین سماجی رشتے میں بندھنا پڑتا ہے۔افراد کے اختیار میں یہ نہیں ہے کہ وہ چاہے تو وہ سماجی رشتہ بنائے یا نہیں،بلکہ سماجی رشتے میں آنا اس کی مجبوری ہے۔

انفرا اسٹرکچر اور سوپر اسٹرکچر (Infrastructure and Superstructure)

مارکس کے مطابق ہر سماج کا انفرا اسٹرکچر اور سوپر اسٹرکچر ہوتا ہے۔اس کے نزدیک سماجی رشتے مادی حالات کے حوالے سے متعین ہوتے ہیں جسے وہ انفرا اسٹرکچر کا نام دیتا ہے۔کسی بھی سماج کی جو معاشی بنیاد ہوتی ہے وہی دراصل انفرا اسٹرکچر کی تشکیل کرتی ہے۔مادی حالات میں جس قسم کی تبدیلیاں ہوتی ہیں اسی کے مطابق سماجی رشتے میں بھی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔انفرا اسٹرکچر میں ذرائع پیداوار اور رشتۂ پیداوار آتے ہیں،جبکہ سوپر اسٹرکچر میں تعلیم،سیاست،مذہب، قانون،فنون لطیفہ،سماجی اقدار،روایات،فلسفہ اور نظریات وغیرہ شامل ہیں ۔غرض یہ کہ سوپر اسٹرکچر میں معاشی ادارے کے علاوہ تمام ہی ادارے شامل ہیں۔

ذرائع پیداوار اور رشتۂ پیداوار (Forces and Relations of Production)

وسیع معنوں میں ذرائع پیداوار سے مراد سماج کی وہ صلاحیت ہے جس کی مدد سے وہ مصنوعات کو تیار کرتا ہے۔مثال کے طور پر زمین، تکنیکی آلات، تکنیکی و سائنسی علم اور صلاحیت اور پیداوار کے دوسرے ذرائع شامل ہیں۔غرض یہ کہ وہ تمام ہی وسائل جن سے مصنوعات اور دولت کی پیداوار ہوتی ہے وہ ذرائع پیداوار میں شامل ہیں۔سماج میں بڑی تبدیلی اس وقت واقع ہوتی ہے جب ذرائع پیداوار میں تبدیلی ہوتی ہے جس کی وجہ سے رشتۂ پیداوار بھی بدل جاتا ہے اور ایک نئی صورت پیداوار کا ظہور ہوتا ہے۔ذرائع پیداوار کے حوالے

سے ہمیں یہ بات جان لینی چاہئے کہ ہر سماج میں کسی ایک چیز کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جاگیردارانہ سماج میں زمین کو مرکزیت حاصل رہی ہے۔ اسی طرح سرمایہ دارانہ سماج میں سرمائے کو ایک اہم ذریعۂ پیداوار کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

رشتۂ پیداوار (Relations of Production) کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ پہلی قسم فرد کا فرد سے رشتے کی ہے اور دوسری قسم فرد کا اشیا سے رشتے کی ہے۔

افراد کے مابین رشتے: اس سے مراد وہ باہمی رابطے اور تعلقات ہیں جو انسانوں کے درمیان پیداوار کے عمل میں شریک ہونے سے بنتے ہیں۔ پیداوار کے عمل میں لوگ الگ الگ حیثیت سے شریک ہوتے ہیں جو ان کے درمیان درجہ بندی اور طبقات کے ظہور کا باعث بنتے ہیں۔ مارکس کے مطابق سماج میں ہمیشہ دو طبقات رہے ہیں۔ ایک وہ طبقہ جو ذرائع پیداوار کا مالک ہوتا ہے اور عوام کی محنت کے استحصال سے نفع کماتا ہے۔ یہ سماج کا اعلیٰ طبقہ ہوتا ہے جسے "The Haves" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ دوسرا وہ طبقہ ہے جو پیداوار کے عمل میں کسی بھی طرح کا دخل نہیں رکھتا ہے۔ وہ صرف مزدور کی حیثیت سے اپنی محنت کو بیچتا ہے اور اپنی ضروریات کی حد تک ہی کما پاتا ہے۔ یہ سماج کا وہ طبقہ ہے جو ذرائع پیداوار سے محروم ہوتا ہے اسی لئے اسے "The have nots" کہا جاتا ہے۔ ان دونوں طبقات کے درمیان رشتے حریفانہ اور معاندانہ ہوتے ہیں اور ان کے مفادات بھی ایک دوسرے کے مخالف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ لیکن اشیا اور دیگر مصنوعات کی پیداوار کے لئے انہیں ایک ساتھ رہنا پڑتا ہے۔

مارکس کہتا ہے کہ مزدور طبقہ جسے "The have nots" کہا جاتا ہے وہ نقصان میں رہنے کے باوجود بورژوایا "The Haves" طبقے کے ساتھ تعاون کرنے پر مجبور رہتا ہے۔ اس طرح کے تعاون کو حریفانہ تعاون (The Antagonistic Cooperation) کہا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں ان دونوں طبقات کے مفادات میں ٹکراؤ کی کیفیت بڑھتی رہتی ہے۔

افراد اور اشیا کے مابین رشتے: یہ رشتے پیداوار کے عمل میں درکار اشیا کی ملکیت اور ملکیت سے محرومی کے نتیجے میں بنتے ہیں۔ وہ لوگ جو ذرائع پیداوار کے مالک ہوتے ہیں وہ ہر صورت پیداوار (Mode of Production) میں پیداوار کے پورے طریق کو کنٹرول کرتے ہیں۔ جب کہ وہ لوگ جو ذرائع پیداوار کی ملکیت نہیں رکھتے پیداوار کے طریق میں ان کا کچھ دخل نہیں ہوتا، وہ بقائے زندگی کے لئے محنت اور مزدوری کرتے ہیں۔ ان کے پاس سوائے اپنی محنت کے کچھ اور نہیں ہوتا۔ محنت کے عوض وہ چند پیسے کماتے ہیں تاکہ زندگی گزار سکیں۔ اس طرح افراد اور اشیا کے مابین رشتہ اشیا پر افراد کی ملکیت اور ملکیت سے محرومی کی نوعیت کا ہوتا ہے۔

سماجی تبدیلی (Social Change)

مارکس کے یہاں سماج کے انفراسٹرکچر کی کافی اہمیت ہے۔ وہ اس بات کی تفصیل سے وضاحت کرتا ہے کہ کس طرح سماجی طبقات کی تشکیل کے بعد سماج میں تبدیلی ممکن ہوتی ہے اور سماجی طبقات کی تشکیل میں انفراسٹرکچر کی اہمیت کو بھی بیان کیا ہے۔ اس نے سماجی تبدیلی کا ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔ اس کے مطابق دونوں طبقات کے باہمی تصادم کے نتیجے میں سماج میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ نیز اس کا یہ کہنا ہے کہ سماجی تبدیلی کا یہی ایک مستقل طریقہ ہے جس کے مطابق دنیا کے ہر سماج میں تبدیلی ہوتی ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے کہا ہے کہ ہر سماج میں تبدیلی کا یہی طریقہ رہا ہے۔ انفراسٹرکچر جو کہ ذرائع پیداوار اور رشتۂ پیداوار کا مرکب ہے، اس میں

تبدیلی صورت پیداوار میں تبدیلی کا باعث بنتی ہے اور اس طرح سے تاریخ کے ادوار بدلتے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہے گا جب تک کہ کمیونزم کا قیام نہیں ہو جاتا۔

ذرائع پیداوار اور رشتۂ پیداوار کے مابین جدلیاتی تعلق (Dialectical Relations Between the Forces and Relations of Production)

ذرائع پیداوار اور رشتۂ پیداوار کے مابین جدلیاتی تعلق ہوتا ہے۔ یعنی اس میں ہمیشہ ٹکراؤ اور تصادم کی کیفیت رہتی ہے۔ جب سماج بدلاؤ کے مقام پر رہتا ہے تو ایک طبقہ پرانے رشتۂ پیداوار سے منسلک ہوتا ہے، جب کہ دوسرا طبقہ نئے رشتۂ پیداوار سے جڑنے کی کوشش کرتا ہے جس کی وجہ سے نئے ذرائع پیداوار کے ظہور اور اس کے ارتقا میں رکاوٹ آتی ہے اور جو طبقاتی تصادم کا باعث بنتی ہے۔ مارکس کہتا ہے کہ نئے رشتۂ پیداوار سے ذرائع پیداوار میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی، بلکہ یہ افراد کو زیادہ سے زیادہ ذرائع پیدا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ طبقاتی تصادم کے حوالے سے مارکس کا یہ نظریہ بہت ہی تجریدی (Abstract) نوعیت کا مانا جاتا ہے۔

انقلاب اور تاریخ (Revolutions and History)

ذرائع پیداوار اور رشتۂ پیداوار کے مابین جدلیاتی تعلق انقلاب کے نظریے کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ تاریخ کے حوالے سے مارکس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ انقلابات کو سیاسی واقعات کے طور پر نہیں دیکھا جانا چاہئے، بلکہ وہ تاریخی سرگرمیوں کا سماجی ترجمان ہوتے ہیں۔ یعنی انقلابات سماج کے تاریخی ارتقا کے مظاہر ہیں۔ جب انقلابات کے لئے وقت اور حالات مناسب ہوتے ہیں تب ہی وہ رونما ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جاگیردارانہ سماج میں جب سرمایہ دارانہ رشتۂ پیداوار کا فروغ ہوا اور یوروپ میں یہ رشتۂ پیداوار اپنی پختگی کو پہنچ گیا تب جاکر فرانس میں انقلاب آیا۔

سماجی حقیقت اور شعور (Social Reality and Consciousness)

مارکس نے انفرااسٹرکچر اور سوپر اسٹرکچر کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ سماجی حقیقت اور شعور کے مابین فرق کو بھی بیان کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ حقیقت کی تعیین انسانی شعور کے ذریعے نہیں کی جاتی، بلکہ اس کے برعکس سماجی حقیقت انسانی شعور کو بناتے اور اس کی تعیین کرتے ہیں۔ انسانی سوچ و فکر کو اسی اعتبار سے سمجھا جانا چاہئے۔

پیداوار کی صورتیں (Modes of Production)

ذرائع پیداوار اور رشتۂ پیداوار کے علاوہ مارکس نے صورت پیداوار (Mode of Production) کی اصطلاح کو بھی استعمال کیا ہے۔ اس نے تاریخ کے مختلف مراحل کو چار صورت پیداوار کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ ایشیاٹک صورت پیداوار (Asiatic Mode of Production) جسے پریمیٹیو کمیونزم (Primitive Communism) بھی کہا جاتا ہے، قدیم صورت پیداوار (Ancient Mode of Production)، جاگیردارانہ صورت پیداوار (Feudal Mode of Production) اور سرمایہ دارانہ صورت پیداوار (Capitalistic Mode of Production)۔

ایشیائک صورت پیداوار(Asiatic Mode of Production)

یہ صورت پیداوار سادہ سماج (Simple Society) میں پایا جاتا ہے۔اس سماج میں لوگوں کی ضروریات محدود ہوا کرتی ہیں اور انسانوں میں کسی بھی طرح کی درجہ بندی نہیں ہوتی ہے۔اس صورت پیداوار کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں زمین جسے ذریعہ پیداوار کی حیثیت حاصل ہے اس کی ملکیت مشترک ہوتی ہے۔یہاں کے لوگ قرابت داری کی بنیاد پر منظم ہوتے اور اپنے سیاسی و معاشی مسائل کو حل کرتے ہیں۔ اس سماج میں کوئی طبقہ نہیں ہوتا ہے اسے (Classless Society) کہا جاتا ہے۔اس میں ذاتی ملکیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔سماج کی پوری دولت سماج کے افراد کی مشترک ملکیت مانی جاتی ہے۔

قدیم صورت پیداوار(Ancient Mode of Production)

مارکس کے مطابق تاریخ کے ہر مرحلے کا اختتام ہونا ہے۔اس لئے پریمیٹیو کمیونزم کا بھی خاتمہ ہوا اور اس کی جگہ پر مالک اور غلام پر مبنی جاگیر دارانہ صورت پیداوار کا ظہور عمل میں آیا۔جو لوگ مادی اور سیاسی اعتبار سے طاقتور تھے انہیں دوسروں پر فوقیت اور برتری حاصل تھی۔اس طرح اس سماج میں دو طبقوں کا وجود ہوا، نیز ذاتی ملکیت کا تصور بھی پیدا ہوا۔دو طبقات میں ایک طبقہ وہ تھا جسے جائیداد کی ملکیت حاصل تھی۔وہ حکمراں طبقہ تھا جسے مالک (Masters) کہا جاتا تھا اور دوسرا طبقہ وہ تھا جو جائیداد کی ملکیت سے محروم تھا،اسے غلام (Slaves) کہا جاتا تھا۔

جاگیر دارانہ صورت پیداوار(Feudal Mode of Production)

تاریخ کے اس مرحلے (Stage) میں ہم دو نئے طرح کے طبقات پاتے ہیں۔ایک طبقہ زمین دار(Landlord) کا تھا اور دوسرا طبقہ دست بستہ غلام کا تھا۔ دوسرا طبقہ جاگیر دار کی خدمت کا پابند ہوتا تھا اسے "Serf" کے نام سے جانا جاتا تھا۔زمین دار زمینوں اور کھیتوں کے مالک ہوا کرتے تھے۔کسان و مزدور ان کے کھیتوں میں کام کیا کرتے تھے۔زمین دار طبقہ مزدوروں کا استحصال کرتا اور انہیں ان کا پورا معاوضہ نہیں دیتا تھا۔اس لئے مارکس کے نزدیک یہ صورت پیداوار بھی بہت استحصالی اور ظالمانہ نوعیت کی تھی۔یہ مرحلہ بہت دن تک قائم نہ رہ سکا کیونکہ صنعتیں بہت تیزی سے وجود میں آنے لگی تھیں اس لئے مزدور طبقہ انہیں چھوڑ کر صنعتوں میں اپنی خدمات دینے لگا۔اس طرح سماج ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گیا جسے صنعتی سرمایہ داری (Industrial Capitalism) کہا جاتا ہے۔

سرمایہ دارانہ صورت پیداوار (Capitalistic Mode of Production)

مارکس تاریخ کے اس مرحلے کے بارے میں بہت فکر مند تھا اور اس کے استحصالی فطرت کو اس نے اپنی تحریروں میں کھول کھول کر بیان کیا۔اس کا کہنا ہے کہ اس صورت پیداوار میں لوگ بڑے پیمانے پر دیہی علاقوں سے شہروں کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔جو لوگ زرعی معیشت سے وابستہ تھے وہ صنعتی سرمایہ داری کی طرف تیزی سے مائل ہو رہے ہیں۔اس طرح اس سماج بھی دو نئے طبقات پیدا ہوئے ہیں۔ایک مزدور طبقہ جسے پرولتاریت(Proletariat) کہا جاتا ہے اور دوسرا مالک طبقہ جسے بورژوا(Bourgeoisie) کہا جاتا ہے۔مارکس کہتا ہے کہ یہ استحصالی نظام بھی اپنے وقت متعین پر ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد سوشلزم قائم ہو گا جہاں کوئی بھی گروہ سماجی اعتبار سے چھوٹا

اور بڑا نہیں ہو گا۔ یہ سماج مساوات کے اصول پر چلے گا۔ سوشلزم کے بعد کمیونزم آئے گا جو کہ تاریخ کا آخری مرحلہ ہے۔ اس مرحلے میں سماج اس قدر انصاف اور مساوات پر مبنی ہو گا کہ ہر کوئی اپنی قابلیت وصلاحیت کے مطابق کام کرے گا اور ہر کسی کو اس کی ضرورت کے مطابق سہولیات مہیا کی جائیں گی۔

14.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے سے ہمیں مارکس کے افکار کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں، بالخصوص اس کے تاریخی مادیت کے نظریے کو سمجھنے کا موقع ملا۔ اس نظریے سے متعلق جو مفروضات مثلاً سماج کے تمام ہی اجزا کا باہمی ربط، سماج کی تغیر پذیر حیثیت اور انسان اور اس کے سماجی رشتے وغیرہ کے بارے میں معلومات ہوئیں۔ اس کے علاوہ اس نظریے کو بیان کرنے کے لئے جن اصطلاحات کا استعمال کیا جاتا ہے اس اکائی کی مطالعے سے ہمیں انہیں بھی سمجھنے کا موقع ملا۔ ان اصطلاحات میں انفراسٹرکچر اور سوپر اسٹرکچر، ذرائع پیداوار، رشتۂ پیداوار، ذرائع پیداوار اور رشتۂ پیداوار کے مابین جدلیاتی تعلق، سماجی تبدیلی، انقلاب و تاریخ، سماجی حقیقت اور شعور اور صورت پیداوار شامل ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. ذرائع پیداوار سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. رشتۂ پیداوار کسے کہتے ہیں؟
3. پیداوار کی صورت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

14.7 کلیدی الفاظ (Key Words)

ذرائع پیداوار (Means of Production): اس سے مراد وہ تمام مادی عناصر ہیں جن سے مصنوعات کی پیداوار ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مشین، مختلف قسم کے آلات و ہتھیار (Tools)، آفس اور کمپیوٹر وغیرہ۔ یعنی وہ تمام عناصر یا اجزا جن سے دولت کی پیداوار ہوتی ہے وہ ذرائع پیداوار کہلاتے ہیں۔

انفراسٹرکچر (Infrastructure): یہ ذرائع پیداوار (Forces of Production) اور رشتۂ پیداوار (Relations of Production) کا مرکب ہے۔ بالفاظ دیگر اسے سماج کا معاشی ادارہ کہا جا سکتا ہے۔

سوپر اسٹرکچر (Superstructure): میں تعلیم، سیاست، مذہب، قانون، فنون لطیفہ، سماجی اقدار، روایات، فلسفہ اور نظریات وغیرہ شامل ہیں۔

14.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

(1) درج ذیل میں جدلیاتی آئیڈیالزم کا تصور کس مفکر نے پیش کیا؟

(a) مارکس (b) لینن (c) ہیگل (d) ویبر

(2) درج ذیل میں کس نے تاریخی مادیت کا نظریہ پیش کیا؟

(a) درکھائم (b) ویبر (c) مارکس (d) ہیگل

(3) مارکس نے انسانی تاریخ کی وضاحت کتنے مرحلوں کے حوالے سے بیان کیا ہے؟

(a) چار (b) تین (c) پانچ (d) دو

(4) مارکس کے مطابق صورت پیداوار کی کتنی شکلیں ہیں

(a) پانچ (b) تین (c) دو (d) چار

(5) مارکس کے مطابق انسانی شعور __________ کے ماتحت ہوتے ہیں۔

(a) سماجی حقیقت (b) مذہب (b) سیاست (d) ان میں سے کوئی نہیں

(6) جرمن آئیڈیالوجی (The German Ideology) کے مصنف کون ہے؟

(a) انجلس (b) مارکس (c) لینن (d) مارکس اور انجلس

(7) کنٹری بیوشن ٹو دا کریٹیک آف پالیٹکل اکانمی (Contribution to the Critique of Political Economy) کس نے لکھا؟

(a) ویبر (b) پارسن (c) ایم۔ این۔ سری نواس (d) مارکس

(8) ذرائع پیداوار اور رشتۂ پیداوار کے مرکب کو کیا کہتے ہیں؟

(a) انفرا اسٹرکچر (b) سوپر اسٹرکچر (c) صورت پیداوار (d) ان میں سے کوئی نہیں

(9) تعلیم کا شمار __________ ہوتا ہے۔

(a) سوپر اسٹرکچر میں (b) انفرا اسٹرکچر میں

(c) ذرائع پیداوار میں (d) ان میں سے کسی میں نہیں

(10) ذرائع پیداوار اور رشتۂ پیداوار کے مابین __________ ہوتا ہے۔

(a) جدلیاتی تعلق (b) تعلق باہمی

(c) معاندانہ تعلق (d) ان میں سے کوئی نہیں

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. تاریخی مادیت کے حوالے سے مارکس کے مفروضات کو بیان کیجیے۔
2. تاریخی مادیت کے حوالے کسی دو اصطلاحات کو بیان کیجیے۔
3. ایشیائٹک صورت پیداواراور جاگیر دارانہ صورت پیداوار کی وضاحت کیجیے۔
4. ذرائع پیداوار اور رشتۂ پیداوار پر ایک مختصر مضمون لکھیے۔
5. جدلیاتی مادیت اور جدلیاتی آئیڈیلزم پر ایک مضمون لکھیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. تاریخی مادیت پر ایک تفصیلی تعارفی مضمون لکھیے۔
2. تاریخی مادیت کے نظریے کی وضاحت کیجیے۔
3. چاروں صورت پیداوار (Modes of Production) کو تفصیل سے بیان کیجیے۔

14.9 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Ritzer, George, 2013, Sociological Theory, McGraw Hill Education, New Delhi.
2. Giddens, Anthony & Sutton, P.W, 2017, Sociology, Atlantic Publishers & Distributors, New Delhi
3. Coser, Lewis A, 1971, Masters of Sociological Thought: Ideas in Historical and Social Context, Harcourt Brace Jovanovich. Inc: New York.
4. Rawat, H.K, 2013, Contemporary Sociology, Prem Rawat for Publications, Jaipur
5. Abraham, Francis, 2014, Contemporary Sociology: An Introduction to Concepts and Theories, Oxford University Press, New Delhi.
6. Seema & Sangwan, Nitin, 2019, Essential Sociology, Lexis Nexis,Gurgaon,Haryana

اکائی 15۔ طبقہ اور طبقاتی جدوجہد

(Class and Class Struggle)

اکائی کے اجزا

15.0	تمہید
15.1	مقاصد
15.2	طبقہ
15.3	تاریخ کے چار مرحلے
15.4	طبقاتی جدوجہد
15.5	طبقاتی جدوجہد کے نظریے پر تنقید
15.6	اکتسابی نتائج
15.7	کلیدی الفاظ
15.8	نمونہ امتحانی سوالات
15.9	مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں

15.0 تمہید (Introduction)

پچھلی دو اکائیوں میں ہم نے کارل مارکس کی زندگی، اس کی بنیادی فکر، اس کی مشہور تصنیفات اور اہم تصورات کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ ان تصورات میں سے تاریخی مادیت (Historical Materialism) پر پچھلی دوسری اکائی میں تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس اکائی میں ہم مارکس کے ایک اہم تصور طبقہ (Class) کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

مارکس کے مطابق انسانی تاریخ طبقاتی جدوجہد اور کشمکش کی تاریخ ہے۔ اس کے مطابق ابتدائی سماج (Primitive Society) کے علاوہ تاریخ کے ہر دور میں سماج دو طبقات میں منقسم رہا ہے اور آج کا سماج بھی دو طبقوں پر مشتمل ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے جو ذرائع

پیداوار (Means of Production) کا مالک ہوتا ہے۔ یہ طبقہ اپنی اسی ملکیت کی وجہ سے لوگوں پر حکومت کرتا ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو ذرائع پیداوار سے محروم ہوتا ہے اوراپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے مالک طبقے کے لئے کام کرتا ہے اور اس کے زیر اثر رہتا ہے۔

مارکس کے مطابق ہر تاریخی دور میں ایک وقت آتا ہے کہ جب محروم طبقہ مالک طبقے کے خلاف کھڑا ہوتا ہے اور اسے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ نتیجے کے طور پر ایک دوسرا پیداواری نظام مستحکم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ بھی وہی تاریخ دہرائی جاتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ بھی وہی ہوگا اور بلاآخر ایک وقت آئے گا کہ ایک بار پھر سے غیر طبقاتی سماج کا قیام ہوگا جسے وہ کمیونزم کہتا ہے۔

15.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے سے طالب علم کو درج ذیل معلومات حاصل ہوں گی۔

- طبقہ کے سماجیاتی معنی، مارکس نے طبقے کو کس معنی میں استعمال کیا ہے۔ اس کے علاوہ بنڈکس اور لپسٹ (Bendix and Lipset) نے مارکس کے مطابق طبقے کے لیے جن پانچ نکات کو ناگزیر قرار دیا ہے اس سے بھی واقفیت ہوگی۔
- تاریخ کے مختلف مراحل کے تعلق سے مارکس کے افکار کو جانیں گے۔
- طبقہ بذاتہ، طبقہ لذاتہ، طبقاتی جدوجہد اور طبقاتی جدوجہد کے مختلف اجزا کے بارے میں معلومات ہوگی۔
- کمیونسٹ انقلاب کے مختلف مراحل اور سرمایہ دارانہ نظام میں طبقاتی جدوجہد کے نتیجے میں پرولتاریت طبقے کی ڈکٹیٹر شپ کے قیام کے بارے میں معلومات حاصل ہوگی۔

15.2 طبقہ (Class)

کارل مارکس کی فکر میں کلاس یعنی طبقہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ طبقہ تنظیم کی بنیادی اکائی ہے اور سماج ہمیشہ سے دو مخالف طبقات میں منقسم رہا ہے۔ مارکس کا کہنا ہے کہ انسان جس سماج میں پیدا ہوتا ہے وہاں رشتہ دولت (Property Relations) پہلے سے ہی متعین ہوتا ہے۔ جس طرح انسان کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ یہ طے کرے کہ اس کا باپ کون ہوگا اسی طرح اس کی استطاعت میں یہ نہیں ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ اس کا طبقہ کون ہوگا۔ مارکس اپنی مشہور کتاب داس کیپیٹل (Das Capital,1867) میں لکھتا ہے کہ طبقہ رشتۂ پیداوار (Relations of Production) کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے سماج میں مختلف حیثیتیں جنم لیتی ہیں۔

مارکس کے مطابق طبقے (Class) سے مراد لوگوں کا وہ گروہ ہے جو پیداوار کے عمل (Process) میں ایک ہی طرح کا کام انجام دے۔ یعنی طبقے کی دو بنیادی اجزا ہیں۔ پہلا لوگوں کا مجموعہ ہونا (Aggregate of People) اور دوسرا پیداوار کے عمل میں ایک جیسے کام (Same Function) کی انجام دہی۔ کلاس یعنی طبقے کا تعین انسان کے پیشے یا آمدنی سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ اس کی حیثیت اور پیداوار کے عمل میں اس رول سے طے پاتا ہے۔ مثال کے طور پر دو بڑھئی ہیں۔ ان میں سے ایک دکان کا مالک ہے اور دوسرا اسی دکان

پر اجرت پر کام کرتا ہے۔ اگرچہ ان دونوں کا پیشہ ایک ہی ہے لیکن یہ دونوں دو مختلف طبقات سے تعلق رکھتے ہیں چونکہ پیداوار کے عمل میں ان دونوں کا تعلق ایک دوسرے سے مختلف نوعیت کا ہے۔ ایک مالک ہے تو دوسرا مزدور۔

بنڈکس اور لپسٹ (Bendix and Lipset) کا کہنا ہے کہ مارکس کے مطابق کسی بھی طبقے کے لیے درج ذیل پانچ نکات کا ہونا ضروری ہے:

1. طبقات کے مابین معاشی معاوضے (Economic Rewards) کی تقسیم پر تصادم اور کشمکش کا پایا جانا۔
2. ایک ہی طبقے کے افراد کے درمیان خبروں کی با آسانی ترسیل تاکہ افراد افکار و نظریات سے واقف ہوتے رہیں اور اسی کے مطابق مستقبل کا لائحہ عمل تیار کر سکیں۔
3. لوگوں کے اندر ایک طبقے سے تعلق رکھنے کا شعور موجود ہونا اور اس شعور کا اس طرح بڑھنا کہ ان کے اندر باہمی یکجہتی اور اتحاد پیدا ہو جائے اور طبقے کے تمام ہی افراد اپنی تاریخی کردار سے بخوبی واقف ہو سکیں۔
4. معاشی ڈھانچے پر اپنا قبضہ نا ہونے کی وجہ سے نچلے طبقے میں بے چینی کا پیدا ہونا اور انہیں اس بات کا احساس ہو جانا کہ ان کا استحصال کیا جا رہا ہے۔
5. معاشی ڈھانچے کی وجہ سے ہو رہے استحصال کے نتیجے میں ایک سیاسی تنظیم کے قیام کی کوشش کرنا۔ یہ مرحلہ طبقاتی شعور میں بالیدگی (Maturation) کا مرحلہ ہوتا ہے۔

مارکس کا کہنا ہے کہ کسی بھی انسانی گروہ کو طبقہ بننے کے لیے محض پیداوار کی تنظیم ہی لازمی شرط نہیں ہے بلکہ اس سے متعلق افراد کے درمیان بالمشافہ ملاقات، افراد کے درمیان خبروں کی آسان ترسیل، معاشی معاوضے کی تقسیم کے معاملے میں تصادم کا ماحول اور طبقاتی شعور کا پیدا ہونا بھی لازمی شرط ہے۔ کسانوں کا وہ گروہ جو چھوٹے پیمانے پر کاشتکاری کرتا ہے اس کے تمام ہی افراد ایک جیسے سماجی حالت میں رہتے ہیں لیکن اسے طبقہ (Class) نہیں کہیں گے کیونکہ وہ تمام ایک دوسرے سے علاحدہ اور الگ رہتے ہیں، ان کا باہمی بالمشافہ کوئی تعلق نہیں رہتا اور ان کا کوئی مشترک مفاد نہیں ہوتا ہے اس لیے اسے طبقہ (Class) نہیں کہیں گے۔

انسانی تاریخ کے مطالعے سے ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ سماج کی ابتدا سے ہی انسان طبقات میں منقسم رہا ہے۔ تقسیم کار (Division of Labour) کی وجہ سے لوگوں کا ایک دوسرے پر انحصار بڑھا جس کے نتیجے میں ایک طبقے کا اثر دوسرے طبقے پر قائم ہوتا گیا۔ آہستہ آہستہ بااثر طبقہ بااقتدار بن گیا اور دوسرا طبقہ تابع دار اور مغلوب ہوتا گیا۔ اس حوالے سے مارکس کا کہنا ہے کہ آج تک پوری انسانی تاریخ طبقاتی تصادم اور کشمکش کی تاریخ رہی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ سماج میں ہمیشہ سے دو طبقات رہے ہیں۔ ایک وہ جو ذرائع پیداوار کا مالک ہوتا ہے۔ معاشی بالادستی کی وجہ سے اس طبقے کو سیاسی، سماجی، مذہبی، تعلیمی اور دیگر تمام ہی شعبے کی بالادستی حاصل رہتی ہے۔ دوسرا طبقہ جو ذرائع پیداوار سے محروم رہتا ہے۔ یہ طبقہ پہلے طبقے کے ماتحت ہوتا ہے۔

15.3 تاریخ کے چار مرحلے (Four Stages of History)

مارکس کا ماننا ہے کہ سماج کے دو طبقوں، ایک جو ذرائع پیداوار کا مالک ہے اور دوسرا جو اس سے محروم ہے، میں تقسیم تاریخی ارتقا کا نتیجہ

ہے۔اس کو ثابت کرنے کے لئے اس نے تاریخ کو چار مرحلوں کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ پریمیٹیو کمیونزم، قدیم سماج، جاگیر داری سماج اور سرمایہ دار سماج۔ ارتقا کے یہ چاروں مراحل پیداوار کی صورت (Mode of Production) پر منحصر ہیں۔

(5) پریمیٹیو کمیونزم (Primitive Communism)۔اس سماج کو انسان دوست (Egalitarian) سماج کہا جاتا ہے کیوں کہ اس میں کسی بھی بنیاد پر انسانوں کی درجہ بندی نہیں تھی۔ ہر ایک کو مساوی سماجی حیثیت ملی ہوئی تھی۔ مثلاً (Hunting and Gathering Society)۔اس سماج میں ذرائع پیداوار پر سب لوگوں کی مشترکہ ملکیت تھی۔ یہ بہت قدیم زمانے کا قبائلی سماج تھا جہاں قرابت داری کی بنیاد پر کمیونٹی آباد ہوا کرتی تھیں۔ ایسے سماج میں نا تو تقسیم کار کا اور نا ہی ذاتی ملکیت کا کوئی تصور تھا۔ سماجی ڈھانچہ خاندان اور قرابتی گروہ تک ہی محدود ہوا کرتا تھا۔ یہ ایسا سماج تھا جہاں کسی بھی قسم کا کوئی طبقہ موجود نہیں تھا۔ یہ بغیر طبقے (Classless) کا سماج تھا۔

(6) قدیم سماج (Ancient Society)۔اس میں انسانوں کی درجہ بندی مالک(Masters) اور غلام (Slaves) میں ہوتی تھی۔ قدیم یونانی اور رومی سماج میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

(7) جاگیر داری سماج (Feudal Society): یہ سماج زمین دار (Landlord) اور دست بستہ غلام یعنی جو کسی جاگیر دار کی خدمت کا پابند ہو (Serf) پر مشتمل تھا۔

(8) سرمایہ دار سماج (Capitalist Society): یہ سماج ان دو طبقات پر مشتمل ہے جنہیں بورژوا(Bourgeoisie) اور پرولتاریت/طبقہ عوام (Proletariat) کہا جاتا ہے۔ بورژوا طبقہ ذرائع پیداوار پر قابض رہتا ہے اوراس کے ماتحتی میں پرولتاریت محنت اور مزدوری سے مصنوعات تیار کرتا ہے۔ ہر مرحلہ سماج کو اگلے مرحلے میں لے جانے کا سبب بنتا ہے۔ کیوں کہ کچھ وقت کے بعد ذرائع پیداوار اور رشتہ پیداوار میں تضاد (Contradiction) شروع ہو جاتا ہے جو نئے مرحلے کا سبب بنتا ہے۔

15.4 طبقاتی جدوجہد (Class Struggle)

طبقے کی اصل (Origin) اور تعریف کے علاوہ مارکس کو اس بات کی زیادہ دلچسپی تھی کہ مستقبل میں طبقے کی نوعیت کیسی ہوگی۔ اس ضمن میں اس نے پرولتاریت طبقے میں طبقاتی شعور کی بیداری کے نتیجے میں ان کے اندر باہمی اتحاد اور بورژوا طبقے کے خلاف ان کی جدوجہد اور بغاوت کی پیشن گوئی کی ہے۔ مارکس نے طبقہ بذاتہ (Class in itself) اور طبقہ لذاتہ (Class for itself) کے حوالے سے طبقے کی خود شناسی اور خود آگاہی کو بیان کیا ہے۔ اس کے مطابق جب کسی طبقے کو اس بات کا احساس ہونے لگے کہ اس کا استحصال ہو رہا ہے اور اس کے نتیجے میں اس طبقے کے افراد میں باہمی یکجہتی اور اتحاد پیدا ہونے لگے تو یہ طبقہ، طبقہ بذاتہ سے طبقہ لذاتہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ تب طبقے کے افراد بورژوا طبقے کے استحصال کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اور ان سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد کرنے لگتے ہیں۔ مارکس نے سرمایہ دارانہ سماج کا بہت باریکی سے تنقیدی جائزہ لیا ہے اور اسی جائزے کے نتیجے میں اس نے طبقاتی جدوجہد کے نظریے کو فروغ دیا۔ ذیل میں اس نظریے کے اہم اجزا کو مختصراً بیان کیا جارہا ہے:

1. پرولتاریت یاطبقہ عوام کاارتقا (The Development of the proletariat)

پرولتاریت کی ارتقاکے تعلق سے مارکس کہتاہے کہ مزدور طبقے میں یکجہتی واتحاد کی کیفیت سب سے پہلے اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ ایک تنظیم یا یونین(Union) کی شکل اختیار کرتے ہیں۔بڑی بڑی کمپنیوں میں ملازمین ایک دوسرے سے واقف نہیں ہوتے ہیں،ان کے درمیان مقابلہ اور مسابقت کاماحول مسلسل بنارہتاہے لیکن ایک چیز ہے جو ان تمام کو جوڑتی ہے وہ ان کی اجرت اور تنخواہ کاتحفظ ہے۔اجرت اور تنخواہ کامسئلہ ہی انہیں باہم متحد کرتاہے اور مالک کے خلاف کھڑے ہونے کی ہمت دیتاہے۔مارکس کاکہناہے کہ ایسی اجتماعیت کی تشکیل سے دو اہم مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے۔پہلے تو ان کے درمیان مسابقت اور مقابلے کاماحول ختم ہونے لگتاہے اور دوسرے یہ کہ سب مل کر سرمایہ دار کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور ان سے یعنی سرمایہ دار طبقے سے مسابقت کرناشروع کردیتے ہیں۔

یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام میں مزدور طبقہ مشترک معاشی وسماجی ماحول میں رہتاہے،اس طبقے کے مفادات و نقصانات مشترک ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے اندر طبقاتی شعور (Class Consciousness)پیدا ہوتاہے اور سب سرمایہ دار طبقے کے خلاف ہوجاتے ہیں تب یہ طبقہ،طبقہ لذاتہ بنتاہے اور یہیں سے طبقاتی جدوجہد کا آغاز ہوتاہے۔

2۔جائیداد کی اہمیت (The importance of property)

مارکس کے مطابق کسی بھی سماج کی امتیازی خصوصیت اس سماج میں رائج جائیداد یا دولت کی صورت اور ہیئت ہے اور کسی بھی فرد کے طور طریقے کو متعین کرنے والی جو چیز ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جائیداد یادولت سے اس فرد کاتعلق کس نوعیت کاہے۔طبقات کاتعین بھی اسی طرح ہوتاہے۔یعنی یہ دیکھا جاتاہے کہ طبقات کاتعلق ذرائع پیداوار کے تئیں کس نوعیت کاہے۔وہ لوگ جنہیں ذرائع پیداوار کی ملکیت حاصل ہے وہ ایک طبقہ ہے اور وہ لوگ جو اس سے محروم ہیں ایک الگ طبقہ ہے۔غرض یہ کہ فرد کی حیثیت نہیں بلکہ ذرائع ووسائل پیداوار کے تئیں تعلق کی نوعیت ہی طبقہ متعین کرتی ہے۔لوگوں میں طبقاتی شعور کابڑھنااور معاشی معاوضے کی تقسیم پر تصادم طبقے کو مضبوطی عطا کرتا ہے۔

2. معاشی وسیاسی اقتدار کی شناخت (Identification of economic and political power)

مارکس کے مطابق یہ بات درست ہے کہ طبقات کی بنیاد ذرائع پیداوار سے رشتے کی نوعیت پر ہے۔لیکن یہ یعنی طبقات سماجی طور پر اس وقت اہمیت اختیار کرتے ہیں جب یہ سیاسی دائرے میں داخل ہوتے ہیں۔چونکہ سرمایہ دارانہ سماج میں ذرائع پیداوار اور اس کی تقسیم چند لوگوں کی ملکیت ہوتی ہے اس لئے سیاسی اقتدار انہیں لوگوں کے پاس ہوتاہے اور سیاسی اقتدار کے ذریعے یہ پرولتاریت پر اپنا تسلط قائم رکھتے ہیں اور ان کااستحصال کرتے ہیں۔سیاسی اقتدار بورژوا طبقے کے لئے ایک منظم قوت کی حیثیت رکھتاہے جس سے وہ پرولتاریت یاطبقہ عوام پر ظلم روا رکھتاہے۔اس کے علاوہ بورژوا طبقہ مملکت اور اس کے ادارے کو اپنے معاشی مفاد کی خاطر استعمال کرتاہے۔بورژوا طبقہ معاشی قوت واقتدار کے ذریعے سیاسی قوت حاصل کرتاہے اور پوری سیاسی قوت اور انتظامی ادارے بشمول پولیس،فوج اور عدلیہ سب اسی طبقے(بورژوا،سرمایہ دار طبقہ) کے معاشی مفادات کے لیے استعمال کئے جاتے ہیں اور سب اسی طبقے کے تابعداری اختیار کرلیتے ہیں۔

3. طبقات کا پولرائزیشن (Polarization of Classes)

سماجی طبقات کو الگ الگ گروہ میں بانٹنا سرمایہ دارنہ معیشت کی فطرت میں شامل ہے۔ یہ پورے سماج کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کرتا ہے اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے شدید مخالف ہوتے ہیں۔ ایک گروہ بورژوا کہلاتا ہے تو دوسرے کو پرولتاریت کہتے ہیں۔ ذرائع پیداوار اور تقسیم پیداوار سرمایہ دار طبقے کے قبضے میں ہوتا ہے اور پرولتاریت یا مزدور طبقے کے پاس اپنی محنت (Labour) کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سماج میں ان دونوں گروہوں کے علاوہ کوئی اور گروہ نہیں ہے۔ مارکس نے اپنی تحریروں میں بار بار چھوٹے سرمایہ دار یعنی Petit bourgeoisie اور چھوٹے مزدور یعنی Lumpenproletariat کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کا کہنا ہے کہ جب طبقاتی شعور اور طبقاتی تصادم اپنی انتہا کو پہنچتی ہے تب یہ طبقات اپنی دولت سے محروم ہو جاتے ہیں اور پھر یہ پرولتاریت طبقے کے برابر ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ سرمایہ دارانہ معیشت میں ترقی کے ساتھ بورژوا اور پرولتاریت طبقات کے بیچ کے چھوٹے چھوٹے طبقے پرولتاریت میں ضم ہو جاتے ہیں۔ پھر صرف دو ہی طبقے بورژوا اور پولتاریت رہ جاتے ہیں۔ مارکس کہتا ہے کہ جب ان دونوں کے بیچ کشمکش اور تصادم فیصلہ کن مرحلے تک پہنچے گی تو ہر فرد کے پاس ان دونوں معاند طبقات میں سے کسی ایک کے ساتھ جانے کے علاوہ کوئی اور دوسرا راستہ نہیں ہوگا۔

4. اضافی قدر کا نظریہ (Theory of Surplus Value)

اضافی قدر سے مراد وہ قدر (Value) ہے جو مزدور طبقے کی مزدوری اور لاگت کی قیمت سے زائد پیدا کی جاتی ہے اور اس قدر کو سرمایہ دار طبقہ اپنے منافع کے طور پر رکھتا ہے۔ یعنی اگر مزدور سے سات گھنٹے کام لیا جارہا ہے تو اس کو پانچ گھنٹے کی قیمت دینا اور باقی دو گھنٹے میں وہ جو مصنوعات (Products) تیار کرتا ہے یا جو خدمات دیتا ہے اس کی قیمت مزدور کو نادے کر اس کا منافع سرمایہ دار طبقے کے حصے میں چلا جانا۔ اسی کو اضافی قدر (Surplus Value) کہتے ہیں۔ قدر کی حد (Measure of Value) دراصل مزدوری کا وقت (Labour Time) ہے اس طرح اضافی قدر مزدور کی وہ پیداوار جو وہ ان اوقات میں پیدا کرتا ہے جس کا انہیں کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا ہے۔ اضافی قدر ہی سرمایہ دار کا اصل منافع ہے جو مزدور کے استحصال کے نتیجے میں اسے حاصل ہوتا ہے۔

5. مفلس کرنے کا عمل (Pauperization)

اب تک کی تفصیلات سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ ظلم و استحصال سرمایہ دارانہ معیشت کا لازمی عنصر ہے۔ اس کے بغیر یہ نظام معیشت ایک لمحہ بھی ٹھہر نہیں سکتا۔ بورژوا طبقہ مزدوروں کے استحصال سے اپنا نفع کماتا ہے۔ اس لئے پرولتاریت یا مزدور طبقے کا جتنا استحصال ہوتا ہے اتنا ہی نفع بورژوا طبقہ کماتا ہے۔ ایک طرف مزدور غریب سے غریب تر ہوتا جاتا ہے تو دوسری جانب سرمایہ دار امیر سے امیر تر ہوتا جاتا ہے۔ مارکس کے مطابق پرولتاریت خوب محنت و مشقت کرتا ہے، لیکن اس کو اتنا ہی معاوضہ دیا جاتا جس سے وہ صرف اپنی زندگی گزار سکے اور بورژوا جو ذرائع پیداوار کا مالک ہوتا ہے وہ پرولتاریت کا استحصال کر کے اس قدر نفع کماتا ہے کہ وہ عیش کی زندگی گزار سکے۔ اس طرح دونوں طبقوں میں امیری اور غریبی کا فرق بڑھتا جاتا ہے۔ بورژوا جو بہت امیر طبقہ ہے اور پرولتاریت جو غریب اور مفلس طبقہ ہے۔ پرولتاریت کی مفلسی میں دن بدن اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مارکس کہتا ہے کہ سماج میں غربت و مفلسی وسائل کی قلت کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس کی اصل وجہ استحصال ہے۔

6. علاحدگی (Alienation)

مارکس کے یہاں یہ تصور بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ اصطلاح علاحدگی، بیگانگی اور سرمایہ دارانہ نظام میں پیداوار کے عمل کے دوران بے چینی اور لاتعلقی کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مارکس کے مطابق معاشی نظام ہی اس کا سبب ہے۔ سماجی علاحدگی (Social Alienation) ایک وسیع تصور ہے۔ یہ اقدار، سماجی معیارات، روایات اور سماجی رشتے سے افراد یا گروہ کے بے تعلقی کو بیان کرتا ہے۔ مارکس کے مطابق چار قسم کی علاحدگی ہوتی ہے۔ (1) انسان جو مصنوعات تیار کرتا ہے اس سے اس کو کوئی تعلق اور اپنائیت کا احساس نہیں ہوتا ہے (2) مزدور طبقہ پیداوار کے عمل سے لاتعلق اور اجنبی محسوس کرتا ہے کیوں کہ مالک کی طرف سے جو حکم آتا ہے انہیں اس حکم کی تعمیل کرنی ہوتی ہے۔ یہ اپنی تخلیقی صلاحیت کا استعمال نہیں کرسکتے ہیں۔ اس وجہ سے بھی ان میں بے چینی پائی جاتی ہے (3) کام کرنے والے لوگ اپنے وجود، اپنی خواہشات اور پیداوار کے پورے عمل سے ناواقف اور لاتعلق محسوس کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے اندر علاحدگی کا احساس ہوتا ہے (4) علاحدگی کی چوتھی اور آخری قسم یہ ہے کہ مزدور اپنے دوسرے مزدور ساتھیوں سے علاحدگی محسوس کرنے لگتے ہیں۔ کیوں کہ مزدور کم قیمت پر اپنی خدمات دینے کے لیے تیار رہتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ ایک دوسرے سے مسابقت کرتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ اپنے ساتھیوں سے دور ہونے لگتے ہیں اور ان کے اندر بے چینی کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے۔

7. طبقاتی یکجہتی اور عداوت (Class Solidarity and Antagonism)

جب لوگوں میں طبقاتی شعور بڑھنے لگتا ہے تو دونوں طبقے اندرونی طور پر اپنے آپ کو متحد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دونوں طبقوں کے افراد کا رویہ ایک دوسرے کے لئے سخت مخالفانہ اور معاندانہ ہونے لگتا ہے۔ مفادات کے حصول کے لئے تصادم اور ٹکراؤ کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے۔ مارکس کا کہنا ہے کہ جس تیزی سے صنعتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے اسی تیز رفتاری کے ساتھ پرولتاریت طبقے کی تعداد بڑھتی ہے اور یہ طبقہ روز بروز طاقت ور ہوتا جاتا ہے۔ دوسری طرف مشینی آلات کی ترقی سے ان کی اجرت میں کمی واقع ہونے لگتی ہے۔ اس پورے پراسیس میں مزدور طبقے کا استحصال کیا جاتا ہے۔ ان حالات کا ادراک جب پرولتاریت یا مزدور طبقے کو ہوتا ہے تو یہ باہم متحد ہونا شروع ہوتے ہیں ٹریڈ یونین قائم کرتے ہیں اور اپنے خلاف بورژوا کی پالیسی کی مخالفت کرتے ہیں، احتجاج کرتے ہیں اور کبھی کبھی ان کے خلاف بغاوت بھی کر دیتے ہیں۔

8. انقلاب (Revolution)

جب طبقاتی تصادم اپنے عروج کو پہنچتا ہے تو پر تشدد انقلاب رونما ہوتا ہے جو سرمایہ دارانہ سماج کے ڈھانچے کو ہی اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اس طرح کے حالات معاشی بحران کے وقت پیدا ہوتے ہیں۔ تجارت میں اچانک ترقی اور کساد بازاری سرمایہ دارنہ معیشت کی اہم خصوصیت ہے۔ مارکس کے مطابق جب طبقاتی تصادم اپنے عروج پر پہنچتا ہے تو بورژوا طبقہ اور پرولتاریت طبقہ اپنے اپنے افراد کے ساتھ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ چونکہ پرولتاریت طبقہ تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں اور باہم منظم و متحد ہوتے ہیں تو تصادم کی صورت میں وہ بورژوا طبقے کو شکست دے دیتے ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام کی جگہ پرولتاریت کی ڈکٹیٹر شپ قائم ہوتی ہے۔

9. پرولتاریت کی ڈکٹیٹرشپ(The dictatorship of the proletariat)

انقلاب بہت پر تشدد اور خون آلود ہو گا جو سرمایہ دارانہ سماج کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا اور اس کے نتیجے میں پرولتاریت طبقے کی کٹیٹرشپ قائم ہو گی۔ انقلاب کے تشدد آمیز ہونے کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ بورژوا طبقے کے لوگوں کا بڑے پیمانے پر قتل عام ہو گا۔ جب بورژوا طبقے کو جائیداد سے محروم کر دیا جائے گا تو ان کی حیثیت معاشی، سیاسی اور سماجی طور پر پرولتاریت کے برابر ہو جائے گی۔ مارکس کا کہنا ہے کہ یہ ایک ناگزیر تاریخی عمل ہے جو اپنے وقت معین پر واقع ہو کر رہے گا۔ سرمایہ دارانہ سماج کا خاتمہ ہو گا اور اس کی جگہ پرولتاریت کی ڈکٹیٹرشپ قائم ہو گی۔

10. کمیونسٹ سوسائٹی کا افتتاح(Inauguration of the Communist Society)

جب پرولتاریت طبقے کے افراد یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ان پر ظلم کیا جارہا ہے اور ان کی محنت سے کم اجرت دی جارہی ہے تو یہ طبقہ اس استحصال کے خلاف تمام ہی پرولتاریت طبقے کو اکٹھا کرنے لگتا ہے اور ان کے ایک ہونے کا احساس جاگنے لگتا ہے۔ تب پرولتاریت طبقہ، طبقہ لذاتہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ طبقہ جو اپنی فلاح و بہبود کے لئے سوچے اور اس کے لئے کوشش کرے۔ پھر طبقاتی جدوجہد اپنے عروج پر پہنچتی ہے جس کے نتیجے میں پر تشدد انقلاب رونما ہوتا ہے اور پھر پرولتاریت طبقے کی ڈکٹیٹرشپ اور حکمرانی قائم ہوتی ہے۔

پرولتاریت کی حکمرانی کے نتیجے میں کیمونسٹ سماج کا قیام ہو گا جہاں ذاتی ملکیت کا تصور بالکل ختم کر دیا جائے گا۔ کوئی بھی طبقہ نہیں ہو گا جسے سماجی طور پر افضل یا کم تر سمجھا جائے۔ سماج کا ہر فرد ایک برابر سماجی حیثیت کا مالک ہو گا۔ طبقاتی تصادم کے اسباب کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا۔ اس سماج میں مملکت (State) کا کوئی تصور نہیں ہو گا اور کوئی بھی فرد کسی چیز کا مالک نہیں ہو گا۔ ہر چیز پر لوگوں کی مشترکہ ملکیت ہو گی۔ غرض یہ کہا جاسکتا ہے کہ سماج میں ذاتی ملکیت کا کوئی تصور نہیں ہو گا۔ ہر فرد اپنی محنت و صلاحیت کے مطابق سماج کو آگے بڑھانے میں اپنا رول ادا کرے گا اور ضرورت کے مطابق اسے سہولیات فراہم کی جائیں گی۔

15.5 طبقاتی جدوجہد کے نظریے پر تنقید (Criticism of Class Struggle Theory)

مارکس کے طبقاتی جدوجہد کے نظریے پر درج ذیل تنقیدیں کی گئی ہیں:

1. لوگوں کا ماننا ہے کہ مارکس نے مستقبل کے تعلق سے سوشلسٹ سماج کا جو تصور پیش کیا تھا جس میں کوئی بھی طبقہ موجود نہیں ہو گا اور ہر کوئی برابر کی حیثیت کا مالک ہو گا، وہ پوری طرح ناکام رہا۔ صنعتی سرمایہ داری دن بدن بڑھتی گئی اور مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ سوشلسٹ سماج کا تجربہ ناکام رہا اور کیمونزم محض ایک خیالی تصور قرار دیا گیا۔
2. فرینک پارکن (Frank Parkin) اپنی کتاب کلاس ان اکوالٹی اینڈ پالٹکل آرڈر (Class Inequality and Political Order,1972) میں لکھتا ہے کہ وہ ممالک جنہوں نے اپنے آپ کو سوشلسٹ قرار دیا ہے وہاں بھی طبقات پائے جاتے ہیں۔
3. مارکس کی یہ پیشن گوئی کہ طبقاتی تصادم بڑھتا جائے گا اور یہ اپنے عروج پر پہنچے گا، اس کے بر خلاف یہ دیکھا جارہا ہے کہ یورپی ممالک میں طبقاتی جدوجہد نے نرم اور معتدل رویہ اختیار کر لیا ہے اور یہی نظام سرمایہ داری کے عروج کی اہم وجہ ہے۔

4. پرولتاریت یا مزدور طبقہ معاشی لحاظ سے خوشحال اور بہتر ہوگیا ہے۔ طبقے کی اہمیت بڑھ گئی ہے اور اب یہ شناخت کا ایک اہم ذریعہ بن گیا ہے۔
5. ویبر اور بعض دوسرے ماہرین سماجیات کا کہنا ہے کہ سماجی درجہ بندی کی معاشی بنیاد کے علاوہ بھی دوسری بنیادیں ہیں۔
6. لینسکی (Lenski) کا کہنا ہے کہ اگر سرمایہ دارانہ سماج کا زوال ہو بھی جائے تو ضروری نہیں ہے کہ اس کے بعد سوشلزم ہی آئے کیونکہ دوسری صورت پیداوار (Modes of Production) کے ظہور ہونے کے بھی امکانات ہیں۔

15.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے سے ہمیں مارکس کا تصور طبقہ (Class) کو سمجھنے میں مدد ملی۔ مارکس کا کہنا ہے کہ انسانی تاریخ طبقاتی جدوجہد اور کشمکش کی تاریخ ہے۔ اس کے مطابق ابتدائی سماج کے علاوہ تاریخ کے ہر دور میں سماج دو طبقات میں منقسم رہا ہے اور آج کا سماج بھی دو طبقوں پر مشتمل ہے۔ ایک طبقہ وہ ہے جو ذرائع پیداوار کا مالک ہوتا ہے۔ یہ طبقہ اپنی اسی ملکیت کی وجہ سے لوگوں پر حکومت کرتا ہے۔ اس طبقے کو بورژوا (Bourgeoisie) کہتے ہیں۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو ذرائع پیداوار سے محروم ہوتا ہے اوراپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے بورژوا طبقے کے خدمت اور اس کے زیر اثر رہتا ہے۔ اس طبقے کو پرولتاریت (Proletariat) کہتے ہیں۔

اس کے مطالعے سے طبقے کے بنیادی اجزا کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ طبقہ بذاتہ، طبقہ لذاتہ، طبقاتی جدوجہد اور طبقاتی جدوجہد کے مختلف اجزا سے واقفیت ہوئی۔ اس کے مطالعے سے ہم نے یہ بھی جانا کہ کمیونسٹ انقلاب کے مختلف مراحل کیا ہیں نیز طبقاتی جدوجہد کے نتیجے میں پرولتاریت طبقے کی ڈکٹیٹر شپ کے قیام کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. طبقاتی تصادم سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. مارکس نے علاحدگی (Alienation) کو کن معنوں میں استعمال کیا ہے؟
3. پرولتاریت یا طبقہ عوام کا ارتقا(The Development of the proletariat)سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

15.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

بورژوا(Bourgeoisie): اس اصطلاح سے مراد سرمایہ دارانہ نظام میں سماج کا وہ طبقہ ہے جو ذرائع پیداوار (Means of Production) کا مالک ہوتا ہے اور وہ سماج کا برسرِ اقتدار طبقہ ہوتا ہے۔

پرولتاریت / طبقہ عوام(Proletariat) : اس اصطلاح سے مراد سماج کا وہ طبقہ ہے جو ذرائع پیداوار سے محروم ہوتا ہے اور وہ بورژوا طبقے کے ماتحت رہتا ہے۔ یہ طبقہ خدمات (Services) اور مزدوری کے ذریعے اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔

ذرائع پیداوار(Means of Production) اس سے مراد وہ تمام مادی عناصر ہیں جن سے مصنوعات کی پیداوار ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مشین، مختلف قسم کے آلات و ہتھیار(Tools)، آفس اور کمپیوٹر وغیرہ۔ یعنی وہ تمام عناصر یا اجزا جن سے دولت کی پیداوار ہوتی ہے وہ ذرائع پیداوار کہلاتے ہیں۔

طبقاتی جدوجہد(Class Struggle): مارکس کے مطابق انسانی سماج میں ہمیشہ سے دو طبقہ رہا ہے۔ ان دونوں کے مابین ہمیشہ سے جدوجہد رہی ہے اور کمیونزم کے قیام تک یہ چلتی رہے گی۔ اس طبقاتی جدوجہد اور کشمکش کے نتیجے میں انقلاب آئے گا۔

اضافی قدر (Surplus Value): اضافی قدر سے مراد وہ قدر(Value) ہے جو کسی بھی چیز کی پیداوار کی لاگت سے اضافہ یا زائد ہوتی ہو۔ اور اس قدر کو سرمایہ دار طبقہ اپنے منافع کے طور پر رکھتا ہے۔

طبقہ (Class): اس سے مراد لوگوں کا وہ گروہ ہے جو پیداوار کے ذرائع سے ایک طرح کا رشتہ رکھتے ہوں۔ انہیں رشتوں کی نوعیت سے اس کے کردار کا تعین ہوتا ہے۔ کلاس یعنی طبقے کا تعین انسان کے پیشے یا آمدنی سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ اس کی حیثیت اور پیداوار کے عمل میں اس رول سے طے پاتا ہے۔

15.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

(1) جب پرولتاریت کو اس بات کا احساس ہونے لگے کہ ان کی محنت اور صلاحیت کا استحصال کیا جارہا ہے تو یہ طبقہ_____ میں بدل جاتا ہے۔

(a) طبقہ لذاتہ (Class for itself) میں — (b) طبقہ بذاتہ (Class in itself) میں

(c) طبقاتی کشمکش میں — (d) ان میں سے کوئی نہیں

(2) درج ذیل میں سے کس کے مطابق اب تک کی انسانی تاریخ صرف اور صرف طبقاتی تصادم کی تاریخ رہی ہے؟

(a) ہیگل — (b) پارسن

(b) ویبر — (d) مارکس

(3) اضافی قدر(Surplus Value) کا تصور کس ماہر سماجیات کے یہاں مرکزی حیثیت رکھتا ہے؟

(a) میکس ویبر — (b) کارل مارکس

(c) امائل درکھائم — (d) ہربرٹ اسپنسر

(4) درج ذیل میں کس ماہر سماجیات نے علاحدگی (Alienation) کے تصور کا استعمال کیا ہے؟

(a) کارل مارکس — (b) اگست کومٹ

(c) امائل درکھائم — (d) ایس۔ سی۔ دوبے

(5) بورژوا (Bourgeoisie) کسے کہتے ہیں؟

(a) دولت مند شخص کو | (b) غریب شخص کو

(c) وہ جو ذرائع پیداوار سے محروم ہوتے ہیں | (d) جو ذرائع پیداوار کے مالک ہوتے ہیں

(6) پرولتاریت (Proletariat) کسے کہتے ہیں؟

(a) جو ذرائع پیداوار کے مالک ہوتے ہیں | (b) وہ جو ذرائع پیداوار سے محروم ہوتے ہیں

(b) غریب شخص کو | (d) ان میں سے کوئی نہیں

(7) مارکس نے تاریخ کو کتنے مرحلوں کے حوالے سے بیان کیا ہے؟

(a) چار | (b) تین

(c) دو | (d) سات

(8) طبقات کا پولرائزیشن (Polarization of Classes) کا تصور کس ماہر سماجیات نے استعمال کیا ہے؟

(a) میکس ویبر | (b) کارل مارکس

(c) جرگن ہیبرماس | (d) ہربرٹ اسپنسر

(9) سرمایہ دارانہ سماج کے خاتمے کے بعد کس کی ڈکٹیٹر شپ قائم ہو گی؟

(a) بورژوا طبقے کی | (b) پرولتاریت طبقے کی

(c) دونوں کی | (d) ان میں سے کوئی نہیں

(10) مارکس کے مطابق کتنے قسم کی علاحدگی (Alienation) ہوتی ہے؟

(a) چار | (b) سات

(c) تین | (d) پانچ

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. طبقہ کی تعریف بیان کیجیے۔ نیز بنڈکس اور لپسٹ (Bendix and Lipset) نے اس حوالے سے مارکس کے جن پانچ نکات کا ذکر کیا ہے اس کی وضاحت کیجیے۔
2. مارکس نے تاریخ کو چار مرحلوں (Four Stages) کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اس کو بیان کیجیے۔
3. مارکس کے طبقاتی جدوجہد کے تصور پر ایک مضمون لکھیے۔
4. طبقات کا پولرائزیشن (Polarization of Classes) پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
5. اضافی قدر کے نظریے (Theory of Surplus Value) پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. طبقاتی جدوجہد کے نظریے کے کسی دو اجزا کو تفصیل سے بیان کیجئے۔
2. طبقہ لذاتہ کی تعریف بیان کیجئے۔ نیز کمیونسٹ انقلاب کو مرحلہ وار بیان کیجئے۔
3. مفلس کرنے کا عمل (Pauperization) اور علاحدگی (Alienation) کے تصور کو تفصیل سے بیان کیجئے۔

15.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Bottomore, T.B. 1962, Sociology A Guide to Problems and Literature, George Allen & Unwin Ltd.: London.
2. Inkeles, A. 1975, What is Sociology? Prentice-Hall : New Delhi
3. Aron, Raymond. 1965. Main Currents in Sociological Thought. Vol. 1, Penguin: Harmondsworth.
4. Coser, Lewis A, 1971. Masters of Sociological Thought: Ideas in Historical and Social Context, Harcourt Brace Jovanovich. Inc: New York.
5. Baert, Patrick, 1998, Social Theory in the Twentieth Century, Polity.

اکائی 16۔ کارل مارکس کا تصور علاحدگی

(Alienation)

اکائی کے اجزا

16.0 تمہید

16.1 مقاصد

16.2 مزدوری کی عدم انسان کاری

16.3 علاحدگی کی تعریف

16.4 مارکس کا تصور علاحدگی

16.5 علاحدگی کے اقسام

16.6 علاحدگی کے منفی اثرات

16.7 اکتسابی نتائج

16.8 کلیدی الفاظ

16.9 نمونہ امتحانی سوالات

16.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

16.0 تمہید (Introduction)

کارل مارکس کے نظریات بہت وسیع و ہمہ گیر ہیں۔ سماجی علوم کے تقریباً تمام ہی شعبے پر اس کے اثرات مرتب ہیں بالخصوص فلسفہ، معاشیات، سیاسیات اور سماجیات میں اس کے گہرے اثرات ہیں۔مارکس کو سرمایہ دارانہ نظام کے زبردست مخالف کے طور پر جانا جاتا ہے۔اس نے اس نظام کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد اس کے استحصالی پہلوؤں کی تفصیل سے وضاحت کی ہے۔مارکس کا کہنا ہے کہ ظلم واستحصال اس نظام کی عین فطرت میں ہے اور یہ اپنی اسی استحصالی فطرت کی وجہ سے ایک دن زوال پذیر ہو جائے گا۔سرمایہ دارانہ نظام کے حوالے سے مارکس کی جو سب سے اہم تنقید ہے وہ یہ کہ اس نظام کی فطرت میں مزدور طبقے کو دور کرنے،علاحدہ اور الگ تھلگ کرنے اور اجنبیت کا احساس دلانے کے عناصر ہیں جسے انگریزی میں Alienation کہتے ہیں۔یعنی Alienation سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد ہے۔یہاں

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ مارکس کے Alienation کے تصور کو ہم نے **'علاحدگی'** کے لفظ سے تعبیر کیا ہے چوں کہ یہ نظام مزدور طبقے کے اندر مختلف نوعیت کی علاحدگی اور دوری کا احساس پیدا کرتا ہے۔

علاحدگی (Alienation) کے معنی کسی شخص کو دوسرے شخص، کوئی مخصوص شئی، صورت حال یا طریق (Process) سے دور کرنا، الگ کرنا اور اجنبی بنانا ہے۔ مارکس کے نظریے میں اس تصور کی مرکزی حیثیت ہے اور عام طور پر اسے مارکسی سماجیات (Marxist Sociology) سے جوڑا جاتا ہے۔ سماجیات میں اس تصور کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ یہ اس سماجی ڈھانچے کا نتیجہ ہے جو انسانوں کے ایک طبقے کو ان سے ان کی فطری انسانی صفات سے محروم کرکے ان پر ظلم کرتا ہے۔

16.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے سے طالب علم کو درج ذیل معلومات حاصل ہوں گی۔

- مارکس کے تصور **'علاحدگی'** (Alienation) کے بارے میں۔
- علاحدگی کی تعریف۔
- علاحدگی کی اقسام کے بارے میں۔
- علاحدگی کے اجزا کے بارے میں۔
- علاحدگی سے پیدا ہونے والے اثرات کے بارے میں۔

16.2 مزدوری کی عدم انسان کاری (De-humanization of Labour)

اب ہم پیداوار کے عمل میں کس طرح سے مزدوری کی عدم انسانیت کاری کی جاتی ہے اس کو تفصیل سے جاننے کی کوشش کریں گے۔

اضافی قدر کا تصور (Concept of Surplus Value)

مارکس کے نزدیک ہر شئی (Commodity) کے دو پہلو ہیں۔ شئی (Commodity) ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان کی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسے اس شئی کی استفادی قدر (Use Value) کہتے ہیں۔ لیکن کسی بھی شئی کی صرف یہ افادیت نہیں ہے کہ اس سے اپنی ضرورت پوری کی جائے یا اسے تیار کرکے بازار میں فروخت کیا جائے اور نفع کمایا جائے، بلکہ اس کی ایک افادیت یہ بھی ہے کہ اس کا تبادلہ (Exchange) کسی دوسری شئی سے کیا جاتا ہے۔ یعنی اس کی حیثیت قدر مبادلہ (Exchange Value) کی بھی ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ ان اشیا کی قدر مبادلہ کی تعیین کیسے کی جائے جن کی استفادی قدر اس سے مختلف ہے؟ گیہوں اور سوت میں اس کے سوا کیا چیز مشترک ہے کہ گیہوں کسان اگاتا ہے اور سوت کپڑا بننے والا تیار کرتا ہے۔ ان دونوں کو تیار کرنے کے طریقے الگ الگ ہیں۔ لیکن جو چیز اس میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ یہ دونوں انسانی محنت (Human Labour) کی پیداوار ہیں۔ ان دونوں پیداوار کو تیار کرنے میں جو محنت

صرف ہوتی ہے اسی اعتبار سے اس کی قدر مبادلہ (Exchange Value) کی تعیین ہوتی ہے۔یعنی کسی بھی شئ کے قدر مبادلہ کا انحصار اس محنت (Labour) میں ہے جو اس میں صرف ہوتی ہے۔یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس میں فرد واحد کی محنت کا خیال نہیں کیا جاتا ہے بلکہ تمام ہی مزدوروں کو عمومی طور پر جو ضروری وقت لگتا ہے اس کا خیال رکھا جاتا ہے۔

اس بنیادی گفتگو کے بعد اب ہم اس بحث کے دسرے حصے کی طرف بڑھتے ہیں۔سرمایہ دارانہ معیشت میں مصنوعات کی پیداوار اسی وقت ممکن ہے جب مزدوری کی طاقت (Labour-power) کو ایک شئ (Commodity) کی حیثیت دے دی جاتی ہے۔اس وجہ سے دوسری چیزوں کی طرح مزدوری کی طاقت (Labour-power) کی بھی استفادی قدر ہو جاتی ہے کیونکہ اب اس کی حیثیت ایک 'چیز' کی ہو گئی ہے۔خریدنے والے کے لیے مزدوری کی طاقت کی حیثیت استفادی قدر کی ہوتی ہے جب کہ فروخت کرنے والے کے لیے اس کی حیثیت قدر مبالہ کی ہوتی ہے۔خریدنے والا یعنی سرمایہ دار مزدوری کی طاقت یعنی Labour-power کو خرید سکتا ہے،اس سے مصنوعات تیار کر سکتا ہے اور جس طرح چاہے اس کو استعمال کر سکتا ہے محض اس وجہ سے کہ وہ مزدور کو اس کی مزدوری کی طاقت کی اجرت دیتا ہے۔

جب کہ مزدوروں کے لیے ان کی مزدوری کی طاقت کی حیثیت صرف قدر مبادلہ کی ہوتی ہے۔وہ اسے یعنی مزدوری کی طاقت کو اپنی مرضی سے اور اپنے مقصد کے لیے نہیں استعمال کر سکتے کیونکہ ان کے پاس پیداوار کے وسائل نہیں ہوتے۔لیکن وہ مزدوری کی طاقت کو بیچ سکتے ہیں تاکہ اس کے بدلے جو اجرت انہیں ملے اس سے وہ اپنی زندگی گزار سکیں۔اس معاملے میں بھی قدر مبادلہ کا تعین مزدوری کا وہ وقت جو پیداوار کے لیے ضروری ہے، کرتا ہے اور مزدور کو اس کی مزدوری کے وقت(Labour Time) سے کم اجرت دی جاتی ہے۔وہ قدر مبادلہ سے زیادہ پیداوار کرتا ہے لیکن اس کو کم اجرت دی جاتی ہے۔اسی کو قدر زائد یا اضافی قدر(Surplus Value) کہتے ہیں۔یعنی سرمایہ دار مزدور سے اس کی اجرت سے زائد پیداوار حاصل کرتا ہے۔اجرت سے زائد پیداوار ہی سرمایہ دار کا منافع ہوتا ہے۔سرمایہ دار کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اضافی قدر کو زیادہ سے زیادہ بڑھائے تاکہ اسے خوب منافع حاصل ہو سکے۔

مارکس نے سرمایہ دارانہ نظام پر تنقید کرتے ہوئے اضافی قدر کو استحصال کی جڑ قرار دیا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ سرمایہ (Capital) کو بڑھانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ مزدوروں / ملازمین سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے۔سرمایہ دارانہ نظام میں مزدوری کی طاقت کو ایک شئ کی حیثیت دی گئی ہے جو کہ مزدوروں / ملازمین کے استحصال کی بڑی وجہ ہے۔مارکس کا کہنا ہے کہ انسانی طاقت(Human Labour) کا سماجی پہلو ہے۔اس کی سماجی پہلو کو ختم کر کے جب اسے ایک شئ کی حیثیت دے دی جاتی ہے تب انسانوں میں علاحدگی پیدا ہونے لگتی ہے۔مزدور طبقے کو اس علاحدگی سے نجات اسی وقت مل سکتی ہے جب اس کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ اس کے ساتھ ظلم واستحصال کیا جارہا ہے۔ظلم کے احساس ہو جانے کے بعد وہ منظم ہو کر اس استحصالی معاشی نظام کے خلاف بغاوت کریں گے اور اس کی جگہ کمیونزم کو قائم کریں گے۔مارکس کے مطابق ایسا ہو کر رہے گا کیونکہ یہ نظام استحصال پر مبنی ہے اور یہ اپنے فطری ڈھانچے کی وجہ سے زوال پذیر ہو کر رہے گا۔

16.3 علاحدگی کی تعریف (Definition of Alienation)

سماجی علوم میں لفظ 'Alienation' اس حالت کو کہتے ہیں جس میں فرد اپنے کو اکیلا اور تنہا محسوس کرتا ہے۔ انسان کو اپنے آس پاس کے ماحول، اپنے کام، اپنے ساتھیوں اور یہاں تک کہ اپنے وجود سے بھی اجنبی پن اور علاحدگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ اس لفظ کے کثرت استعمال کے باوجود اس کا کوئی متعین معنی طے کرنا مشکل ہے۔ ذیل میں ہم ان معانی کا ذکر کر رہے ہیں جن میں یہ لفظ بکثرت استعمال ہوتا ہے:

لاچاری (Powerlessness)

سماجی علوم میں لفظ 'Alienation' بے بسی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے مراد کسی شخص کے اندر پیدا ہونے والا وہ احساس کہ اس کا مستقبل اس کے اپنے ہاتھوں میں نہیں ہے، بلکہ یہ کوئی بیرونی طاقت ہے جو اس کا مقدر طے کر رہی ہے۔ اپنی تقدیر بنانے کے تعلق سے فرد بالکل مجبور اور بے بس ہے۔ وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ ادارجاتی سطح پر ایسا بندوبست کیا جاتا ہے کہ فرد اپنے آپ کو اس میں مقید پاتا ہے۔ اس صورت حال میں اس کے اندر لاچاری اور بے بسی کی کیفیت ابھرتی ہے۔

بے معنویت (Meaninglessness)

اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل، معاملات یا لوگوں سے تعلقات کے حوالے سے بے مقصدیت کا شکار ہو۔ یعنی وہ جو بھی کام کر رہا ہے یا سماج میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کے معنی اور مقصد سے وہ بالکل غافل رہتا ہے۔ لفظ 'Alienation' معاملات سے لاعلمی، بے معنویت اور بے مقصدیت کو بیان کرتا ہے۔

بے قاعدگی (Normlessness)

'Alienation' بے قاعدگی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کا مطلب کسی شخص کے اندر سماج کے مشترک طریقۂ عمل (Shared Ways of Acting) کے شعور کا فقدان ہے جس کے نتیجے میں لوگوں میں بے یقینی، مختلف نوعیت کی بدنظمی، باہمی تصادم اور بدظنی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

تہذیبی مفارقت (Cultural Estrangement)

اس سے مراد یہ ہے کہ سماج میں موجود اقدار و روایات سے انسان خود کو الگ تھلگ اور علاحدہ محسوس کرنے لگے۔ اس تہذیب میں اس کو اپنائیت محسوس نا ہو۔ 'Alienation' اس مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

سماجی علاحدگی (Social Isolation): یہ علاحدگی اور سماجی اخراج کے معنی میں ہے۔ یعنی فرد یا کوئی سماجی گروہ خود کو سماج میں علاحدہ محسوس کرے یا سماجی طور پر اس کا اخراج (Social Exclusion) ہو جائے۔ کسی بھی اقلیتی گروہ کے اندر اس طرح کے احساسات پائے جاتے ہیں۔

اپنی ذات سے مفارقت (Self-estrangement)

'Alienation' کا لفظ اپنی ذات سے مفارقت اور علاحدگی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ فرد اپنی خواہش، صلاحیت اور مکمل وجود سے علاحدہ ہو جاتا ہے۔

سماجی علوم میں مذکورہ بالا معانی میں اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔ مارکس نے سرمایہ دارانہ نظام کے حوالے سے اس کو استعمال کیا ہے۔ اس کے نظریے میں یہ لفظ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اب ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ مارکس کے نزدیک اس کے کیا معنی ہیں۔

16.4 مارکس کا تصور علاحدگی (Marx's Concept of Alienation)

مارکس کے تصور 'علاحدگی' کو سمجھنے کے لیے لازمی ہے کہ ہم سب سے پہلے اس کا تصور 'ذرائع پیداوار' کو سمجھ لیں۔ کیونکہ اس تصور کو سمجھے بغیر ہم علاحدگی کے تصور کو نہیں سمجھ سکتے۔ مارکس کے مطابق ذرائع پیداوار سے مرادوہ تمام چیزیں اور عناصر ہیں جو مصنوعات (Products) کو بنانے میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر قدرتی وسائل (Natural Resources) ، فیکٹری، مشین اور آلات وغیرہ۔ سرمایہ دارانہ معیشت میں ذرائع پیداوار مشترک ملکیت میں نہیں ہوتی، بلکہ اس میں ذرائع پیداوار فرد کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے۔ مثلاً فیکٹری کسی کی ذاتی ملکیت ہے۔ یہ پورے سماج کی مشترک ملکیت نہیں ہوگی۔

مذکورہ بنیادی گفتگو کے بعد ہم مارکس کا تصور انسانی صلاحیت جسے وہ **Species-being** کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے، کو جاننے کی کوشش کریں گے۔ انسان دوسرے جاندار کی طرح اپنا ایک حیاتیاتی وجود رکھتا ہے۔ اس کائنات میں بسنے والی دوسری مخلوقات کی طرح اس کی بھی کھانے پینے اور دیگر فطری ضروریات ہیں۔ لیکن جو چیز اسے دوسری مخلوقات سے الگ کرتی ہے وہ اس کی 'عقل' ہے۔ اس کا عمل محض اس کی جبلت پر منحصر نہیں ہے، بلکہ اس کا انحصار اس کے عقل و شعور پر ہے۔ اس کا عمل شعوری ہوتا ہے۔ وہ اپنے علم و عقل کی روشنی میں آزادانہ طور پر سماج میں بدلاؤ کی کوشش کرتا ہے۔ مارکس کے نزدیک انسانی وجود کا جوہر Species-being ہے۔ اس سے مراد شعوری اور آزادانہ طور پر سماج میں تبدیلی لانے کی صلاحیت ہے تاکہ انسان اپنی ضروریات پوری کر سکے۔

مارکس کا ماننا ہے کہ انسانی تاریخ میں آج تک وہ دور نہیں آیا ہے جہاں انسان کو اپنی قوت فکر کو استعمال کرنے کی آزادی ہو۔ اس کے مطابق سرمایہ دار سماج سے پہلے جتنے بھی دور گزرے ہیں اس میں سماجی ڈھانچہ اس قدر سخت تھا کہ لوگ اپنی فطری صلاحیت استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ وہ ہمہ وقت اپنی ان ضروریات کی تکمیل میں کوشاں رہتے تھے جو ان کے وجود کے لیے لازمی تھیں۔

آج کے دور میں سرمایہ دارانہ معیشت کا تسلط کسی جابر حکمراں سے کم نہیں ہے۔ لوگ اپنے آپ کو ایسے معاشی ڈھانچے میں قید ہوا پاتے ہیں جو ان سے ان کے عقل و شعور کو چھین لیتا ہے۔ یہ ایسا ماحول بناتا ہے جس میں لوگوں کو اپنی انسانی صفات اور صلاحیت کا ادراک نا ہو سکے۔ مارکس کا کہنا ہے کہ ایسا ماحول جہاں انسان اپنی قابلیت کو پہچان سکے اور کھل کر اس کا ارتقا کر سکے وہ صرف اور صرف کمیونزم (Communism) میں ہی ممکن ہے۔ چونکہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام انسان کو آزادانہ طور سے سوچنے اور عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتا اس لیے وہ اپنی فطری صلاحیت سے محروم رہ کر زندگی گزارتا ہے اور اپنی فطری صلاحیتوں سے علاحدگی میں رہتا ہے۔

'Alienation' جس کی وضاحت ہم لفظ 'علاحدگی' سے کر رہے ہیں، سے مراد کوئی ایسی شئی جس سے انسان پہلے واقف تھا لیکن آہستہ آہستہ اس سے لاتعلق اور ناواقف ہوتا چلا جائے۔ اس شئی کے تعلق سے اس کے اندر اجنبیت، دوری اور علاحدگی کا احساس پیدا ہونے لگے۔ چونکہ انسان کے اندر جو چیز سب سے اہم ہے وہ ہے اس کی عقل اور شعور کی قوت یعنیSpecies-being اور سرمایہ دارانہ معیشت میں وہ اپنے عقل و شعور کی صلاحیت کا استعمال کرنے سے قاصر رہتا ہے یعنی انسان اپنے Species-being کے مطابق عمل نہیں کر پاتا۔ اس لیے انسان اپنی فطری صلاحیت سے نامانوس ہونے لگتا ہے اور اپنے آپ سے کٹ جاتا ہے۔

16.5 علاحدگی کے اقسام (Types of Alienation)

مارکس کے مطابق سرمایہ دارانہ معیشت میں مزدور طبقہ چار سطح پر علاحدگی کا شکار رہتا ہے۔ ان چاروں کو ہم ذیل میں بیان کر رہے ہیں:

1. پیداوار کے عمل سے علاحدگی (Alienation From Productive Activity)

سرمایہ دارانہ سماج کا ڈھانچہ کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ اس میں مزدور طبقہ اپنے کام اور مصنوعات سے علاحدگی محسوس کرتا ہے۔ اس کو اس بات کا پتہ نہیں ہوتا کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا کیونکہ یہ سب سرمایہ دار کرتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ معیشت میں مزدور طبقہ اپنی خود کی ضرورت کی تکمیل کے لیے کام نہیں کرتا ہے بلکہ وہ سرمایہ داروں کے لیے کام کرتا ہے۔ کیونکہ سرمایہ ادار انہیں اتنا ہی اجرت دیتے ہیں جس میں وہ اپنی بنیادی ضرورت پوری کر سکے اور اس کے بدلے میں وہ مزدوروں کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔

اس نظام معیشت میں مزدور اور سرمایہ دار دونوں طبقے کو یہ لگتا ہے کی پیداوار کے عمل یا سرگرمی کا اختیار سرمایہ دار کو حاصل ہے کیونکہ سرمایہ دار مزدور کو اجرت دیتا ہے۔ لہٰذا مزدور کو بغیر چوں چرا حکم کی تعمیل کرنی ہے۔ مزدور بغیر کسی ذاتی دلچسپی کے جو حکم دیا جاتا ہے وہ بجا لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح وہ پیداوار کے پورے پروسیس (Process) سے اپنا کوئی تعلق محسوس نہیں کرتا۔ مارکس کا کہنا ہے کہ اس نظام میں مصنوعات تیار کرنے کا عمل کچھ اس طرح ہے کہ اس میں مزدور طبقہ مایوسی اور بیزاری محسوس کرتا ہے۔ اس کو صرف اس بات کی فکر رہتی ہے کہ کسی طرح وہ روزمرہ کی ضروریات کی تکمیل کے لیے کچھ پیسے کمالے۔ اس کے علاوہ اسے پیداوار کے عمل سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی ہے۔

2. مصنوعات سے علاحدگی (Alienation From the Product)

علاحدگی کی دوسری سطح یہ ہے کہ مزدور مصنوعات سے علاحدہ ہو جاتا ہے۔ اس معاشی نظام میں طبقہ عوام یا مزدور طبقہ نہ صرف پیداوار کے عمل سے اپنے آپ کو علاحدہ محسوس کرتا ہے بلکہ اس عمل کا جو نتیجہ ہے یعنی مصنوعات (Products)، ان سے بھی علاحدگی محسوس کرتا ہے۔ مصنوعات ان کی سخت محنتوں کا نتیجہ ہوتا ہے لیکن وہ اس بات کا حق نہیں رکھتے کہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے انہیں استعمال کر سکیں۔ کیونکہ انہیں یہ بات سمجھائی جا چکی ہے کہ انہیں ان کی محنت(Labour) کی اجرت دی جاتی ہے۔ لہٰذا پیداوار کے عمل اور مصنوعات دونوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مصنوعات سرمایہ دار کی ملکیت ہے کیونکہ وہ مزدوروں کو ان کی محنت کی اجرت دیتے

ہیں۔ چونکہ مصنوعات سرمایہ دار کی ملکیت ہوتی ہیں لہٰذا وہ اس کو فروخت کرنے اور اس کا نفع رکھنے کا حق رکھتا ہے۔ مصنوعات پر مکمل قبضہ سرمایہ دار کا رہتا ہے۔ مزدوروں کو تو مصنوعات کے بنانے کے حوالے سے بھی بہت کم معلومات دی جاتی ہے۔

آج کے جدید صنعتی سماج کی اہم خصوصیت تقسیم کار (Division of Labour) ہے جس میں انسان کی صلاحیت کے اعتبار سے کام کی تقسیم ہوتی ہے۔ ایسے سماج میں کسی بھی چیز کو بنانے کے لیے ہر مرحلے میں الگ الگ صلاحیت کے لوگ ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے ناواقف ہوتے ہیں اور اس پورے پیداوار کے عمل میں ان کا کیا کردار ہے اس کا بھی انہیں شعور نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر گاڑی بنانے کی فیکٹری میں تمام ہی مزدور اپنے مفوضہ کام (Assigned Work) میں لگے ہیں۔ اس میں سے ہر کوئی گاڑی کے الگ الگ حصے کو تیار کر رہا ہے۔ ہر کسی کا مقصد گاڑی کو بنانا نہیں ہے بلکہ گاڑی کا وہ پرزہ (Part) بنانا ہے جس کی اسے ذمے داری دی گئی ہے۔ اس طرح تمام ہی مزدوروں کی محنت سے گاڑی بن کر تیار تو ہو جاتی ہے لیکن کسی بھی مزدور کو یہ احساس نہیں ہوتا ہے کہ گاڑی اس نے بنائی ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں مزدور گاڑی کے تعلق سے علاحدگی محسوس کرتا ہے۔

3. ساتھ میں کام کرنے والوں سے علاحدگی (Alienation From Fellow Workers)

سرمادارانہ معیشت میں علاحدگی کی تیسری سطح یہ ہے کہ انسان اپنے ساتھیوں سے جو اس کے ساتھ کام کر رہے ہوتے ہیں اس سے علاحدہ ہو جاتا ہے۔ مارکس کا کہنا ہے کہ انسان کو اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے باہمی تعاون کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔ لیکن اس نظام میں تعامل اور تعاون کا کوئی تصور نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد ہی زیادہ سے زیادہ نفع کمانا ہے۔ اس لیے کام کرنے والوں (Workers) سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ ان سے اس قدر کام لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ کام کرنے والوں سے صرف رسمی تعلق رکھ پاتے ہیں اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے نام تک سے واقف نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر ملٹی نیشنل کمپنی (Multinational Company) کے ملازمین مہینوں سے اسی کمپنی میں کام کر رہے ہوتے ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کے نام سے واقف تک نہیں ہوتے۔ یعنی اس نظام معیشت کا ڈھانچہ کچھ اس طرح کا ہے کہ اس میں کام کرنے والے افراد ایک دوسرے سے علاحدگی محسوس کرتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں صورت حال اس وقت اور زیادہ خراب ہو جاتی ہے جب زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی خاطر ملازمین کے درمیان مسابقت اور تصادم کی صورت پیدا کی جاتی ہے۔ ملازمین کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے زیادہ کام کریں اور کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مصنوعات تیار کریں تاکہ ان کا مالک (Boss) ان سے خوش ہو جائے۔ اس طرح کے ماحول میں ملازمین ایک دوسرے سے برگشتہ اور بیزار رہتے ہیں۔ نتیجتاً وہ ایک دوسرے سے علاحدہ یعنی Alienate رہتے ہیں۔

4. اپنی خود کی صلاحیت سے علاحدگی (Alienation From their Own Potential)

علاحدگی کی چوتھی اور آخری سطح یہ ہے کہ ملازمین اپنی قابلیت اور صلاحیت کے ادراک سے محروم ہو جاتے ہیں۔ علاحدگی کی یہ قسم سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں بہت عام ہے۔ یہ نظام ملازمین یا مزدوروں سے ان کے انسانی فطرت کو ختم کر دیتا ہے۔ اس میں کام کرنے والوں کا رویہ اور طور طریقہ انسانوں جیسا نہیں رہتا۔ چونکہ ان پر کام کا اس قدر بوجھ ہوتا ہے کہ وہ جانوروں اور مشینوں جیسا برتاؤ کرنے کے عادی

ہو جاتے ہیں۔ ان کا شعور مفقود ہو جاتا ہے، دوسروں سے ان کے رشتے بگڑنے لگتے ہیں، وہ انسانی صفات سے محروم ہو جاتے ہیں اور آخر کار ان کے اندر جو تھوڑی بہت انسانی خصوصیات بچی ہوتی ہے اس کا بھی انہیں شعور نہیں ہوتا۔

سرمایہ دارانہ نظام معیشت میں ملازمین / مزدور طبقہ ان چار سطحوں پر علاحدگی یعنی Alienation کا شکار ہوتا ہے۔

16.6 علاحدگی کے منفی اثرات (Negative Impacts of Alienation)

مارکس کا کہنا ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت کے ڈھانچے نے کام کرنے والوں کو مختلف طرح سے علاحدہ کر دیا ہے۔ علاحدگی کے مختلف اثرات ہیں۔ کام سے علاحدگی کا اثر کام کرنے والوں (Workers) پر پڑتا ہے۔ مزدور جو بھی شئ یا مصنوعات تیار کرتا ہے وہ دراصل اس کی محنت اور مزدوری کی تجسیم (Objectification) ہوتی ہے۔ یعنی اس شئ یا مصنوعات سے مزدور کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ مزدور محض اپنی زندگی گزارنے کے لیے اس پیداوار کے عمل سے وابسطہ رہتا ہے۔ مزدور یا ملازم محنت کرتا ہے اور اس محنت کا عوض اسے دے دیا جاتا ہے۔ اس کا پیداوار کے عمل اور مصنوعات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کے اندر علاحدگی کا احساس پیدا ہونے لگتا ہے۔ مارکس کے مطابق اشیا کی یہ تجسیم (Objectification) مزدور کے لیے باعث رنج ہوتا ہے اور وہ زندگی کے بہت ہی اہم چیز سے محروم رہتا ہے۔

اس کی محنت بھی ایک مادی شئ (Object) بن جاتی ہے جو اس کے لیے مایوسی، رنج اور علاحدگی کا سبب بنتی ہے۔ مارکس کا کہنا ہے کہ مزدور طبقے میں اس وجہ سے علاحدگی پیدا ہوتی ہے کیونکہ اسے نا تو اپنے کام سے دلچسپی رہتی ہے اور نا ہی ان مصنوعات سے جنہیں یہ تیار کرتا ہے۔ یہ چیزیں مزدور طبقے کو اس کے وجود سے الگ معلوم ہوتی ہیں۔ مارکس کا کہنا ہے کہ انسان کے اندر علاحدگی کا احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سماجی معاملات میں اس کا کسی بھی طرح کا کنٹرول نہیں ہے۔ علاحدگی (Alienation) لوگوں سے ان کی انسانیت سلب کر لیتی ہے اور ان کی انسانی وقعت ختم ہو جاتی ہے۔

مزدور یا ملازم سرمایہ دارانہ معیشت میں ظلم و استحصال کا شکار رہتا ہے۔ مزدور جتنا زیادہ مصنوعات تیار کرتا ہے یا سرمایہ دار کو جتنا زیادہ نفع پہنچاتا ہے اتنا ہی وہ غریب ہوتا جاتا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے کام، پیداوار کے عمل، پیداوار اور خود اپنی ذات سے علاحدہ یعنی Alienate ہو جاتا ہے۔ علاحدگی کی یہ کیفیت سرمایہ دارانہ معیشت میں بہت سخت ہوتی ہے کیونکہ وہ مزدور طبقے یا ملازمین سے ان کی قوت فکر کو سلب کر لیتی ہے۔ اس سے نجات صرف کمیونزم ہی دے سکتا ہے جہاں انسانی صفات و خصوصیات کو پھلنے پھولنے کی مکمل آزادی ہے اور جہاں انسان اپنی قوت فکر کو آزادی سے استعمال کر سکتا ہے۔ ایسے نظام میں ہی انسان کو علاحدگی سے نجات مل سکتی ہے۔

مارکس کا کہنا ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت نے ساختیاتی سطح پر مزدوروں کے درمیان باہمی ربط کو توڑ دیا ہے جبکہ باہمی ربط انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ اب کمیونزم کے قیام سے ہی دوبارہ یہ ربط قائم کیا جا سکتا ہے۔ علاحدگی ایک ایسا تصور ہے جس کے رہتے ہوئے اچھی اور اطمینان بخش زندگی کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ علاحدگی کے نتیجے میں کام (Work) کی حیثیت گھٹ کر محض مزدوری (Labour) کے ہو گئی ہے جس کی وجہ سے انسان کام تو کرتا ہے لیکن اس کام سے وہ اپنے آپ کو لا تعلق محسوس کرتا ہے۔ وہ مطمئن نہیں رہتا ہے بلکہ ناخوش رہتا ہے۔ مثال کے طور پر فیکٹری میں مزدور جوتا بناتا ہے لیکن اسے اپنے لیے استعمال میں نہیں لا

سکتا۔ کیونکہ اس کی تخلیق کی حیثیت صرف ایک شئ (Object) کی ہے جس کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اس کی حیثیت ایک ایسے وجود(Entity) کی ہو جاتی ہے جس کا بنانے والے سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ مزدور جو تا اس لیے نہیں بناتا ہے کہ اس کے بنانے سے اسے خوشی ملتی ہے بلکہ وہ اس لیے بناتا ہے کہ اس کے ذریعے وہ چند پیسے کما سکے گا تا کہ وہ زندہ رہ سکے۔ایسی صورت میں وہ مسلسل پریشانی کی کیفیت میں رہتا ہے۔وہ آزادانہ طور سے اپنی جسمانی اور ذہنی ارتقا نہیں کر پاتا۔اس کی وجہ سے مزدور کا جسم کمزور اور ذہن مفلوج ہو جاتا ہے۔اس لیے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت میں مزدوری(Labour) صحیح معنوں میں ایک انسانی عمل نہیں ہے۔

سرمایہ دارانہ معیشت کا ڈھانچہ کچھ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں انسان زندگی کی حقیقت سے ناواقف رہتا ہے۔فریب نظر (Illusion) کو ہی وہ حقیقت تصور کرتا ہے۔مثال کے طور پر سرمایہ دار مسلسل پرولتاریت یا مزدور طبقے کا استحصال کرتا ہے لیکن یہ تصور بنایا جاتا ہے سرمایہ داران کی بھلائی کر رہا ہے۔غرض یہ کہ اس نظام معیشت میں علاحدگی کے طریق کی وجہ سے مزدور طبقے پر بہت منفی اثرات پڑتے ہیں لیکن اسے اس کا احساس نہیں ہوتا۔اسے جب اپنے اوپر ہو رہے استحصال کے بارے میں پتہ چلے گا تو پورا مزدور طبقہ منظم ہو کر اس نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کرے گا جس کے نتیجے میں کمیونزم یعنی اشتراکیت قائم ہوگی اور تب پرولتاریت یعنی مزدور طبقے کو صحیح معنوں میں آزادی ملے گی اور تب ہی اسے ہر قسم کی علاحدگی سے چھٹکارا ملے گا۔

16.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے سے ہمیں علاحدگی کے معنی سے واقفیت ہوئی۔ ہمیں یہ معلوم ہوا کہ مارکس کے مطابق سرمایہ دارانہ معیشت میں علاحدگی استحصال کی بنیادی وجہ ہے۔چار سطح پر علاحدگی کا ظہور ہوتا ہے۔ان چار کے بارے میں واقفیت ہوئی ہے۔علاحدگی کو سمجھتے وقت ہم نے یہ بھی جانا کہ کس طرح سے اضافی قدر کی تشکیل ہوتی ہے اور سرمایہ دار کے لیے یہ اضافی قدر ہی اصل منافع ہے۔سرمایہ دار ہمیشہ اضافی قدر کو بڑھانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ منافع کما سکے۔اس کے مطالعے سے ہمیں یہ معلومات حاصل ہوئی کہ علاحدگی سے نجات اس وقت ممکن ہے جب طبقہ عوام یا پرولتاریت کو اپنے اوپر ہو رہے ظلم و استحصال سے آگاہی ہو جائے اور اس کے نتیجے میں وہ سب منظم ہو کر اس استحصالی نظام کی جگہ کمیونزم کو قائم کریں۔اسی صورت میں ان کی آزادی ممکن ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. مارکس کا تصور انسانی صلاحیت جسے وہ Species-being کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے، سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. 'مصنوعات سے علاحدگی' کا کیا مطلب ہے؟
3. استفادی قدر اور قدر مبادلہ سے آپ کیا سمجھے ہیں؟

16.8 کلیدی الفاظ (Key Words)

بورژوا(Bourgeoisie) اس اصطلاح سے مراد سماج کا وہ طبقہ ہے جو ذرائع پیداوار (Means of Production) کا مالک ہوتا ہے اور وہ سماج کا برسرِ اقتدار طبقہ ہوتا ہے۔ سرمایہ دارنہ معاشی نظام میں جو سرمایہ دار ہوتا ہے وہ اسی طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔

پرولتاریت / طبقہ عوام(Proletariat) اس اصطلاح سے مراد سماج کا وہ طبقہ ہے جو ذرائع پیداوار سے محروم ہوتا ہے اور وہ بورژوا طبقے کے ماتحت رہتا ہے۔ یہ طبقہ خدمات (Services) اور مزدوری کے ذریعے اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ سرمایہ دارنہ معاشی نظام میں خواہ وہ مزدور ہوں یا آفس میں کام کرنے والے ملازمین سب اس میں شامل ہیں۔ کیونکہ یہ ذرائع پیداوار کے مالک نہیں ہوتے ہیں۔

استفادی قدر (Use Value) : کسی شئ(Commodity) کی وہ قدر جو انسان کی ضرورت پوری کرتی ہو اسے اس شئ کی استفادی قدر (Use Value) کہتے ہیں۔

قدر مبادلہ(Exchange Value): کسی بھی شئ کی وہ قدر جس کے مطابق اس کا تبادلہ (Exchange) کسی دوسری شئ سے کیا جاتا ہو تو اسے اس شئ کی قدر مبادلہ (Exchange Value) کہتے ہے۔

اضافی قدر (Surplus Value): اضافی قدر کے تصور کو کارل مارکس نے استعمال کیا ہے۔ اس سے مراد وہ قدر(Value) ہے جو چیزوں کی پیداوار میں ان کی کل لاگت سے زیادہ ہوں۔

16.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

(1) کس کے نظریے میں 'علاحدگی' کا تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے؟

(a)ویبر　　(b)مارکس

(c)پارسن　　(d)درکھائم

(2) بورژوا(Bourgeoisie) کسے کہتے ہیں؟

(a)دولت مند شخص کو　　(b)غریب شخص کو

(c)وہ جو ذرائع پیداوار سے محروم ہوتے ہیں　　(d)جو ذرائع پیداوار کے مالک ہوتے ہیں

(3) پرولتاریت(Proletariat) کسے کہتے ہیں؟

(a)جو ذرائع پیداوار کے مالک ہوتے ہیں　　(b)وہ جو ذرائع پیداوار سے محروم ہوتے ہیں

(c)غریب شخص کو　　(d)ان میں سے کوئی نہیں

(4) علاحدگی کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a)چار (b) تین

(c)دو (d)پانچ

(5) درج ذیل میں کس ماہر سماجیات کے نزدیک 'ذرائع پیداوار' کی بہت اہمیت ہے؟

(a)ویبر (b)مارکس

(c)امبیڈکر (d)درکھائم

(6) درج ذیل میں سے کس ماہر سماجیات نے اضافی قدر (Surplus Value) کے تصور کو استعمال کیا ہے؟

(a)درکھائم (b)پارسن

(c)مارکس (d)ویبر

(7) علاحدگی کا خاتمہ ______ سے ہو گا۔

(a) کمیونزم کے قیام (b)قدیم معیشت کے قیام

(c)قبائلی معیشت سے قیام (d)سرمایہ دارانہ معیشت کے قیام

(8) وہ طبقہ ہے جو ذرائع پیداوار (Means of Production) کا مالک ہوتا ہے اسے ______ کہتے ہیں۔

(a)بورژوا (b)پرولتاریت

(c)سرمایہ دار (d)ان میں سے کوئی نہیں

(9)کسی شئ(Commodity) کی وہ خصوصیت جو انسان کی ضرورت کو پوری کرتی ہو اسے اس شئ کی ______ کہتے ہیں۔

(a)استفادی قدر (Use Value) (b)قدر مبادلہ(Exchange Value)

(c)اضافی قدر (Surplus Value) (d)ان میں سے کوئی نہیں

(10)وہ قدر(Value) ہے جو مزدور طبقے کی مزدوری کی قیمت سے زائد پیدا کی جاتی ہے اور اس قدر کو سرمایہ دار طبقہ اپنے منافع کے طور پر رکھتا ہے، اسے ______ کہتے ہیں۔

(a)اضافی قدر(Surplus Value) (b)استفادی قدر (Use Value)

(c)قدر مبادلہ(Exchange Value) (d)ان میں سے کوئی نہیں

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. سماجی علوم میں 'علاحدگی' کے کیا معنی ہیں؟ اس پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
2. 'ساتھ میں کام کرنے والوں سے علاحدگی' کے کیا معنی ہے؟ مختصراً بیان کیجیے۔

3. 'پیداوار کے عمل سے علاحدگی' کا مطلب ہے؟ مختصراً بیان کیجیے۔

4. علاحدگی کے نتیجے میں مزدوروں کی زندگی پر کس قسم کے اثرات پڑتے ہیں؟ مختصر طور پر بیان کیجیے۔

5. استفادی قدر (Use Value)، قدر مبالہ (Exchange Value) اور اضافی قدر (Surplus Value) کی اصطلاح کو مختصراً بیان کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. علاحدگی کی تعریف بیان کیجیے۔ نیز اس کے کسی دو اقسام پر تبصرہ کیجیے۔

2. مزدوری کی عدم انسان کاری (De-humanisation of Labour) کا کیا مطلب ہے؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

3. مارکس کے مطابق علاحدگی کا کیا تصور ہے؟ بیان کیجیے۔

16.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Bottomore, T.B. 1962, Sociology A Guide to Problems and Literature, George Allen & Unwin Ltd.: London.
2. Inkeles, A. 1975, What is Sociology? Prentice-Hall : New Delhi
3. Aron, Raymond. 1965. Main Currents in Sociological Thought. Vol. 1, Penguin: Harmondsworth.
4. Coser, Lewis A, 1971. Masters of Sociological Thought: Ideas in Historical and Social Context, Harcourt Brace Jovanovich. Inc: New York.
5. Baert, Patrick, 1998, Social Theory in the Twentieth Century, Polity.
6. Haralambos & Holborn, 2018, Sociology: Themes and Perspective, Harper Collins Publishers, New Delhi.
7. Ritzer, George, 2013, Sociological Theory, McGraw Hill Education, New Delhi.

اکائی 17۔ امائل درکھائم: حیات و تاریخ

(Emile Durkheim: Life and History)

اکائی کے اجزا

17.0	تمہید
17.1	مقاصد
17.2	امائل درکھائم: حیات اور سماجی احوال
17.3	امائل درکھائم کی بنیادی فکر
17.4	مشہور تصنیفات
17.5	اہم نظریات کا مختصر تعارف
17.6	اکتسابی نتائج
17.7	کلیدی الفاظ
17.8	نمونہ امتحانی سوالات
17.9	مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

17.0 تمہید (Introduction)

سماجیات کی دنیا میں امائل درکھائم (1917-1858) کا ایک نمایاں مقام ہے۔ اس کا شمار فرانس کے ان نامور مفکرین اور ماہرین سماجیات میں ہوتا ہے جس نے علم و تحقیق میں حیرت انگیز اثرات مرتب کئے ہیں۔ درکھائم کا خاندان بہت مذہبی تھا اور وہ خود بھی مذہب سے بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ لیکن مذہب میں اس کی دلچسپی دینیاتی نہیں بلکہ علمی و تحقیقی نوعیت کی تھی۔ درکھائم کا رجحان سائنسی تھا۔ اسی لیے اس نے روایتی فلسفے کو ترک کر کے اپنے اندر سائنسی مزاج کو مزید پروان چڑھایا اور اس بات کی کوشش کی کہ اخلاقیات کے باب میں سماج کی رہنمائی کے لیے سائنسی تربیت (Scientific Training) کا دخل ہو۔ اگرچہ درکھائم سائنسی سماجیات میں بہت دلچسپی رکھتا تھا، لیکن اس وقت تک سماجیات کا کوئی مستقل شعبہ نہیں تھا اور نہ ہی اسے ایک آزاد مضمون (Independent Discipline) کی حیثیت حاصل تھی۔

1882 سے 1887 کے درمیان اس نے پیرس کے مختلف اسکولوں میں فلسفہ پڑھایا۔ اسی دوران اس نے جرمنی کا سفر کیا جہاں سائنسی نفسیات (Scientific Psychology) کے اصول و مبادی اور اس کے موضوع بحث سے واقفیت ہوئی اور جرمنی سے واپسی کے بعد اس نے اپنے تجربات کی بنیاد پر بہت سے مقالات لکھے۔ جس کی وجہ سے 1887 میں یونیورسٹی آف بورڈی آکس (University of Bordeaux) کے شعبۂ فلسفہ میں اس کا تقرر ہوا۔ یہاں درکھائم کا کام اسکول کے اساتذہ کو ایجوکیشن (Education) کے متعلق مضامین پڑھانا تھا۔ ان میں خاص طور سے اخلاقی تعلیم (Moral Education) سے متعلق مضامین تھے۔ اس سے درکھائم کا مقصد اسکول کے اساتذہ کو اخلاقی نظام سے باور کرانا تھا تاکہ وہ لوگ نئی نسل تک اس کو منتقل کریں جس سے فرانس کو اخلاقی زوال سے بچایا جاسکے۔

1887 کے بعد درکھائم نے بہت تیزی سے ترقی کی۔ 1893 میں اس نے اپنا ڈاکٹریٹ کا مقالہ "The Division of Labor in Society" شائع کیا، اور اسی کے ساتھ مونٹسکیو (Montesquieu) پر لاطینی زبان میں لکھے گئے مقالے (Thesis) کو بھی شائع کیا۔ طریقۂ تحقیق کے حوالے سے اس کی شاہ کار تصنیف "The Rules of Sociological Method" 1895 میں منظر عام پر آئی اور اسی کے دو سال بعد 1897 میں اس کی ایک اور مشہور تصنیف "Suicide" بھی چھپ کر منظر عام پر آئی۔ درکھائم نے اپنی غیر معمولی علمی خدمات کی بنیاد پر 1896 تک پروفیسر کا عہدہ حاصل کیا۔

1906 میں درکھائم کو سائنس آف ایجوکیشن (Science of Education) کا پروفیسر نامزد کیا گیا اور 1913 میں یہ نام بدل کر سائنس آف ایجوکیشن اینڈ سوشیالوجی (Science of Education and Sociology) کر دیا گیا۔ اس کے ایک سال قبل یعنی 1912 میں اس کی ایک اور اہم تصنیف "The Elementary Forms of Religious Life" شائع ہوئی۔ سماجیات میں اس کے افکار کے بہت گہرے اثرات ہیں۔ آج کے زمانے میں اس کے خیالات کو سیاسی قدامت پسندی سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن اپنے زمانے میں اسے آزاد خیال مفکر تصور کیا جاتا تھا۔

سماجیات کو ایک مستقل اور منظم مضمون (Independent Discipline) کی حیثیت سے متعارف کرانے میں درکھائم کی غیر معمولی خدمات رہی ہیں۔ اس نے سماجیات کو نہ صرف نئے تصورات (Concepts) سے بہرہ مند کیا، بلکہ نئے سماجیاتی نظریات اور تحقیق کے نئے اصول بھی دیئے۔ اگست کومٹ اور ہربرٹ اسپنسر کے ساتھ ساتھ درکھائم کو بھی سماجیات کے بانیوں (Founding fathers) میں شمار کیا جاتا ہے۔ درکھائم نے اپنے وقت کے اخلاقی مسائل کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا، اور فرانس کے اخلاقی اور سیاسی استحکام کے لیے علمی کوششیں کرتا رہا۔ درکھائم کا کہنا ہے کہ ایک سائنٹیفک سماجیاتی نظام کی مدد سے ہی ہم سماج کی اخلاقی سمت متعین کر سکتے ہیں، اور یہ سائنٹیفک سماجیاتی نظام مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ سماج کو اخلاقی طور پر مستحکم اور مضبوط کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ درکھائم نے سماج کے مختلف پہلوؤں کا سائنسی نقطہ نظر سے مطالعہ کیا، اور اپنے پیچھے علم و تحقیق کا عظیم ورثہ چھوڑا۔

درکھائم نے اپنے افکار کی وضاحت مختلف تصنیفات کے ذریعہ کیا ہے جس کا ذکر ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے ذکر کریں گے، لیکن یہاں یہ بات جان لینی چاہئے کہ اس کی فکر کی بنیاد اس نقطہ پر ہے کہ 'فرد کے اختیارات اجتماعی قوتوں (Collective Forces) کے تابع ہیں' یعنی سماجی قوتیں فرد کے اخلاق و اطوار اور سوچ و فکر کو تشکیل دیتی ہیں، اور فرد نادانستہ طور پر

(Unconsciously) سماجی قوتوں کی اتباع کرتا رہتا ہے ۔ اس ضمن میں درکھائم نے ایک نئے اصول تحقیق (Research Methodology) کی بناڈالی جسے ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے ذکر کریں گے۔

17.1 مقاصد (Objectives)

سماجیات کے میدان میں بہت سے نامور مفکرین گزرے ہیں، لیکن فرانسیسی مفکر امائل درکھائم (Emile Durkheim) کو اس کی غیر معمولی سماجیاتی افکار کی وجہ سے ان میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے ۔ سماجیات کو ایک مکمل اور آزاد مضمون (Independent Discipline) کی حیثیت سے متعارف کرانے میں درکھائم کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔ اس اکائی میں ہم اس وقت کے سماجی اور سیاسی احوال جاننے کی کوشش کریں گے جس میں درکھائم نے آنکھیں کھولی، اور جس کے اثرات اس کی سوچ وفکر پر مرتب ہوئے ہیں۔ نیز اس اکائی کے مطالعے سے قاری کو درج ذیل چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوں گی؛

- درکھائم کے نمایاں افکار اور اس کی سماجیاتی خدمات کے بارے میں آگاہی ہو گی؛
- اس اکائی کے مطالعہ سے درکھائم کے اہم نظریات کے بارے میں واقفیت ہو گی؛
- اس اکائی میں درکھائم کی مشہور تصنیفات کا ذکر کیا جائے گا۔
- درکھائم نے سماجیات کے میدان میں ایک نئے اصول تحقیق کی بناڈالی ہے۔ اس اکائی میں اس پر بھی گفتگو ہو گی۔

17.2 امائل درکھائم: حیات اور سماجی احوال (Durkheim: His life and Social Conditions)

ڈیویڈ امائل درکھائم (David Emile Durkheim) کی پیدائش 15 اپریل 1858 عیسویں میں فرانس کے شہر اپینل (Epinal) میں ہوئی۔ اس کا تعلق یہودیوں کے ایک مذہبی خاندان سے تھا۔ اس کے آباواجداد کا شمار یہودیوں کے بڑے راہبین میں ہوتا تھا، اور یہ امید کی جاتی تھی کہ درکھائم بھی بڑا ہو کر اس مذہبی وراثت کو سنبھالے گا لیکن اس نے مذہبی تعلیم کے مقابلے سیکولر تعلیم کو ترجیح دی۔ شروع سے ہی یہ سماج کا سائنسی مطالعہ کرنے میں دلچسپی رکھتا تھا۔ لہٰذا وہ علم نفسیات، فلسفہ، اور علم اخلاق (Ethics) جیسے مضامین میں غوطہ زنی کے بعد بالآخر سماجیات کو اپنے لیے ایک مستقل مضمون کے طور پر منتخب کیا۔

درکھائم 1882 سے 1887 تک بہت سے صوبائی اسکولوں میں فلسفہ کے استاد کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیتا رہا۔ جرمنی میں اس نے ماربرگ، برلن، اور لیپ زِگ جامعات سے سماجیات کی تعلیم حاصل کی اور 1886 تک وہ اپنی تحقیقی مقالے (Doctoral Dissertation) کے طور پر 'سماج میں تقسیم کار' (The Division of Labour in Society) کو مکمل کر چکا تھا۔ جرمنی میں قیام کے دوران درکھائم نے سماجی علوم اور فلسفے پر بہت سے مضامین اور تحقیقی مقالے شائع کئے۔ اس کے مضامین کو جرمنی اور فرانس کے اہل علم طبقے میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی جس کی وجہ سے 1887 میں بارڈی آکس یونیورسٹی (University of Bordeaux) میں بحیثیت استاد اس کا تقرر ہوا۔

سماجیات کے ارتقا میں درکھائم کا بہت اہم کردار ہے۔ اس کے علمی اثرات صرف سماجیات تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ یہ دوسرے سماجی علوم (Social Sciences) پر بھی مرتب ہوئے ہیں۔ دوسرے علوم میں اس کے افکار "L'annee Sociologique" نامی رسالے سے پھیلے جس کو خود درکھائم نے 1898 میں شروع کیا تھا۔ اس رسالے کے ذریعے درکھائم کی سربراہی میں مفکرین کی ایک بڑی تعداد تیار ہوئی ۔ اسی رسالے کے ذریعے اس کے افکار و خیالات تاریخ، بشریات، لسانیات اور دوسرے علوم میں فروغ پائے۔ 15 نومبر 1917 کو درکھائم کی وفات ہوئی۔

17.3 امائل درکھائم کے بنیادی افکار (Basic Thoughts of Emile Durkheim)

سماجیات کی دنیا میں درکھائم کو ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ انسانوں کے اخلاق و اطوار کا مذہبی اور نفسیاتی دائرے سے اٹھ کر سماجیاتی نقطہ نظر سے مطالعہ کرنے کا سلسلہ درکھائم سے ہی شروع ہوتا ہے۔ درکھائم کی سماجیاتی فکر میں دو بہت ہی اہم نکات ملتے ہیں اور اس کے تمام ہی نظریات اور سماجیاتی تصورات میں یہ دونوں نکات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ اس نے فرد پر سماج کو فوقیت دی ہے، اور دوسرا یہ کہ سماج کا سائنسی انداز میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں خیالات ماہرین سماجیات کے درمیان ہمیشہ سے متنازع رہے ہیں اور آج بھی ہیں، لیکن درکھائم کے افکار کی معنویت آج بھی سماجیات میں پہلے جیسی ہی ہے۔

سماج میں ہر چیز کا انتساب فرد کی طرف کیا جاتا ہے، یعنی ہر چیز کو ہم فرد سے جوڑ کر دیکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ مسائل جو واضح طور پر سماجی نوعیت کے ہیں جیسے نسلی اور علاقائی عصبیت، ذات پات، فرقہ واریت، اور بڑے بڑے معاشیاتی مسائل کو بھی فرد کی سطح پر دیکھا جاتا ہے۔ درکھائم کا یہ سب سے بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے چیزوں کو مخالف نقطہ نظر سے دیکھنے کا آغاز کیا، اور انسان کے تمام ہی مسائل وغیرہ کو سماج کی سطح پر دیکھنے کی تاکید کرتا رہا۔ اس وقت کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو سماج کو بحیثیت ایک اکائی اہمیت دیتے تھے لیکن سماج کا سائنسی مطالعہ کرنے کا خیال ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ درکھائم کا یہ دوسرا بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے دنیا کے سامنے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی کہ سماج (Society) کا بھی سائنسی طریقے سے مشاہدہ اور مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

درکھائم کے مطابق سماج سماجی حقائق (Social Facts) کا مرکب ہے جو ہماری وجدانی سمجھ سے بالاتر ہے، اور جسے صرف مشاہدہ (Observation) اور پیائش (Measurements) کے ذریعہ جانچ پڑتال کرکے ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ سماجیات کی دنیا میں درکھائم کا پیش کردہ یہ تصور اتنا اہم ثابت ہوا کہ اکثر اسے سماجیات کا بانی (Founder of Sociology) کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ لیکن سماجیات کو ایک مستقل اور منظم علم (Independent Discipline) کی حیثیت سے متعارف کرانے کا سہرا حقیقت میں درکھائم کو ہی جاتا ہے، اور یہ اس کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

درکھائم کے مطابق کہ سماجیات (Sociology) ایک فکر کا نام ہے جس کا ظہور فرانس میں انیسویں صدی میں ہوا۔ جس کا سلسلہ قدیم یونانی فلسفیوں مثلاً افلاطون، ارسطو، اور مونٹیسکیو سے جاکر ملتا ہے مگر ان فلسفیوں نے ایک نیا الگ شعبہ بنانے کی کوشش نہیں کی۔ درکھائم کی بنیادی کوشش یہ تھی کہ اس فکر کو ایک منظم اور متعین علم کی حیثیت سے متعارف کرایا جائے۔ لفظ 'سوشیالوجی' کی ایجاد تو کچھ

سال پہلے اگست کومٹ نے کر دیا تھا لیکن اس وقت (انیسویں صدی کے آخری دنوں تک) کسی بھی یونیورسٹی میں سماجیات (Sociology) نام کا نا کوئی مضمون پڑھایا جاتا تھا، اور نا ہی اس کا کوئی الگ شعبہ اور کوئی پروفیسر تھا۔ اس زمانے میں چند مفکرین تھے جو سماجیاتی افکار پر اپنی رائے رکھتے تھے۔ لیکن سماجیات کے لیے کوئی ایک الگ شعبہ متعین نہیں تھا۔ ایک نئے مضمون (Discipline) کے تخلیق کی جو کوششیں ہو رہی تھیں اس سلسلے میں ہر جانب سے مخالفت کی گئی۔

سب سے سخت مخالفت علم نفسیات (Psychology) اور فلسفہ کی طرف سے کی گئی، اور یہ دلیل دی گئی کہ جو مباحث اور مسائل سماجیات کے دائرہ کار میں آرہے ہیں وہ پہلے سے ہی یہ دونوں یعنی نفسیات اور فلسفہ احاطہ کر رہے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف درکھائم کا یہ کہنا تھا کہ سماجیات کا کام دونوں مضامین سے الگ مسائل کا تجرباتی تحقیق کرنا ہوگا، جو اس زمانے میں بالکل نیا اور منفرد خیال تھا۔ اس ضمن میں درکھائم کے لیے سب سے بڑا چیلنج ان ماہرین سماجیات کی طرف سے رہا جو سماجیات کو فلسفہ کی حد تک ہی محدود رکھنے کے قائل تھے۔ درکھائم کے مطابق اس وقت کے دو بڑے ماہرین سماجیات اگست کومٹ اور ہربرٹ اسپنسر بھی سماج کا مطالعہ تجرباتی تحقیق (Empirical Investigation) کے مقابلے میں فلسفہ کی سطح پر کرنے کو ترجیح دے رہے تھے۔

درکھائم کا یہ بھی کہنا تھا کہ اگر سماجیات اسی سمت کی طرف بڑھتی جدھر کومٹ اور اسپینسر لے جانے کی کوشش کر رہے تھے تو سماجیات اپنی ایک الگ پہچان بنانے میں ناکام رہتی اور آج اس کا وجود صرف اور صرف فلسفہ کی ایک شاخ کی سی رہ جاتی۔ درکھائم اگست کومٹ پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کومٹ کے مطابق سماج دھیرے دھیرے مختلف ارتقائی مراحل کرتا ہے مگر وہ مختلف سماجوں کے بدلتے ہوئے حالات کا مشاہدہ اور مطالعہ کرنے کے لیے سخت محنت اور مشقت کو قابل توجہ نہیں سمجھتا ہے۔ اسی طرح اسپنسر بھی سماجی ہم آہنگی کی بات تو کرتا ہے لیکن وہ اس بات کو جاننے کی کوشش بھی نہیں کرتا کہ سماج میں واقعی ہم آہنگی موجود بھی ہے یا نہیں۔

ان سب کے برخلاف درکھائم کا یہ ماننا ہے کہ سماجیات کا موضوع بحث سماجی حقائق ہے جسے اس نے سوشل فیکٹس (Social Facts) کا نام دیا ہے۔ سوشل فیکٹس یعنی سماجی حقائق کی پہچان کے لیے اس نے تین اہم خصوصیات کا ذکر کیا ہے؛ بیرونی (Exteriority)، عمومیت (Generality)، رکاوٹ (Constrain) ۔ سماج میں پائی جانے والی وہ تمام چیزیں جن میں یہ خصوصیات پائی جائیں انہیں سماجی حقائق (Social Facts) کہا جائے گا اور یہی درکھائم کے مطابق سماجیات کا دائرہ کار ہے۔

درکھائم نے اپنی پہلی تصنیف "Montesquieu and Rousseau" جو 1892 میں شائع ہوئی، میں ان عمومی صورتحال کی تفصیل بیان کی ہے جو سماجی علوم کے قیام کے لیے ضروری ہے۔ اس کے مطابق سماجی علوم کی درج ذیل خصوصیات ہونی چاہئیں:

1. سماجی علوم کا اپنا متعین دائرہ کار اور موضوع بحث (Subject Matter) ہونا چاہیے۔
2. اس کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ سماجی اقسام کی شناخت کرے نا کہ انفرادی اقسام کی۔
3. تحقیق کے لیے اس کا اپنا ایک متعین دائرہ ہونا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ اسے معروضی حقیقت (Objective Reality) کا مطالعہ کرنا چاہیے۔
4. اس کو عام اصول و قوانین کی تلاش کرنی چاہیے۔

5. اس کو وہی طریقۂ تحقیق استعمال کرنا چاہیے جو طبعی علوم میں استعمال ہوتے ہیں۔

درکھائم نے 1895 میں "The Rules of Sociological Method" نامی ایک کتاب لکھی جس میں اس نے سماجیات کا دائرہ، سماجیاتی طریقۂ تحقیق اور اس کی وسعت کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کے مطابق ماہرین سماجیات کا کام ہے کہ وہ سماجی حقیقت (Social Fact) کو ایک "شئی" (Thing) سمجھیں اور اس کا مطالعہ ایسے ہی کریں جیسے طبعی علوم میں مادی اشیا کا کیا جاتا ہے۔

17.4 مشہور تصنیفات (Major Works)

1. سماج میں تقسیم کار (The Division of Labour in Society, 1893)
2. سماجیاتی تحقیق کے اصول (The Rules of Sociological Method, 1895)
3. خودکشی: ایک سماجیاتی مطالعہ (Suicide: A Study in Sociology, 1897)
4. مذہبی زندگی کی ابتدائی شکلیں (The Elementary Forms of Religious Life, 1912)

17.5 اہم نظریات کا مختصر تعارف (A Brief Introduction of Major Theories)

سماجی حقائق (Social Facts)

درکھائم طبعی علوم کے طریقۂ تحقیق سے بہت متاثر تھا اور اس کا ماننا تھا کہ سماج کا مطالعہ بھی چند آفاقی قوانین (Universal Laws) کے تحت کیا جانا چاہیے۔ اس کے مطابق آفاقی سماجی قوانین (Universal Social Laws) ہی کے ذریعے سماج کے مسائل کی تحقیق اور ان کا حل ممکن ہے اور ماہرین سماجیات کی ذمہ داری ہے کہ سماج کا مطالعہ کرتے وقت وہ آفاقی سماجی قوانین کی کھوج کریں۔ اس حوالے سے درکھائم کا سماجی حقائق (Social Facts) کا تصور کافی اہمیت رکھتا ہے۔ درکھائم کا یہ تصور ایک نئے سائنسی مضمون کی بنیاد رکھنے کے تعلق سے کافی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

آفاقی سماجی قوانین کی پہچان کے لیے سب سے اہم شرط اس بات کو ماننا ہے کہ جس طرح طبعی دنیا میں کچھ مسلمہ حقائق ہیں اسی طرح سماجی دنیا میں بھی چند سماجی حقائق ہیں۔ درکھائم کا کہنا ہے کہ جس طرح سے طبعی محرکات (Natural Stimuli) کے نتیجے میں مادی اشیا کی ہیئت میں تبدیلی ہوتی ہے، اسی طرح انسان کے اخلاق واطوار کو بھی سماجی محرکات کے نتیجے کے طور پر دیکھنا چاہیے۔ وہ سماجی محرکات جو فرد کی سوچ، احساس، جذبات اور پوری شخصیت کی تشکیل کرتے ہیں۔ فرد لاشعوری طور پر سماجی روایات، سماجی اقدار اور سماجی طرز حیات کی اتباع کرتا ہے۔ اسی کو درکھائم کی زبان میں سماجی حقائق (Social Facts) کہا جاتا ہے۔

ہم نے پچھلے صفحات میں اس بات کا ذکر کیا تھا کہ در کھائم نے سماجیات کی ایک الگ اور آزاد مضمون (Independent Discipline) کی حیثیت کے لیے بہت کوششیں کی تا کہ فلسفہ سے ہٹ کر اس کی ایک الگ شناخت بن سکے۔ اس کے لیے اس نے سماجیات کا ایک الگ دائرہ کار متعین کیا اور کہا کہ سماجیات کا مقصد سماجی حقائق کا سائنسی طور پر مطالعہ کرنا ہے۔ سماجی حقائق کو در کھائم نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا ذکر ہم اگلی اکائی میں کریں گے۔ یہاں مختصر طور پر یہ جاننا ضروری ہے کہ در کھائم کے نزدیک سماجی حقائق سماجی ساخت اور تہذیبی اقدار وروایات کو کہتے ہیں جو فرد کی استطاعت سے باہر ہوں، اور جس پر عمل کرنے کے لیے فرد اپنے آپ کو سماجی طور پر مجبور پاتا ہو جسے انگریزی میں External to, and coercive of actors کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یونیورسٹی کے قوانین جیسے کہ داخلہ اور فراغت کے قاعدے، نصاب اور امتحانات وغیرہ کے متعلق جو فیصلے یونیورسٹی انتظامیہ کی جانب سے کئے جاتے ہیں طلباء کو یہ سب قبول کرنا ہی ہوتا ہے چونکہ وہ ایک یونیورسٹی کی ساخت (Structure) سے بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسان سماجی زندگی کے تمام ہی شعبہ جات میں ایک خاص انداز میں عمل اور رد عمل کرنے پر مجبور رہتا ہے۔

سماجی حقائق دراصل وہ حقائق، تصورات، امیدیں ہیں جو ایک فرد کے رد عمل کا نتیجہ نہیں ہوتیں، بلکہ اس کا محرک سماج ہوتا ہے۔ یعنی یہ سماج ہوتا جو فرد کی سماجی تربیت (Socialize) کرتا ہے، اور کن حالات میں فرد کس طرح عمل کرے گا، اس کا محرک سماجی توقعات اور امیدیں ہوتی ہیں نہ کہ فرد کی ذاتی خواہش۔ مختصر یہ کہ سماجی حقائق (Social Facts) ایک ایسی اصطلاح ہے جس سے سماجی طور پر مقبول طور طریقے مراد ہیں، جو افراد کو ایک خاص انداز سے عمل کرنے پر مجبور کرتے ہوں، اور جس کی مذہبی، نفسیاتی اور جسمانی سطح پر وضاحت ممکن نہ ہو، بلکہ اس کی وضاحت صرف اور صرف سماجی طور پر ہی ممکن ہو۔

سماجی یک جہتی (Social Solidarity)

در کھائم نے سماجی یک جہتی (Social Solidarity) کا تصور اپنی پہلی کتاب سماج میں "تقسیم کار" (The Division of Labour in Society 1839) میں پیش کیا ہے۔ یک جہتی دراصل اس اجتماعی ضمیر، خیالات اور جذبات کو کہتے ہیں جو سماج میں بالکل رچ بس گیا ہو، اور جسے لوگ نادانستہ طور پر قبول کر لیتے ہوں۔ یہ یک جہتی انسان کے مشترکہ طور طریقوں اور مشترکہ افکار وخیالات کی وجہ سے عمل میں آتی ہے، جو وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سماج کی ایک امتیازی شناخت بن جاتی ہے، اور جو سماج کو مضبوط اور مستحکم بناتی ہے۔ در کھائم نے یک جہتی کی دو قسمیں بیان کی ہیں؛ ایک کو میکانکی یک جہتی (Mechanical Solidarity) اور دوسرے کو نامیاتی یک جہتی (Organic Solidarity) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل سے وضاحت ہم اگلی اکائی میں کریں گے، لیکن یہاں اتنا جان لینا ضروری ہے کہ میکانکی یک جہتی قدیم سماج کا خاصہ ہے اور نامیاتی یک جہتی جدید سماج کا۔

خودکشی (Suicide)

خودکشی (Suicide) پر در کھائم کی تحقیق سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک ماہر سماجیات کو نظریہ اور تحقیق کو کس طرح جوڑنا چاہئے۔ در کھائم کا کہنا تھا کہ اس تحقیق سے اس کا مقصد صرف ایک خاص سماجی مسئلہ کا مطالعہ کرنا نہیں ہے بلکہ وہ اس کے ذریعے ایک نئے سماجیاتی طرز تحقیق سے لوگوں کو روشناس کرانا چاہتا ہے۔ خودکشی کے متعلق عموماً لوگوں کا یہ ماننا ہے کہ یہ ایک ذاتی عمل ہے، لیکن در کھائم

کے مطابق یہ ایک سماجی عمل ہے اور اس نے اس پر تحقیق کرکے یہ ثابت کیا کہ سماجیاتی طور پر خودکشی کو کیسے واضح کیا جاسکتا ہے۔

بحیثیت ایک ماہر سماجیات درکھائم کا مقصد اس تحقیق کے ذریعے یہ بیان کرنا نہیں تھا کہ ایک فرد کیوں خودکشی کا ارتکاب کرتا ہے، بلکہ وہ یہ دکھانا چاہتا تھا کہ کیوں ایک طبقے میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد دوسرے طبقے کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اس کے مطابق نفسیاتی عوامل تو صرف اس بات کی وضاحت کرسکتے ہیں کہ ایک فرد کیوں خودکشی کرتا ہے، لیکن سماجی حقائق (Social Facts) ہی صرف اس بات کی وضاحت کرسکتے ہیں کہ ایک گروہ میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد دوسرے گروہ سے زیادہ یا کم کیوں ہے۔ درکھائم کے مطابق خودکشی کے چار اقسام ہیں؛خود پسندانہ خودکشی (Egoistic Suicide)، ایثار آمیز خودکشی (Altruistic Suicide)، بے ضابطہ خودکشی (Anomic Suicide)، اور جبریہ خودکشی (Fatalistic Suicide)۔

اس کے اقسام کی وضاحت کرتے ہوئے درکھائم نے دو طرح کے بندھن (Bonds) کی نشاندہی کی ہے جو انسان کو سماج سے جوڑے ہوئے ہوتا ہے (1) جوڑنے کی قوتیں (Forces of Integration) (2) ضابطے کی قوتیں (Forces of Regulation)

(I) جوڑنے کی قوتیں (Forces of Integration)۔ انضمام اور جوڑنے کی حالت کی بنیاد پر خودکشی کی دو قسمیں ہیں۔ اور انضمام (Integration) کی دو حالتیں ہیں؛ ایک زیادہ انضمام (Over-Integration) اور دوسرا کم انضمام (Low-Integration)۔ اس حالت کی بنیاد پر دو قسم کی خودکشی ہوتی ہے؛ ایثار آمیز خودکشی (Altruistic suicide) اور خود پسندانہ خودکشی (Egoistic Suicide)۔

(a) ایثار آمیز خودکشی (Altruistic Suicide)

خودکشی کی یہ قسم اس وقت واقع ہوتی ہے جب انسان اور سماج کے مابین رشتہ بہت مضبوط ہوتا ہے، یعنی فرد کی زندگی میں سماجی روایات اور اقدار کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ ان اقدار کی پاسداری کے لیے انسان اپنی جان تک قربان کردیتا ہے۔ یہ حالات قدیم اور روایتی سماجوں میں دیکھنے کو ملتے تھے، جہاں میکانکی استحکام پایا جاتا تھا۔ اس طرح کے سماج میں افراد اور سماج کے درمیان انضمام زیادہ (Over-Integration) رہتا ہے۔ مثال کے طور پر قدیم ہندو سماج میں ستی (Sati) کی رسم تھی۔ یہ ایک خودکشی تھی جس میں بیوی اپنے شوہر کی چتا کے ساتھ خود کو جلا ڈالتی تھی۔ اسی طرح جنگوں میں لڑنے والے سپاہی ہوتے ہیں جو ملک کی سالمیت کی خاطر اپنی جان قربان کر ڈالتے ہیں۔ سماج کی غیر معمولی توقعات کے نتیجے میں خودکشی کی یہ قسم ظاہر ہوتی ہے۔ سماج اس قسم کی خودکشی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

(b) خود پسندانہ خودکشی (Egoistic Suicide)

خودکشی کی یہ قسم اس وقت واقع ہوتی ہے جب انسان اور سماج کے مابین رشتہ کمزور ہوجاتا ہے۔ یعنی جب انسان اور سماج کے درمیان کم انضمام (Low-Integration) ہوتا ہے، تب اس طرح کی خودکشی واقع ہوتی ہے جسے ہم خود پسندانہ خودکشی (Egoistic Suicide) کے نام سے جانتے ہیں۔ جب سماجی رشتے کمزور ہوجاتے ہیں، فرد سب سے کٹ کر الگ تھلگ رہنے لگتا ہے، اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرنے لگتا ہے اور اسے اس بات کا احساس ہونے لگتا ہے کہ وہ سماج کا حصہ نہیں ہے، یا سماج ایک علاحدہ وجود ہے جس سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، تو ایسی حالت میں اس کے اندر مایوسی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور وہ خودکشی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ خود پسندانہ خودکشی وہ

خودکشی ہے جو ناکامی، ذہنی پریشانی اور مایوسی کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ درکھائم کا کہنا ہے کہ پروٹسٹنٹ کے مقابلے میں کیتھولک فرقے میں خودکشی شرح کم ہے، کیونکہ پروٹسٹنٹ فرقے میں فرد اور سماج کا ربط مضبوط اور گہرا نہیں ہوتا ہے، یعنی ان کے یہاں فرد اور سماج کے درمیان کم انضمام (Low-Integration) پایا جاتا ہے۔

(II) ضابطہ کی قوتیں (Forces of Regulation) ۔ اس سے مراد افراد کے طور طریقوں پر سماج کا کنٹرول ہے۔ افراد پر سماج کا زیادہ کنٹرول (Over-Regulation) اور کم کنٹرول (Under-Regulation) کی بنیاد پر درکھائم نے خودکشی کی دو قسمیں بیان کی ہے: بے ضابطہ خودکشی (Anomic Suicide) ، اور جبر پر مبنی خودکشی (Fatalistic Suicide) ۔

(a) بے ضابطہ خودکشی (Anomic Suicide)

جب سماج میں ان اصول وضوابط کا فقدان ہوتا ہے جو لوگوں کے طرز عمل کی رہنمائی کرتے ہیں، تو ایسے وقت میں ہونے والی خودکشی کو بے ضابطہ خودکشی یعنی Anomic Suicide کہا جاتا ہے۔ انسان پرسکون زندگی گزارنے کے لیے کچھ قواعد وضوابط کا محتاج ہوتا ہے جو خوشی اور غم کے موقع پر اس کی رہنمائی کرتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات انسانی زندگی میں اچانک ایسے حالات پیش آجاتے ہیں جو انسان کے لیے ناقابل برداشت ہوتے ہیں اور اسے جھیلنے اور مقابلہ کرنے کا اس کے پاس کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ انسان ایسے وقت میں مایوسی اور قنوطیت کا شکار ہو جاتا ہے، اور پھر اس سے دل برداشتہ ہو کر اپنے آپ کو ہلاک کر لیتا ہے۔ Anomie سے مراد وہ حالت ہے جس میں انسان کے پاس کوئی ضابطہ زندگی اور قانون نہ ہو، انسان اچانک واقع ہونے والے واقعے کی وجہ سے ذہنی الجھن کا شکار ہو جائے۔ مثال کے طور پر اگر اچانک معاشی بحران ہو جائے یا اچانک معاشی خوشحالی آجائے، تو ایسے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے سماج انسان کو کوئی قاعدہ اور ضابطہ فراہم نہیں کرتا۔ ایسی کیفیت میں جب انسان خودکشی کرتا ہے تو اسے بے ضابطہ خودکشی کہتے ہیں۔ چونکہ اس طرح کی خودکشی ضابطے کے فقدان (Under-Regulation) کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(b) جبر پر مبنی خودکشی (Fatalistic Suicide)

خودکشی کی یہ قسم اس وقت واقع ہوتی ہے جب فرد کے اوپر سماج کا غیر معمولی کنٹرول ہوتا ہے۔ انسان کی زندگی میں حد سے زیادہ کنٹرول اس کے لیے اذیت کا باعث ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو لاچار اور مجبور سمجھنے اور محسوس کرنے لگتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ اس مصیبت سے چھٹکارا صرف خودکشی کرنے میں ہی سمجھتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک نوکر ہے جس کی ہر حرکت پر اس کے مالک کی نظر ہوتی ہے، اور وہ اس کی پوری زندگی کو کنٹرول کرتا ہے، اس سے زیادہ کام لیتا ہے، اس پر غیر ضروری پابندیاں نافذ کرتا ہے اور ہر بہانے اسے تکلیف اور اذیت دیتا ہے۔ نتیجتاً وہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو ختم کر لیتا ہے۔ خودکشی کی اس قسم کو جبر پر مبنی خودکشی (Fatalistic Suicide) کہتے ہیں، چونکہ اس میں فرد کے اوپر حد سے زیادہ پابندیاں (Over-Regulation) نافذ کی جاتی ہیں، اور فرد پر جبر کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اسے جبر پر مبنی خودکشی کا نام دیا گیا ہے۔ درکھائم نے سماجیات کا دائرہ کار سماجی حقائق متعین کیا ہے، اور اس کی یہ فکر ہمیں اس کے تمام ہی تصورات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ خودکشی کے

حوالے سے اس نے اپنی تحقیق سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خودکشی کا سبب ذہنی اور نفسیاتی نہیں ہے، بلکہ اس کا سماجی سبب ہے، اور ہمیں سماجی قوتوں میں ہی اس کے اسباب تلاش کرنے ہوں گے۔

مذہب سے متعلق درکھائم کا نظریہ (Durkheim's Views on Religion)

مذہب کیا ہے؟ قدیم زمانے میں اس کی کیا شکلیں رہی ہیں؟ اور اس کی سماجی معنویت کیا ہے؟ اس عنوان پر درکھائم نے اپنی کتاب The Elementary forms of Religious Life جسے ہم اردو میں 'مذہبی زندگی کی ابتدائی شکلیں' کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں، میں بحث کی ہے۔ مشہور مفکر ریمنڈ آیرن اس کتاب کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ درکھائم کی سب سے معیاری، مستند اور مقبول کتاب ہے۔ اس کتاب میں درکھائم نے مذہب کی اصل (Origin) اور سماجی یکجہتی میں اس کے مثبت کردار پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ مذہب کی اصل اور ابتدا سماج میں مضمر ہے۔ اس کا وجود مابعد الطبیعیاتی نہیں بلکہ سماجی ہے۔

درکھائم کے مطابق مذہب کی تعریف بیان کرتے ہوئے دو اہم نکات کو پیش نظر رکھنا چاہئے: اولاً، تمام ہی مذاہب کو عقائد (Beliefs) اور رسم ورواج (Rites) کے نظام کے تحت دیکھنا چاہیے۔ عقائد سے مراد وہ خیالات اور یقین ہیں جو انسان کسی مقدس چیز کے تعلق سے اپناتا ہے، جبکہ رسم اس عمل کو کہتے ہیں جو انسان کی کسی مذہب سے وابستگی ظاہر کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ دنیا کو دو حصوں متبرک (Sacred) اور غیر متبرک (Profane) میں تقسیم کرتا ہے۔ متبرک اور غیر متبرک مذہب کے سماجی نظریے کی بنیاد ہیں۔ متبرک سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جس کو انسان محترم اور مقدس سمجھتا ہے بشمول مذہبی عقائد، رسوم، دیوی اور دیوتا یا وہ چیز جو سماجی طور پر مذہبی سلوک کا تقاضا کرتی ہیں۔ غیر متبرک کا مطلب روزانہ کی وہ چیزیں ہیں جو انسان کی زندگی میں بہت عام ہیں اور جسے متبرک میں شمار نہیں کیا جاتا ہے۔

درکھائم کا کہنا ہے کہ مذہب ایک سماجی وجود (Social Entity) ہے، اور اسے سمجھنے کے لیے ہمیں مذہب کی قدیم اور ابتدائی شکلوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس کے لیے اس نے آسٹریلیا کے ارونتا قبیلہ (Arunta Tribe) کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ پایا کہ وہاں کے لوگ 'ٹوٹم' (Totem) کی عبادت کیا کرتے تھے، اور قبیلے کے تمام ہی لوگ اپنی نسبت اسی ٹوٹم سے کرتے تھے جس سے ان کے اندر باہمی اتحاد اور محبت پیدا ہوتی تھی۔ درکھائم کے مطابق مذہب عقائد اور اعمال کا ایک مکمل نظام ہے جس کا تعلق مقدس اور متبرک چیزوں سے ہے، یعنی وہ چیزیں جسے انسان لائق تعظیم سمجھتا ہو، اور وہ عقائد و اعمال جو اس کے ماننے والوں کو باہم متحد کر کے ایک با اخلاق گروہ کی شکل دیتا ہو۔

سماج میں تقسیم کار (The Division of Labour in Society)

فرانس کے انقلاب کی وجہ سے وہاں کی سماجی تنظیم پر بہت گہرے اثرات پڑے جس کے نتیجے میں تمام ہی اداروں میں بنیادی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ ایسے ماحول میں یہ بہت بڑا چیلنج تھا کہ سماجی یکجہتی و استحکام کو کیسے برقرار رکھا جائے۔ یہ سوال اٹھتا ہے کہ جدید سماج جو کہ بہت زیادہ متنوع اور پیچیدہ ہے، میں کون سا عنصر ہے جس کی وجہ سے سماج کے تمام ہی اجزا باہم مربوط اور جڑے ہوئے ہیں؟ اس سوال

کی وضاحت اس نے اپنی شاہکار تصنیف سماج میں تقسیم کار جسے انگریزی میں The Division of Labour in Society کہا جاتا ہے، میں کیاہے۔ 1880 کی دہائی میں درکھائم نے اسے اپنی پی۔ایچ۔ڈی کے مقالے کی حیثیت سے لکھا تھا جو بعد میں 1893 میں ایک مکمل کتاب کی شکل میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کو سماجیات کی سب سے پہلی کلاسیکی کتاب مانا جاتا ہے۔ یہ اس دور میں لکھی گئی ہے جب فرانسیسی سماج کا نظم وضبط بالکل بگڑ چکا تھا۔

اس کتاب میں درکھائم کا بنیادی سوال یہ ہے کہ آخر کیوں ایسا ہے کہ جہاں ایک طرف لوگ خود مختار ہوتے جارہے ہیں، وہیں دوسری طرف سماج پر ان کا انحصار بڑھتا جارہاہے؟ اس انحصار کو درکھائم سماجی یکجہتی (Social Solidarity) کی اصطلاح کی مدد سے واضح کرتا ہے۔ درکھائم نے یک جہتی کی دو قسمیں بیان کی ہے؛ ایک کو میکانکی یک جہتی (Mechanical Solidarity) اور دوسرے کو نامیاتی یک جہتی (Organic Solidarity) کہا جاتا ہے۔ قدیم سماج چونکہ سادہ اور غیر پیچیدہ (Simple) تھا، اس لیے اس میں میکانکی یک جہتی پائی جاتی تھی، اس کے بر خلاف آج کا سماج ایک بہت ہی پیچیدہ سماج (Complex Society) ہے، اس لیے اس میں نامیاتی یک جہتی پائی جاتی ہے۔

اس تصنیف سے درکھائم نے اگست کومٹ کے نظریے کی تردید کی۔ کومٹ کے مطابق بڑی سطح پر تقسیم کار فرانسیسی سماج میں بدنظمی اور ابتری کا باعث ہے۔ لیکن درکھائم کا کہنا ہے کہ تقسیم کار کے اصول کے باعث لوگ ایک دوسرے پر منحصر ہوتے ہیں جس سے سماج میں ایک دوسرے نوعیت کی یکجہتی قائم ہوتی ہے جسے ہم نامیاتی یکجہتی کہتے ہیں۔ درکھائم کا مزید کہنا ہے کہ سماج میں تقسیم کار ایک سماجی حقیقت (Social Fact) ہے اور یہ سماج کی آزادانہ ترقی کا نتیجہ ہے۔ دراصل اس تصور کے ذریعے درکھائم یہ بتانا چاہتا ہے کہ سماجی نظم اور استحکام کس طرح قائم اور برقرار رہتا ہے۔ سادہ سماج میں بھی یکجہتی اور استحکام تھا جسے وہ میکانکی یکجہتی کہتا ہے اور آج کے جدید اور صنعتی سماج میں بھی یکجہتی پائی جاتی ہے جسے وہ نامیاتی یکجہتی کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے۔

17.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے سے آپ کو درکھائم کی زندگی اور سماجیات کے میدان میں اس کی خدمات کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔ نیز درکھائم کی بنیادی فکر کیاہے، اور سماجیات کو علم نفسیات اور فلسفہ سے الگ کرنے کے سلسلے میں درکھائم نے کیا دلائل دئے ہیں، ان تمام چیزوں کے بارے میں واقفیت ہوئی۔ اس کے علاوہ اس اکائی کے مطالعے سے ہمیں درکھائم کے متعین کردہ سماجیات کا دائرہ کار، اور اس کے اہم نظریات سے بنیادی واقفیت ہوئی اور درکھائم کی چند اہم تصانیف کے بارے میں جانکاری حاصل ہوئی۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. درکھائم کی بنیادی فکر کیاہے؟
2. مذہب سے متعلق درکھائم کا کیا نظریہ ہے؟

3. سماجی یک جہتی کیا ہے؟

17.7 کلیدی الفاظ (Key Words)

سماجی حقائق: سماجی حقائق سماجی ساخت اور تہذیبی اقدار و روایات کو کہتے ہیں جو فرد کی استطاعت سے باہر ہو، اور جس پر عمل کرنے کے لیے فرد اپنے آپ کو سماجی طور پر مجبور پاتا ہو جسے انگریزی میں External to, and coercive of actors کہا جاتا ہے۔

سماجی یک جہتی: سماجی یک جہتی دراصل اس اجتماعی ضمیر، خیالات اور جذبات کو کہتے ہیں جو سماج میں بالکل رچ بس گیا ہو، یہ یک جہتی انسان کے مشترکہ طور طریقوں اور مشترکہ افکار و خیالات کی وجہ سے عمل میں آتی ہے، جو وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سماج کی ایک امتیازی شناخت بن جاتی ہے، اور جس سے سماج مضبوط اور مستحکم بنتا ہے۔

17.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Questions for Examination)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

(1) درکھائم کی پیدائش کس سن میں ہوئی تھی؟

(a) 1820   (b)1890

(d)1858   (c)1830

(2) درکھائم کا تعلق کس ملک سے تھا؟

(a)جرمنی   (b)فرانس

(c) آسٹریلیا   (d)انگلستان

(3) خودکشی (Suicide) نامی کتاب کس کی تصنیف ہے؟

(a)کارل مارکس   (b)امائل درکھائم

(c)میکس ویبر   (d)اگست کومٹ

(4) سماجی یک جہتی کا تصور کس نے پیش کیا ہے؟

(a)امائل درکھائم   (b)اگست کومٹ

(c)ایم۔این۔سری نواس   (d)ان میں سے کوئی نہیں

(5) مذہب کی تعریف کے ضمن میں درکھائم نے کس قبیلے کا مطالعہ کیا تھا؟

(a)اورونتا قبیلہ   (b)چینچو قبیلہ

(c)دونوں　　　(d)ان میں سے کوئی نہیں

(6) سماجی حقائق(Social Facts)کا تصور کس نے پیش کیا؟

(a)کارل مارکس　　　(b)میکس ویبر

(c)امائل درکھائم　　　(d)ایم۔این۔سری نواس

(7)ستی(Sati)درج ذیل میں خود کشی کی کون سی قسم میں شمار کی جاتی ہے؟

(a)ایثار آمیز خود کشی　　　(b)خود پسندانہ خود کشی

(c)بے ضابطہ خود کشی　　　(d)جبر پر مبنی خود کشی

(8)سادہ سماج (Simple Society)میں کس طرح کی یک جہتی پائی جاتی ہے؟

(a)میکانکی یک جہتی　　　(b)نامیاتی یک جہتی

(c)دونوں　　　(d)ان میں سے کوئی نہیں

(9) سماج میں تقسیم کار(The Division of Labour in Society) کس کی تصنیف ہے؟

(a)بی۔آر۔امبیڈکر　　　(b)امائل درکھائم

(c)ہربرٹ اسپنسر　　　(d)ان میں سے کوئی نہیں

(10)مذہبی زندگی کی ابتدائی شکلیں(The Elementary Forms of Religious Life)کے مصنف کون ہیں؟

(a)ایس۔سی۔دوبے　　　(b)آر۔کے۔مرٹن

(c)امائل درکھائم　　　(d)میکس ویبر

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

(1) سوشل فیکٹس(Social Facts) کی مختصراً وضاحت کیجیے۔

(2) درکھائم کی بنیادی فکر پر تبصرہ کیجیے۔

(3) متبرک (Sacred) اور غیر متبرک (Profane)کی اصطلاح کا کیا مطلب ہے؟

(4) سماجی یک جہتی کیا ہے؟اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟بیان کیجیے۔

(5) درکھائم کی زندگی کو مختصراً بیان کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

(1) درکھائم نے سماجیات کو فلسفہ اور علم نفسیات سے الگ کرنے کے لیے کون سے دلائل دئے تھے؟واضح کیجیے۔

(2) مذہب کے تعلق سے درکھائم کے نظریہ کی وضاحت کیجیے۔
(3) خودکشی(Suicide)کے تعلق سے درکھائم کے نظریئے کی وضاحت کیجیے۔

17.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Haralambos & Holborn, 2018, Sociology: Themes and Perspective, Harper Collins Publishers, New Delhi.
2. Ritzer, George, 2013, Sociological Theory, McGraw Hill Education, New Delhi.
3. Giddens, Anthony & Sutton, P.W, 2017, Sociology, Atlantic Publishers & Distributors, New Delhi
4. Osborne, Richard, 2016, Sociology for Beginners, Zidane Press, London.
5. Aron, Raymond. 1965. Main Currents in Sociological Thought. Vol.1, Penguin: Harmondsworth.

اکائی 18۔ در کھائم کا سماجی حقائق کا نظریہ

(Social Facts)

اکائی کے اجزا

18.0 تمہید

18.1 مقاصد

18.2 سماجی حقائق کے معنی

18.3 سماجی حقائق کی خصوصیات

18.4 سماجی حقائق کا مقصد

18.5 سماجی حقائق کے اقسام

18.6 سماجی حقائق کے مطالعے کے اصول

18.7 سماجی حقائق پر تنقیدیں

18.8 اکتسابی نتائج

18.9 کلیدی الفاظ

18.10 نمونہ امتحانی سوالات

18.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

18.0 تمہید (Introduction)

جیسا کہ پچھلی اکائیوں میں کہا گیا ہے کہ سماج میں ہر چیز کا انتساب فرد کی طرف کیا جاتا ہے، یعنی ہر چیز کو ہم فرد سے جوڑ کر دیکھتے ہیں یہاں تک کہ وہ مسائل جو واضح طور پر سماجی ہیں جیسے نسلی اور علاقائی عصبیت، ذات پات، فرقہ واریت، اور بڑے بڑے معاشیاتی مسائل کو بھی فرد کی سطح پر دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ در کھائم کا یہ سب سے بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے چیزوں کو دوسرے نقطہ نظر سے دیکھنے کا آغاز کیا، اور انسان کے تمام ہی مسائل کو سماج کی سطح پر دیکھنے کی تاکید کرتا رہا۔ اس وقت کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو سماج کو بحیثیت ایک اکائی اہمیت

دیتے تھے لیکن سماج کا سائنسی مطالعہ کرنے کا خیال ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ در کھائم کا یہ دوسرا بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے دنیا کے سامنے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی کہ سماج کا بھی سائنسی طریقے پر مشاہدہ اور مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

در کھائم نے سماجیات کو نہ صرف نئے تصورات (Concepts) سے بہرہ مند کیا، بلکہ نئے سماجیاتی نظریات اور تحقیق کے نئے اصول بھی دیے۔ اگست کومٹ اور ہربرٹ اسپنسر کے ساتھ ساتھ در کھائم کو بھی سماجیات کے بانیوں (Founding fathers) میں شمار کیا جاتا ہے ۔اس نے اپنے وقت کے اخلاقی مسائل کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا، اور فرانس کے اخلاقی اور سیاسی استحکام کے لیے علمی کوششیں کرتا رہا۔ در کھائم کا کہنا ہے کہ ایک سائنٹیفک سماجیاتی نظام کی مدد سے ہی ہم سماج کی اخلاقی سمت متعین کر سکتے ہیں، اور یہ سائنٹیفک سماجیاتی نظام مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ سماج کو اخلاقی طور پر مستحکم اور مضبوط کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس نے سماج کے مختلف پہلوؤں کا سائنسی نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا، اور اپنے پیچھے علم و تحقیق کا عظیم ورثہ چھوڑا ہے۔

اس کے مطابق سماجیات کا موضوع بحث (Subject Matter) سماجی حقائق ہے جسے اس نے سوشل فیکٹس (Social Facts) کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ سوشل فیکٹس یعنی سماجی حقائق کی تین اہم خصوصیات ہیں؛ بیرونی ہونا (Exteriority)، عمومیت (Generality) اور رکاوٹ (Constrain) ۔ سماج میں پائی جانے والی وہ تمام چیزیں جن میں یہ خصوصیات پائی جائیں اسے سماجی حقائق (Social Facts) کہا جائے گا اور یہی در کھائم کے مطابق سماجیات کا دائرہ کار ہے۔

سماج سماجی حقائق (Social Facts) کا مرکب ہے جو ہماری وجدانی سمجھ سے بالاتر ہے، اور جسے صرف مشاہدہ (Observation) اور پیمائش (Measurements) کے ذریعہ جانچ پڑتال کر کے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ سماجیات کی دنیا میں در کھائم کا پیش کردہ یہ تصور اتنا اہم ثابت ہوا کہ اسے سماجیات کے بانیان میں سے کہا جانے لگا۔ سماجیات کو ایک مستقل اور منظم مضمون کی حیثیت سے متعارف کرانے کا سہرا حقیقت میں در کھائم کو ہی جاتا ہے۔ اس اکائی میں ہم سماجی حقائق کو تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

18.1 مقاصد (Objectives)

در کھائم نے سماجی حقائق کو سماجیات کا دائرہ کار (Subject Matter) قرار دیا ہے۔ اس اکائی کے مطالعے سے آپ کو درج ذیل چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوں گی؛

- سماجی حقائق کے معنی و مفہوم سے واقفیت ہو گی۔
- سماجی حقائق کی بنیادی خصوصیات کا علم ہو گا۔
- سماجی حقائق کے اقسام کے بارے میں آپ جان سکیں گے۔
- سماجی حقائق کے مقصد سے آپ کو واقفیت ہو جائے گی۔

18.2 سماجی حقائق کے معنی (Meaning of Social Facts)

سماجی حقائق کے معنی بیان کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ درکھائم کی فکر پر طبعی علوم اور اس کے طریقۂ تحقیق کا بہت گہرا اثر تھا۔ اسی لیے وہ کہتا تھا کہ جس طرح سے طبعی علوم میں مادے کا مطالعہ کیا جاتا ہے اسی طرح سماجیات میں سماج کا مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ درکھائم اس بات کا زبردست حامی تھا کہ آفاقی سماجی قوانین (Universal Social Laws) ہی واحد ذریعہ ہیں جن سے سماجی مسائل کی جانچ پڑتال اور ٹھیک طریقے سے اس کی تحقیق ممکن ہے اور یہ ذمہ داری ماہرین سماجیات پر عائد ہوتی ہے کہ سماج کا مطالعہ کرتے وقت وہ آفاقی سماجی قوانین کو استعمال کریں اور ان کی کھوج کریں۔ اس حوالے سے درکھائم کا سماجی حقائق کا تصور کافی اہمیت رکھتا ہے۔ درکھائم کا یہ تصور ایک نئے سائنسی مضمون کی بنیاد رکھنے کے تعلق سے کافی اہم سمجھا جاتا ہے۔

آفاقی سماجی قوانین (Universal Social Laws) کی پہچان کیسے کی جائے؟ اس ضمن میں سب سے پہلے اس بات کو یقین رکھنا کہ جس طرح طبعی دنیا میں کچھ مسلمہ حقائق ہیں اسی طرح سماجی دنیا میں بھی چند سماجی حقائق ہیں۔ درکھائم کا کہنا ہے کہ جس طرح سے طبعی محرکات (Natural Stimuli) کے نتیجے میں مادی اشیا کی ہیئت میں تبدیلی ہوتی ہے، اسی طرح انسان کے اخلاق و اطوار کو بھی سماجی محرکات کے نتیجے کے طور پر دیکھنا چاہیے۔ وہ سماجی محرکات جو فرد کی سوچ، احساس، جذبات اور پوری شخصیت کی تشکیل کرتے ہیں۔ فرد لاشعوری طور پر سماجی روایات، سماجی اقدار اور سماجی طرز حیات کی اتباع کرتا ہے۔ اسی کو درکھائم کی زبان میں سماجی حقائق (Social Facts) کہا جاتا ہے۔

درکھائم ایک فنکشنلسٹ (Functionalist) ماہر سماجیات ہے۔ اس نے سماجی استحکام اور یکجہتی کا مطالعہ کیا ہے۔ فنکشنل نظریے کے مطابق سماج کے تمام ہی اجزا باہم اس طرح جڑے اور مربوط ہیں جس سے ایک نظام (System) کی تشکیل ہوتی ہے۔ اگر ہمیں سماج کے کسی حصے جیسے کہ مذہب، خاندان، سیاست وغیرہ کو سمجھنا ہے تو ہم اس کو علاحدگی میں نہیں سمجھ سکتے بلکہ اس کے لیے پورے سماج کو سامنے رکھنا ہوتا ہے۔ اس نظریے کے مطابق سماج کا ہر حصہ سماجی نظام کو مستحکم بنانے میں اپنا رول ادا کرتا ہے۔ انسانی افعال سماجی ساخت سے تشکیل پاتے اور منضبط ہوتے ہیں۔ لوگوں کی طرز حیات سماجی ساخت کی قوتوں (Forces) کے تابع ہوتی ہے۔

فنکشنل نظریے کے ناقدین کا کہنا ہے کہ اس نظریے نے فرد کی ایسی تصویر کشی کی ہے جس کے مطابق فرد کا اپنے عمل و ارادے میں کوئی اختیار نہیں رہتا۔ لوگوں کے اخلاق و برتاؤ سماجی ساخت ہی منضبط کرتا ہے۔ درکھائم اس تنقید کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سماج کی اپنی ایک حقیقت ہے جو تمام ہی افراد کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے اور سماج کے تمام ہی لوگ سماجی حقیقت کے سامنے مجبور ہیں۔

سماجی حقائق (Social Facts)

درکھائم نے سماجیات کو ایک الگ اور آزاد مضمون کا درجہ دلانے کے لیے بہت کوششیں کی تاکہ دیگر سماجی علوم سے ہٹ کر اس کی ایک الگ شناخت بن سکے۔ اس کے لیے اس نے سماجیات کا ایک الگ دائرہ کار متعین کیا اور کہا کہ سماجیات کا مقصد سماجی حقائق کا سائنسی طور پر مطالعہ کرنا ہے۔

سماجی حقائق کیا ہیں ؟اس کی کیا خصوصیات اور اقسام ہیں ؟اسے ہم یہاں تفصیل سے جاننے کی کوشش کریں گے۔ سماجی حقائق بہت سے سماجی اجزا (Social Components) کا مرکب ہے۔ درکھائم کہتا ہے کہ سماجی حقائق کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کیا جائے جیسے ہم کسی 'چیز' کے ساتھ کرتے ہیں(Social facts are to be treated as things)۔یہی نکتہ سماجیات کو فلسفہ سے الگ کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سماجی حقائق کو سمجھنے کے لیے ہم وہی طریقہ تحقیق استعمال کریں گے جو ہم مادی چیزوں کو سمجھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کا مطالعہ تجربات و مشاہدات کی روشنی میں کیا جائے گا، نہ کہ فلسفہ کے انداز میں۔

درکھائم کا کہنا ہے کہ افکار و خیالات کو ذہن کے استعمال سے سمجھا جاسکتا ہے چونکہ یہ ایک ذہنی کام (Mental Activity) ہے، جب کہ سماجی حقائق کو غور و فکر سے نہیں بلکہ مشاہدے اور تجربات سے سمجھا جاسکتا ہے۔ چونکہ سماجی حقائق کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ہمیں جس قسم کے مواد کی ضرورت ہے وہ انسانی ذہنوں میں نہیں بلکہ انسانی سماج میں موجود ہیں۔ اور اس کا مطالعہ مشاہدات اور تجربات کی بنیاد پر ہی کیا جا سکتا ہے۔

درکھائم نے سماجی حقائق کو اپنی کتاب "The Rules of Sociological Method" میں بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کے مطابق سماجی حقائق انسانی برتاؤ، سوچ اور احساس کے عمومی طریقے ہیں۔ یہ انسان کی حد استطاعت سے باہر ہیں۔ یہ وہ بیرونی قوت ہے جو انسان کے عام رویوں کو منضبط کرتی ہے۔یعنی سماجی حقائق سے مراد وہ سماجی نمونے اور ضابطے (Social Patterns) ہیں جو فرد کی حد استطاعت سے باہر ہوں جسے انگریزی میں External to individuals کہتے ہیں۔ مثلاً رسم و رواج، انسانی برتاؤ کے طور طریقے، اور سماجی اقدار وغیرہ۔ فرد ملنے جلنے اور خوشی و غم کے اظہار کے وہی طریقے اپناتا ہے جو اس کے سماج میں رائج ہیں اور وہ ایسا کرنے پر مجبور ہے۔ جبکہ نفسیاتی قوت فرد کے اندر مضمر ہوتی ہے ، یہ سماجی نہیں ہوتی ہے۔ اسی لیے سماجی حقائق کو حیاتیات(Biology) اور نفسیات (Psychology) کے ذریعے نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے سماجیات کی ضرورت پڑتی ہے۔

درکھائم کے نزدیک سماجی حقائق سے مراد طریقہ عمل، سوچنے اور سمجھنے کا منہج اور محسوسات کے وہ طریقے ہیں جو انسانی استطاعت سے باہر ہوں اور ان کی فطرت جبری نوعیت کی ہو نیز یہ برتاؤ کو کنٹرول کرتے ہوں۔ اس کی تعریف درج ذیل ہے؛

"ways of acting, thinking and feeling, external to the individual and endowed with a power of coercion , by reason of which they control him"

اسے اس مثال سے سمجھ سکتے ہیں جیسے کہ یونیورسٹی کے قوانین و ضوابط، داخلہ اور فراغت کے قاعدے، نصاب اور امتحانات وغیرہ کے متعلق جو فیصلے یونیورسٹی انتظامیہ کی جانب سے کئے جاتے ہیں طلباء کو یہ سب قبول کرنا ہی ہوتا ہے چونکہ وہ ایک یونیورسٹی کی ساخت سے (Structure) بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسان سماجی زندگی کے تمام ہی شعبہ جات میں ایک خاص انداز میں عمل اور رد عمل کرنے پر مجبور رہتا ہے۔

درج بالا بحث کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سماجی حقائق (Social Facts) ایک ایسی اصطلاح ہے جس سے سماجی طور پر مقبول طور طریقے مراد ہیں، جو افراد کو ایک خاص انداز سے میل جول اور عمل کرنے پر مجبور کرتے ہیں، اور جس کی مذہبی، نفسیاتی اور حیاتیاتی سطح پر وضاحت ممکن نہیں ہے، بلکہ اس کی وضاحت صرف اور صرف سماجی طور پر ہی کی جاسکتی ہے۔

18.3 سماجی حقائق کی خصوصیات (Characteristics of Social Facts)

درکھائم کا کہنا ہے کہ سماجیات کا موضوع بحث اور دائرہ کار سماجی حقائق (Social facts) ہیں۔ اسی لیے سماجی حقائق کو سمجھنے کے لئے ان کے ساتھ 'چیز' (Thing) جیسا برتاؤ کرنا چاہئے۔ یعنی جن طریقوں سے ایک ماہر حیاتیات مادی چیزوں کا مطالعہ کرتا ہے ویسے ہی ایک ماہر سماجیات کو سماجی حقائق کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ اس کی معروضیت (Objectivity) برقرار رہے۔ اب ہم ذیل میں سماجی حقائق کی خصوصیات بیان کر رہے ہیں تاکہ طالب علم ان خصوصیات کی بنیاد پر سماجی حقائق کی شناخت کر سکیں۔

اس کا وجود بیرونی ہوتا ہے (External)

سماجی حقائق فرد کے وجود سے باہر کی چیز ہے جسے انگریزی میں External to individual کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ انسان کی ذات سے ملحق شئی نہیں ہے، بلکہ اس کا وجود باہری اور بیرونی ہے۔ ان کو سماج کی جانب سے قوت نافذہ ملی ہوئی ہوتی ہے جو انسان کے طور طریقوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور ان کو متاثر کرتے ہیں۔ سماجی حقائق فرد کی پیدائش سے پہلے ہی سماج میں موجود رہتے ہیں، اسی لیے انھیں سوئی جینرس (Sui-generis) کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شئی جس کا وجود خود سے ہوا ہو یعنی ان کے وجود میں فرد کو کوئی عمل دخل نہ ہو اور یہ سماج کے ساتھ باقی رہتے ہوں۔ فرد کے چلے جانے سے ان کی بقا پر کوئی اثر نہ ہوتا ہو۔ یہ فرد کے طور طریقوں کو متاثر کرتے ہیں اور فرد کو مجبور کرتے ہیں کہ اپنے عمل اور رد عمل کو ان کے مطابق بنائے۔

عمومی ہے (General)

سماجی حقائق اپنی فطرت میں عمومی ہوتے ہیں۔ اس کے اثرات بلالحاظ سماجی حیثیت کے سماج کے تمام ہی ارکان پر یکساں طور پر ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ کسی ایک فرد کی سمجھ اور فہم کا نتیجہ نہیں ہیں، اور نہ ہی یہ انفرادی حقیقت (Individual facts) ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ سماجی حقائق ہیں اور ان کی حیثیت سماجی اور عمومی نوعیت کی ہے۔ یعنی سماج میں موجود حقائق تمام افراد کے لئے یکساں ہوتے ہیں اور یکساں طور سے اپنے کردار کو نبھاتے ہیں۔ سماج کے تمام لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اسی لئے سماج میں موجود سارے لوگوں کا رہن سہن، اقدار و معیارات ایک ہوتے ہیں۔

جبری ہوتا ہے (Constrain)

سماجی حقائق کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندر جبر اور زور پایا جاتا ہے جو انسان کے افعال اور طور طریقوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ سماجی حقائق کے اندر 'جبر' (Constraint) کا پایا جانا اس کے وجود کو حقیقی بناتا ہے۔ کوئی انسان اگر اس سے اپنے آپ کو بچانا چاہے تو بالکل

نہیں بچا سکتا۔ مثلاً کسی سماج میں بولی جانے والی زبان اس سماج کے تناظر میں ایک سماجی حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہاں رہنے والا کوئی شخص سماج میں بولی جانے والی زبان کو چھوڑ کر نہیں رہ سکتا۔

18.4 سماجی حقائق کا مقصد (Purpose of Social Facts)

امائل درکھائم اثباتیت پسند (Positivist) مفکر تھا جو ریسرچ و تحقیق میں معروضیت کو قائم رکھنے کے تعلق سے بہت حساس تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جن طریقہ ہائے تحقیق کا استعمال ہم طبعی علوم کے مطالعے میں کرتے ہیں، سماجی حقائق کے مطالعے میں بھی ہمیں انھیں طریقہ ہائے تحقیق کا استعمال کرنا چاہئے۔ اس کے تصور سماجیات کی بنیاد سماجی حقائق کے نظریے پر ہے۔ یعنی اس کے نزدیک سماجیات کا دائرہ کار سماجی حقائق ہیں۔ وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ تمام سائنسی علوم میں ایک ایسا سائنس (مضمون) ہے جسے سماجیات کہا جاتا ہے، اور جو معروضی سائنس (Objective Science) ہے۔ اور اس کا موضوع سماجی حقائق ہے۔

چونکہ درکھائم طبعی علوم کے ماہرین سے بہت متاثر تھا، اور چاہتا تھا کہ جس طرح طبعی علوم کا مقصد آفاقی اصول کی تلاش ہے، اسی طرح سماجیات کا بھی مقصد سماج سے متعلق آفاقی اور متعینہ اصول کی تلاش ہونی چاہیے۔ اسی لیے اس نے سماجی حقائق کی اصطلاح کا استعمال کیا تاکہ اس نئے مضمون کو سائنسی بنیادوں پر قائم کیا جاسکے اور سائنسی علم کی حیثیت سے اسے متعارف کیا جاسکے۔

18.5 سماجی حقائق کے اقسام (Types of Social Facts)

جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر کیا گیا ہے کہ سماجی حقیقت دراصل ایک ایسی چیز (Thing) ہے، جو بیرونی (External) اور جابرانہ (Coercive) نوعیت کی ہے۔ یہ سماج کے تمام افراد کے لئے ہوتا ہے اور اس کا انسانی افعال پر کنٹرول رہتا ہے۔ اب سماجی حقائق کے اقسام پر بحث کریں گے، اور یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ درکھائم کے نزدیک کتنے طرح کے سماجی اقسام ہیں، اور سماجیات میں کون سی قسم زیادہ اہم ہے۔

درکھائم نے دو طرح کے سماجی حقائق بتائے ہیں۔ ایک **مادی سماجی حقائق (Material Social Facts)**، اور دوسرا **غیر مادی سماجی حقائق (Nonmaterial Social Facts)**۔

مادی سماجی حقائق وہ حقائق ہیں جن کا مادی وجود ہوتا ہے اور جن کو آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ فن تعمیر (Architecture)، ٹکنالوجی اور قانون (Law) مادی سماجی حقائق کی مثالیں ہیں۔ لیکن یہ سماجی حقائق درکھائم کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتے ہیں۔ درکھائم کی سماجیاتی افکار کا مرکز اور محور **غیر مادی سماجی حقائق (Nonmaterial Social Facts)** ہیں۔ غیر مادی سماجی حقائق سے مراد مذاہب، سماجی معیارات، سماجی اقدار، اخلاقیات، سماجی ادارے اجتماعی احساس اور کلچر ہیں۔ انہیں محسوس کیا جاسکتا ہے۔

سماجی حقائق فرد کی ذاتی خواہش اور مرضی سے آزاد ہیں۔ فرد کے اندر یہ استطاعت نہیں ہے کہ وہ سماجی حقائق میں کچھ تبدیلی کر سکے، لیکن سماجی حقائق کے اندر یہ قوت ہے کہ وہ لوگوں کے طور طریقوں کو اپنے مطابق ڈھال سکے۔

اس طرح درکھائم نے سماجی حقائق کو فرد سے زیادہ اہمیت دی ہے۔اس کا کہنا ہے کہ قدیم سماج میں غیر مادی سماجی حقائق کا غلبہ تھا۔لوگ مشترکہ اخلاقی اقدار، اصولوں اور مضبوط اجتماعی احساس سے بندھے ہوتے تھے۔ سماجیات کی شروعات مادی سماجی حقائق کے مطالعے سے ہوتی ہے جسے آسانی سے پڑھا اور سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ یہ قابل رسائی ہیں۔ان کی مدد سے غیر مادی سماجی حقائق کو سمجھا جاتا ہے جو کہ بہت تجریدی (Abstract) ہوتے ہیں، اور بغیر کسی واسطہ کے ان کے معانی و مفاہیم کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی لیے درکھائم کا کہنا ہے کہ ہم مادی سماجی حقائق کی مدد سے غیر مادی سماجی حقائق کو سمجھ سکتے ہیں۔

سماجی حقائق کے مطالعہ کو آسان اور قابل فہم بنانے کے حوالے سے درکھائم کا یہ کہنا تھا کہ ان کا مطالعہ سماج میں ان کے اثرات اور نتائج کی روشنی کیا جانا چاہیے۔اس طرح سے مطالعہ کرتے وقت تحقیق کرنے والے فرد کو چاہیے کہ وہ سائنسی طریقہ تحقیق کو اپنائیں اور معروضیت(Objectivity) کا پورا خیال رکھیں۔

سماجی حقائق کو دو طریقوں سے بیان کیا جاسکتا ہے؛

سماجی حقائق کے اسباب کا تعین (Determining Cause of Social Facts)

درکھائم کا کہنا ہے کہ ایک سماجی حقیقت کا سبب دوسرے سماجی حقیقت میں مضمر ہوتا ہے۔مثال کے طور پر خودکشی جو ایک سماجی حقیقت ہے اور اس کے اسباب بھی سماجی حقیقت میں مضمر ہوں گے۔یعنی اس کے اسباب کو فرد کی انفرادی زندگی میں تلاش کرنے کے بجائے ہم سماج میں مختلف سماجی حقائق کی مدد سے تلاش کریں۔

سماجی حقائق کے افعال کا تعین (Determining Functions of Social Facts)

درکھائم کے مطابق سماجی حقائق سماج کی کچھ بنیادی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں جو سماج کی بقا کے لیے لازمی ہیں۔ان میں سب سے اہم جو ضرورت ہے وہ سماجی استحکام اور سماجی نظم کو برقرار رکھنا ہے۔اس ضمن میں درکھائم کا کہنا ہے کہ کسی بھی سماج کا اجتماعی شعور ہی ہے جو سماجی استحکام(Social order) کو برقرار رکھتا ہے۔اور یہ لوگوں کے طور طریقوں پر فیصلہ کن اثرات مرتب کرتا ہے۔

18.6 سماجی حقائق کے مطالعے کے اصول (Methods for Studying Social Facts)

درکھائم نے سماجی حقائق کو معروضی حقیقت (Objective Reality) کی حیثیت سے جاننے کے لیے کچھ اصول بتائے ہیں جنہیں اس نے اپنی کتاب The Rules of Sociological Method, 1895, میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ذیل میں ہم ان اصولوں پر بات کریں گے؛

I۔مشاہدے کے اصول (Rules of Observation)

سماجی حقائق کے مطالعے کے ضمن میں سب سے اہم اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ انھیں 'چیز' (Thing) کی حیثیت سے دیکھا اور مطالعہ کیا جائے ۔ ان کو' چیز' (Thing) کی حیثیت سے مشاہدہ و مطالعہ کرنے سے ہی محقق کے لیے یہ ممکن ہو گا کہ وہ انھیں تجریدی

مظہر (Abstract Phenomenon) کی طرح نہیں، بلکہ معروضی حقیقت کی حیثیت میں سمجھنے میں کامیاب ہوپائے اور ایسا کرتے ہوئے وہ سماجی حقائق سے اپنے آپ کو علاحدہ رکھ سکے۔

II۔ زمرہ بندی کے اصول (Rules of Classification)

سماجی حقائق کی زمرہ بندی کرتے ہوئے درکھائم نے اس کی درج ذیل قسمیں بیان کی ہیں؛

(الف) ساختیاتی سماجی حقائق (Structural Social Facts)

یہ سماجی حقائق کی وہ قسم ہے جو سماج کو ایک ساخت اور شکل دیتی ہے جسے ہم شکلیاتی حقائق (Morphological Facts) بھی کہتے ہیں۔

(ب) ادارہ جاتی سماجی حقائق (Institutional Social Facts)

یہ سماجی حقائق کی وہ قسم ہے جو ادارہ جاتی سطح پر موجود و موثر ہوتی ہے۔ لوگوں کے عادات و اطوار پر اس کا غیر معمولی اثر رہتا ہے۔ لوگ اسے قبول کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ مثلاً مذہب، تقسیم کار (Division of labour)، اور خودکشی کی شرح وغیرہ۔ یہ وہ حقائق ہیں جو ادارہ جاتی نوعیت کے ہیں۔

(ج) غیر ادارہ جاتی سماجی حقائق (Non-Institutional Social Facts)

یہ وہ سماجی حقائق ہیں جنھیں لوگوں کی ایک بڑی تعداد آج بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہے، لیکن اس کے اندر لوگوں پر دباؤ بنانے کی قوت موجود ہے۔ اور یہ لوگوں کے اخلاق کو متاثر کرتے ہیں۔ ان کا ظہور اچانک ہوتا ہے اور بہت جلد ختم ہو جاتا ہے، بہت دیرپا نہیں ہوتا۔ مثلاً بھیڑ اور ہجوم۔ بھیڑ کی فطرت ہے کہ یہ اچانک ابھرتی ہے اور بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اسی کو سوشل کرنٹس (Social Currents) بھی کہتے ہیں۔

III۔ فرق کرنے کے اصول (Rules of Distinction)

سماجی حقائق کا مشاہدہ کرتے وقت ضروری ہے کہ سماج کی حالت صحت اور حالت مرض میں فرق کو ملحوظ رکھا جائے۔ عام طور پر سماجی حقائق حالت صحت میں موجود ہوتے ہیں، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے اندر حالت مرض کے عناصر بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ اس وقت تک حالت صحت میں ہوتے ہیں جب تک وہ اپنی عام شکل میں موجود ہوتے ہیں اور سماج کے تئیں ذمہ داریوں کو ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن اس وقت حالت مرض میں پہنچ جاتے ہیں جب سماج میں ان کا رول منفی نوعیت کا ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی بھی سماج ایک حد تک جرم کو برداشت کرتا ہے، اور یہ طبعی اور فطری ہے۔ لیکن اگر جرم بہت بڑھ جائے تو یہ حالت مرض ہوگی جو سماج کے لیے بہتر نہیں ہے۔

IV۔ تشریح کے اصول (Rules of Explanation)

سماجی حقائق کی وضاحت اور تشریح کے لیے درکھائم نے کچھ قاعدے بتائے ہیں جنھیں ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے۔

(الف) سماجی حقائق کا مطالعہ کرتے وقت محقق پر لازم ہے کہ وہ اپنی تحقیق میں معروضیت کا مکمل خیال رکھے۔ نیز دوران تحقیق اپنی ذاتی رائے، خیالات اور نظریات کو تحقیق پر اثر انداز نہ ہونے دے۔

(ب) سماجی حقائق کا مطالعہ کرتے وقت تحقیق کا وہی طریقہ استعمال کرنا چاہیے جو طبعی علوم میں کیا جاتا ہے۔ درکھائم نے اپنی تحقیق میں خود ان طریقوں کو استعمال کیا ہے۔مثلاً متلازم تغیرات (Concomitant Variations)، بالواسطہ تجربات (Indirect Experimentation)، شماریاتی تکنیک (Statistical techniques)۔ان تکنیک کو درکھائم نے اپنی تحقیقات میں استعمال کیا ہے۔ اگر ہم اس کے خودکشی کی تحقیق کا مطالعہ کریں تو دیکھیں گے کہ اس نے اس میں شماریاتی طریقے (Quantitative Methods) کو استعمال کیا ہے، اسی طرح مذہب سے متعلق اس کی تحقیق کا مطالعہ کرتے وقت ہم یہ پائیں گے کہ اس نے اس میں بالواسطہ تجربات (Indirect Experimentation) کا استعمال کیا ہے۔

(ج) تیسری اہم بات یہ ہے کہ سماجی حقائق کی تشریح سے عام اصول و نظریات کا پیدا ہونا ضروری ہے۔

18.7 سماجی حقائق پر تنقیدیں (Criticisms on Social Facts)

درکھائم کے اس تصور کو مختلف ماہرین سماجیات نے بہت پہلوؤں سے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ذیل میں ہم ان میں سے کچھ نکات کا ذکر کر رہے ہیں:

1. ہیڈلمین (Heidleman) کا ماننا ہے کہ درکھائم کا زیادہ زور سماج کی تشکیل کے بارے میں ہے اور اس نے طریقہ تحقیق پر کم ہی توجہ دی ہے۔
2. درکھائم نے انسان کے برتاؤ کے تعلق سے آفاقیت (Universalistic) اور عمومی نظریات پر بہت زور دیا ہے لیکن یہ انسانی افعال اور برتاؤ کا احاطہ کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ مرٹن (Merton) کے مطابق میڈل رینج (Middle Range) نظریات اس حوالے سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔
3. اسٹیفن لوکس (Stephen Lukes) اپنی کتاب Power: A Radical View, 1974 میں کہتا ہے کہ درکھائم نے تجربیت (Empiricism) اور اخلاق پسندی (Moralism) پر کافی زور دیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس نے انسانی جذبات اور فرد کی داخلی کیفیت (Subjectivity) کو یکسر نظرانداز کیا ہے۔
4. پیٹر برجر (Peter Berger) درکھائم پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ درکھائم نے مضمون (Discipline) کے ساتھ ناانصافی کی ہے کیونکہ اس نے معروضیت پر اس قدر زور دیا کہ فرد کی ذاتی صلاحیت اور اس کی داخلی کیفیت کو بالکل ہی نظرانداز کر دیا۔ اس کا مزید یہ بھی کہنا ہے کہ سماجی مشاہدے میں معروضیت ممکن ہی نہیں ہے۔
5. سماجی حقائق کے حوالے سے درکھائم پر یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ کیوں ایک طرح کے سماجی حقائق مختلف افراد پر مختلف طرح سے اثرانداز ہوتے ہیں۔

6. ویبر کا کہنا ہے کہ سماجی حقائق اپنی حیثیت میں کوئی 'چیز' (Thing) نہیں ہیں کہ جسے کنکر کی طرح اکٹھا اور یکجا کیا جا سکے۔ یہ فرد کے اندرون میں پائے جاتے ہیں اور فرد پر ان کے اثرات اس بات پر منحصر رہتے ہیں کہ وہ انہیں یعنی سماجی حقائق کی تعبیر و تشریح کیسے کرتا ہے۔

غرض یہ کہ درکھائم نے سماج کو بڑی سطح (Macro Level) پر سمجھنے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے اس نے فرد کی ذاتی خصوصیات اور داخلی کیفیت پر توجہ نہیں دی۔ جبکہ سماج اور انسانوں کے برتاؤ کو سمجھنے کے لیے چھوٹے اور مائیکرو سطح (Micro Level) پر دیکھنے کی ضرورت ہے۔

18.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے سے ہم نے جانا کہ درکھائم کے نزدیک سماجی حقائق ہی سماجیات کا موضوع بحث اور دائرہ کار ہیں۔ یہ دراصل ایک ایسی اصطلاح ہے جس سے سماجی طور پر معروف طور طریقے مراد ہیں، جو افراد کو ایک مخصوص انداز سے باہمی میل جول اور عمل کرنے پر مجبور کرتے ہیں، اور جس کی مذہبی، نفسیاتی اور حیاتیاتی سطح پر وضاحت ممکن نہ ہو، بلکہ اس کی وضاحت صرف اور صرف سماجی طور پر ہی کی جاسکتی ہو۔ اس اکائی کو بغور پڑھنے سے ہمیں اس بات کا بھی علم ہوا کہ سماجی حقائق کو مادی اور غیر مادی حقائق میں تقسیم کیا جاتا ہے، لیکن درکھائم کے یہاں غیر مادی سماجی حقائق کی اہمیت تحقیق کے لئے زیادہ ہے۔

سوشل فیکٹس یعنی سماجی حقائق کی تین اہم خصوصیات ہیں؛ بیرونی ہونا (Exteriority) ، عمومیت (Generality) اور رکاوٹ (Constrain)۔ سماج میں پائی جانے والی وہ تمام چیزیں جن میں یہ خصوصیات پائی جائیں اسے سماجی حقائق کہا جائے گا۔ نیز اس اکائی سے سماجی حقائق کو بیان کرنے کے طریقے، اس کا مقصد اور اسکے مطالعے کے اصول کے بارے میں ہمیں علم ہوا ہے۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

سماجی حقائق سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

سماجی حقائق عمومی نوعیت کے ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

سماجی حقائق بیرونی نوعیت کے ہیں؟ اس سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

18.9 کلیدی الفاظ (Key Words)

سماجی حقائق: سماجی حقائق انسانی برتاؤ، سوچ اور احساس کے عمومی طریقے ہیں، یہ انسان کے حد استطاعت سے باہر ہیں، یہ وہ بیرونی قوت ہے جو انسان کے عام رویوں کو منضبط کرتی ہے۔

سماجی حقائق کی بیرونی نوعیت:۔یعنی یہ انسان کی ذات سے ملحق شئ نہیں ہے، بلکہ اس کا وجود باہری اور بیرونی ہے۔ان کو سماج کی جانب سے قوت نافذہ ملی ہوئی ہوتی ہے جو انسان کے طور طریقوں کو متاثر کرتے ہیں۔

سماجی حقائق کی عمومی نوعیت: سماجی حقائق کی بیرونی نوعیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنی فطرت میں عمومی ہوتے ہیں۔ اس کے اثرات بلالحاظ سماجی حیثیت کے سماج کے تمام ہی ارکان پر یکساں طور پر ہوتے ہیں۔اس کا درجہ سماجی اور عمومی نوعیت کا ہے۔

18.10 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Type Questions)

(1) سماجی حقائق کا تصور کس نے پیش کیا؟

(1) کارل مارکس (2) امائل درکھائم (3) ہربرٹ اسپنسر (4) ان میں سے کوئی نہیں

(2) سماجیات کو ایک آزاد اور خود مختار مضمون کی حیثیت سے متعارف کرانے میں درج ذیل میں سے کس کا اہم کردار ہے؟

(1) امائل درکھائم (2) اگست کومٹ (3) میکس ویبر (4) کارل مارکس

(3) سماجی حقائق ______ نوعیت کے ہوتے ہیں۔

(1)اندرونی (2) بیرونی (3) دونوں (4) ان میں سے کوئی نہیں

(4) خودکشی (Suicide)پر کس کی تحقیق ہے؟

(1) ایم۔این۔سری نواس (2) بی۔آر۔امبیڈکر (3)امائل درکھائم (4) اگست کومٹ

(5) سماجی حقائق کو ________ کی طرح دیکھا جانا چاہئے۔

(1) چیز (2)قانون (3) مذہب (4) اصول

(6) درج ذیل میں کون مادی سماجی حقائق میں شمار ہوتا ہے؟

(1) فن تعمیر (2) اخلاقی قدر (3)دونوں (4) ان میں سے کوئی نہیں

(7) سماجی حقائق کی کتنی قسمیں ہیں؟

(1)تین (2) دو (3)چار (4)پانچ

(8) 'The Rules of Sociological Method' کس کی تصنیف ہے؟

(1) میکس ویبر (2)امائل درکھائم

(3)ایس۔سی۔دوبے (4)ان میں سے کوئی نہیں

(9) درکھائم کے مطابق سماجیات کے مطالعے میں کس طرح کے طریقہ تحقیق استعمال کرنا چاہئے؟

(1) جو طبیعاتی علوم کی تحقیق میں استعمال کرتے ہیں (2) zجو طریقہ علم فلسفہ میں استعمال کیا جاتا ہے

(3) دونوں طریقے (4)ان میں سے کوئی نہیں

(10) درج ذیل میں کون غیر مادی سماجی حقائق میں شمار ہوتا ہے؟

(1)سماجی اقدار (2) قانون

(3)دونوں (4) ان میں سے کوئی نہیں

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

(1) درکھائم نے سماجیات کو نفسیات اور فلسفہ کے الگ کرنے کے لیے کس طریقہ کار کو اپنایا؟ مختصراً بیان کیجیے۔

(2) سماجی حقائق کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

(3) سماجی حقائق کی خصوصیات پر مختصراً تبصرہ کیجیے۔

(4) سماجی حقائق کی خصوصیات کو واضح کیجیے۔

(5) سماجی حقائق عمومی اور بیرونی نوعیت کے ہیں۔ اس سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ واضح کیجے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

(1) سماجی حقائق کیا ہیں؟ اور اس کا مقصد کیا ہے؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

(2) سماجی حقائق کے مطالعے کے اصول بیان کیجیے۔

(3) سماجی حقائق کو بیان کرنے کے کیا طریقے ہیں؟ واضح کیجیے۔

18.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Bottomore, T.B. 1962, Sociology A Guide to Problems and Literature, George Allen & Unwin Ltd.: London.
2. Inkeles, A. 1975, What is Sociology? Prentice-Hall : New Delhi
3. Aron, Raymond. 1965. Main Currents in Sociological Thought. Vol. 1, Penguin: Harmondsworth.
4. Coser, Lewis A, 1971. Masters of Sociological Thought: Ideas in Historical and Social Context, Harcourt Brace Jovanovich. Inc: New York.
5. Baert, Patrick, 1998, Social Theory in the Twentieth Century, Polity.

اکائی 19۔ درکھائم کا نظریۂ خودکشی

(Suicide)

اکائی کے اجزا

19.0 تمہید

19.1 مقاصد

19.2 درکھائم کی بنیادی فکر

19.3 درکھائم کا نظریہ خودکشی

19.4 خودکشی کے اقسام

19.4.1 بے ضابطہ خودکشی

19.4.2 خود پسندانہ خودکشی

19.4.3 ایثار آمیز خودکشی

19.4.4 جبر پر مبنی خودکشی

19.5 تصور خودکشی پر تنقید

19.6 اکتسابی نتائج

19.7 کلیدی الفاظ

19.8 نمونہ امتحانی سوالات

19.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

19.0 تمہید (Introduction)

انسانی اعمال کی تعبیر و تشریح کے حوالے سے سماجیات میں دو اہم اور بنیادی نقطۂ نظر موجود ہیں۔ایک کے مطابق فرد کے طور طریقے اور اس کے جملہ اعمال سماجی ڈھانچہ کنٹرول اور منضبط کرتا ہے۔یعنی فرد اپنی سوچ و فکر کی صلاحیت کے باوجود لاشعوری طور پر اپنے

سماج کے رائج طور طریقوں کے مطابق ہی عمل کرتا ہے۔اس فکر کے ماننے والے مفکرین سماجی مظاہر کا مطالعہ کرنے کے لیے طبعی علوم کے طریقۂ تحقیق کے استعمال کی وکالت کرتے ہیں۔اس کے برعکس دوسرے نقطۂ نظر کا کہنا ہے کہ چوں کہ انسان عقل وشعور رکھنے والی مخلوق ہے اور اس کے اعمال مادی اشیا (Material Things) کی طرح میکانکی انداز میں وجود پذیر نہیں ہوتے، بلکہ انسان کے اعمال ایک ہی سماج ، ایک ہی ماحول اور مشترک عوامل ہونے کے باجود بھی مختلف ہوتے ہیں، چوں کہ وہ اپنی عقل وصلاحیت کی مدد سے اپنے اعمال کا مالک ہے۔لہٰذا فرد کے اعمال پر سماجی ڈھانچے کا اثر نہیں ہوتا ہے۔وہ اپنی سوچ وفکر اور اپنے اعمال میں آزاد اور خود مختار ہوتا ہے۔اسی لیے فرد کے اعمال (Actions) کا مطالعہ آسان نہیں ہے۔اس کے مطالعے کے لیے طبعی علوم کے طریقہ تحقیق کا استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

امائل درکھائم پہلے نقطۂ نظر کی وکالت کرتا ہے۔اس کا کہنا ہے انسان اپنے طور طریقوں میں سماجی ڈھانچے پر منحصر رہتا ہے۔سماجی ڈھانچہ ہی اس کے جملہ اعمال کو کنٹرول اور منضبط کرتا ہے۔درکھائم کی سماجیاتی فکر میں سماجی حقائق (Social Facts) کی نمایاں حیثیت ہے چوں کہ سماجی حقائق ہی سماجیات کا موضوع بحث ہیں۔جس مظہر (Phenomenon) کو سماجی حقیقت کی حیثیت حاصل ہے اسے سماجیات کے دائرے میں رکھا جائے گا۔اسی بنیادی نقطے کے تحت درکھائم نے مذہب، تقسیم کار اور خودکشی کا مطالعہ کیا ہے۔درکھائم کے نزدیک خودکشی نفسیاتی نہیں بلکہ ایک سماجی حقیقت ہے،لہٰذا اسے سماجیت کا موضوع ہونا چاہیے۔

سماجیات میں طریقۂ تحقیق کے حوالے سے درکھائم اس بات کا زبردست حامی تھا کہ جس طریقہ تحقیق کا استعمال طبعی علوم میں کیا جاتا ہے اسی طریقہ تحقیق کو سماجی علوم میں بھی کیا جانا چاہیے۔اسی لیے وہ تجربیت(Empiricism) پر بہت زور دیتا ہے اور کہتا ہے کہ انسانی افعال سماجی ساخت کے ذریعے منضبط اور کنٹرول ہوتے ہیں۔لہٰذا ماہرین سماجیات کی ذمہ داری ہے کہ وہ سماجی پہلو کا مطالعہ کرتے وقت معروضیت پر عمل کریں۔سماجیات میں تجربیت کو قائم کرنے کی پہلی کوشش درکھائم نے اپنی تصنیف خودکشی (Suicide) کے ذریعے کی ہے۔خودکشی کا مطالعہ کرتے وقت درکھائم نے فرد کے ذاتی مسائل اور مظاہر کو سماجیاتی طور پر سمجھنے کی کوشش کی ہے۔اس نے سماجیات میں سائنسی طریقہ تحقیق کی وکالت کی۔خودکشی پر اس کے مطالعے کو سماجیات میں طریقۂ تحقیق کی شروعات مانا جاتا ہے کیوں کہ اس کی بنیاد ان مواد (Data) پر تھی جس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور جس کو تولا اور ناپا (Measure) جاسکتا ہے۔درکھائم کے اس طریقہ تحقیق کو سماجیات کی دنیا میں بہت سراہا گیا اور اسے سماجی مسائل کے ادراک کے لیے بہت مناسب اور عملی طریقہ قرار دیا گیا۔

چونکہ درکھائم کے نزدیک سماجی حقائق سماجیات کا موضوع بحث ہیں، اس لیے اس نے خودکشی کا مطالعہ کرتے وقت اس بات کی وضاحت کی کہ یہ (خودکشی) ایک سماجی حقیقت ہے اور یہ سماجیات کا موضوع ہے۔خودکشی کا مطالعہ کرتے وقت درکھائم کا اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ کوئی فرد کیوں خودکشی کرتا ہے، بلکہ اس کی دلچسپی اس بات میں تھی کہ مختلف گروہوں میں خودکشی کی شرح میں فرق کے کیا اسباب ہیں۔ذیل میں ہم خودکشی اور اس کی مختلف اقسام کے بارے میں تفصیل سے جاننے کی کوشش کریں گے۔

19.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے سے آپ کو درج ذیل چیزوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوں گی:

- درکھائم کے مطابق خودکشی ایک سماجی حقیقت (Social Fact) ہے۔
- درکھائم کا نظریہ خودکشی۔
- خودکشی کے اقسام۔

19.2 درکھائم کی بنیادی فکر (Basic Thought of Durkheim)

قبل اس کے کہ ہم درکھائم کے نظریہ خودکشی پر بحث کا آغاز کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فکر کے بارے میں چند بنیادی معلومات پر نظر ڈالیں تاکہ نظریہ خودکشی کو ہم آسانی سے سمجھ سکیں۔

درکھائم کی فکر حوالے سے ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس کی بنیاد اس نقطہ پر ہے کہ 'فرد کے اختیارات اجتماعی قوتوں (Collective Forces) کے تابع ہوتے ہیں' یعنی سماجی قوتیں فرد کے اخلاق واطوار اور سوچ وفکر کو تشکیل دیتی ہیں، اور فرد نادانستہ طور پر سماجی قوتوں کا اتباع کرتا رہتا ہے۔ درکھائم کی یہ فکر اس کے جملہ نظریات اور تحقیقات میں دیکھنے کو ملتی ہے خواہ مذہب کے تعلق سے اس کے نظریات ہوں یا خودکشی کے تعلق سے اس کے افکار ہوں۔ ان تمام میں ہمیں یہ بات دیکھنے کو ملتی ہے کہ درکھائم نے اجتماعیت اور اجتماعی قوتوں کو انفرادیت اور انفرادی قوتوں پر ترجیح دی ہے۔ سماجی علوم میں مسائل کو سمجھنے کا یہ بالکل نیا طریقہ تحقیق تھا۔

درکھائم نے انسانوں کے اخلاق واطوار کا مطالعہ مذہبی اور نفسیاتی دائرے سے اٹھ کر سماجیاتی نقطۂ نظر سے کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ درکھائم کی سماجیاتی فکر میں ہمیں دو بہت ہی اہم نکات ملتے ہیں اور ان کے تمام ہی نظریات اور سماجیاتی تصورات میں یہ دونوں نکات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ اس نے فرد پر سماج کو فوقیت دی ہے، اور دوسرا یہ ہے کہ سماج کا سائنسی انداز میں مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں خیالات ماہرین سماجیات کے درمیان ہمیشہ سے متنازع رہے ہیں اور آج بھی ہیں، لیکن درکھائم کے افکار کی معنویت آج بھی سماجیات میں پہلے جیسی ہی ہے۔ چونکہ درکھائم سے پہلے سماج میں واقع ہونے والی ہر چیز کا انتساب فرد کی طرف کیا جاتا تھا، یعنی ہر چیز کو فرد سے جوڑ کر دیکھا جاتا تھا۔ درکھائم کی تحقیقات نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ فرد کے اخلاق وعادات سماجی اور اجتماعی قوتوں کے تابع ہوتے ہیں۔ چنانچہ خودکشی کے تعلق سے بھی وہ فرد کی نفسیات پر نہیں، بلکہ سماجی قوتوں پر بحث کرتا ہے۔

19.3 درکھائم کا نظریہ خودکشی (Durkheim's Theory of Suicide)

درکھائم کے نزدیک سماجی حقائق سماجیات کا موضوع ہیں۔ سماجی حقائق کو اس نے مادی سماجی حقائق (Material Social Facts) اور غیر مادی سماجی حقائق (Non-material Social Facts) میں تقسیم کیا ہے۔ یہی غیر مادی سماجی حقائق ہی دراصل سماجیات کا موضوع ہیں۔ خودکشی کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے درکھائم نے سماجی بہاؤ (Social Currents) کی اصطلاح کا استعمال کیا جو غیر مادی سماجی حقائق میں آتے ہیں۔ سماجی بہاؤ کی تعریف بیان کرتے ہوئے درکھائم کا کہنا ہے کہ یہ وہ غیر مادی سماجی حقائق ہیں جن کی

معروضی (Objective) حیثیت ویسے ہی ہے جیسے کہ سماجی حقائق کی ہے۔ اور سماجی حقائق کی طرح یہ بھی فرد پر اپنا کنٹرول بر قرار رکھتے ہیں۔ لیکن ایک پہلو سے ان دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ سماجی بہاؤ کا عمل بغیر کسی تنظیمی شکل اختیار کئے جاری رہتا ہے۔

درکھائم نے سماجی بہاؤ کے تصور کو اپنی مشہور تصنیف 'The Rules of Sociological Method' میں بیان کیا ہے اور تجرباتی مطالعے (Empirical Study) میں اس کو ایک خاص اہمیت دی ہے جو آگے چل کر تجرباتی تحقیق کے ارتقا میں ایک نمونے کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اسی طرح درکھائم نے اپنی دوسری تصنیف 'Suicide' میں لکھا ہے کہ سماجی حقائق کی طرح سماجی بہاؤ بھی انسان کے حد استطاعت سے باہر ہے۔ یہ فرد کی ذات سے علاحدہ اور بیرون ہوتے ہیں جو انسان کے عام رویوں کو منضبط کرتے ہیں۔ درکھائم نے خودکشی کا مطالعہ اس وجہ سے کیا کیوں کہ یہ حقیقی اور مخصوص سماجی مظہر ہے۔ اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کو ایک ذاتی اور نفسیاتی عمل سمجھا جاتا تھا۔ درکھائم کا ماننا تھا کہ اگر وہ خودکشی جسے عام طور پر ذاتی اور نفسیاتی عمل سمجھا جاتا ہے، کو ساجیات کی سطح سے مطالعہ کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اس سے سماجیات کا دائرہ مستحکم ہو جائے گا۔

خودکشی (Suicide) پر درکھائم کی تحقیق سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ایک ماہر محقق کو نظریہ اور تحقیق کو کس طرح مربوط کرنا چاہئے۔ اس کا کہنا تھا کہ اس تحقیق سے اس کا مقصد صرف ایک خاص سماجی مسئلہ کا مطالعہ کرنا نہیں ہے بلکہ وہ اس کے ذریعہ ایک نئے سماجیاتی طرز تحقیق سے لوگوں کو روشناس کرانا چاہتا ہے۔ خودکشی کو عموماً ایک ذاتی عمل سمجھا جاتا ہے، لیکن درکھائم کے مطابق یہ ایک سماجی عمل ہے اور درکھائم نے اس پر تحقیق کر کے یہ ثابت کر دیا کہ سماجیاتی طور پر خودکشی کو کیسے بیان کیا جا سکتا ہے۔

بحیثیت ایک ماہر سماجیات درکھائم کا مقصد اس تحقیق کے ذریعے یہ بیان کرنا نہیں تھا کہ ایک فرد کیوں خودکشی کا ارتکاب کرتا ہے، بلکہ ان سماجی اسباب کو اجاگر کرنا تھا جو افراد کو ایسا کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی دکھانا چاہتا تھا کہ کیوں ایک طبقے میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد دوسرے طبقے کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اس نے اپنی اس تحقیق میں یوروپ کے مختلف علاقوں سے خودکشی سے متعلق پولیس ریکارڈ کا بغور مطالعہ کیا اور اس کی بنیاد پر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ خودکشی ایک سماجی مظہر (Social Phenomenon) ہے نا کہ نفسیاتی۔ اپنی اس تحقیق کے دوران درکھائم نے خودکشی کے موضوع پر بہت سی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس وقت کی غالب رائے کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ خودکشی کا سبب ذہنی اور نفسیاتی نہیں ہے، بلکہ اس کا سماجی سبب ہے، اور ہمیں سماجی قوتوں میں ہی اس کے اسباب تلاش کرنے ہوں گے۔ اپنی اس رائے کے حق میں درکھائم نے جو دلائل دیئے ہیں وہ درج ذیل ہیں؛

(1) اس کا کہنا ہے کہ خودکشی کو کسی بھی نفسیاتی، جغرافیائی، موروثی اور ماحولیاتی اسباب سے ملحق نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے اس وقت خودکشی کے متعلق مواد (Data) کو سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ خودکشی کی تعداد اور غیر سماجی عوامل میں کسی بھی قسم کا تعلق باہمی (Correlation) نہیں ہے۔

(2) اس نے خودکشی کے سماجیاتی اسباب کی وضاحت کی اور بتایا کہ خودکشی کی تعداد کا سماجی حقائق کے ساتھ تعلق باہمی (Correlation) ہے۔

(3) شماریاتی مواد (Statistical Data) کی بنیاد پر اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ خودکشی کی کچھ شرح سماج میں عام ہوتی ہے۔

درکھائم کا یہ کہنا ہے کہ خودکشی کے اسباب سماجیاتی ہیں۔ اگر درجہ حرارت (Temperature) خودکشی کا سبب ہوتا تو ان ممالک میں جہاں موسم سرد رہتا یا گرم رہتا ہے وہاں خودکشی کرنے والوں کی تعداد میں فرق نظر آتا، اسی طرح اگر اس کا تعلق ذہنی بیماری سے ہوتا تو خودکشی کی شرح اور ذہنی بیماری میں کوئی تعلق پایا جاتا۔ لیکن اس قسم کا کوئی ربط نہیں مل سکا، اس لئے درکھائم کا کہنا ہے کہ خودکشی کی شرح کا سبب سماجیاتی ہے نا کہ نفسیاتی یا ماحولیاتی۔

درکھائم نے شماریاتی تکنیک کو استعمال کرتے ہوئے خودکشی کے بہت سے سماجی اسباب کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے خودکشی کرنے والوں کی سماجی زندگی اور خودکشی کی شرح کے درمیان باہمی ربط کو تلاش کیا۔ اور مختلف سماجی عوامل (Variables) مثلاً، انسان کی شادی شدہ زندگی، علاقہ یعنی وہ شہر کا رہنے والا ہے یا دیہات کا، اس کی جنس اور مذہب وغیرہ کو اپنی تحقیق میں شامل کیا، اور خودکشی کی شرح اور ان سماجی عوامل کے درمیان ربط کو تلاش کیا۔ اپنی تحقیق کی بنیاد پر وہ درج ذیل نتیجے پر پہنچا ہے؛

(1) عورتوں کے مقابلے میں مردوں کے اندر خودکشی کے رجحانات زیادہ ہیں۔

(2) خودکشی کی شرح غیر شادی شدہ افراد میں زیادہ پائی جاتی ہے، کیونکہ شادی کے ذریعے انسان ایک مضبوط اور مستحکم رشتے میں بندھ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ خودکشی کے ارتکاب کرنے سے بچا رہتا ہے۔

(3) غیر ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے میں ترقی یافتہ ممالک میں خودکشی کی شرح زیادہ پائی جاتی ہے۔

(4) پروٹسٹنٹ (Protestant) فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگ کیتھولک (Catholic) فرقے کے مقابلے میں زیادہ خودکشی کرتے ہیں۔ درکھائم کا کہنا ہے چونکہ پروٹسٹنٹ لوگوں کے آپسی رشتے کیتھولک کے مقابلے میں بہت مضبوط اور مستحکم نہیں ہوتے ہیں اسی وجہ سے ان کے یہاں خودکشی کی شرح زیادہ ہے۔

(5) مردوں، عیسائی مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ اور غیر شادی شدہ لوگوں میں خودکشی کی شرح زیادہ ہے، وہیں عورتوں، یہودی مذہب سے تعلق رکھنے والے افراد اور شادی شدہ لوگوں میں اس کی شرح کم ہے۔

درج بالا تمام ہی حالتوں کے متعلق درکھائم کا کہنا ہے کہ خودکشی کی شرح ان لوگوں میں زیادہ ہے جو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مضبوطی سے جڑے ہوئے نہیں ہیں یعنی وہ آپس میں Less Integrated ہیں۔ اسی لئے درکھائم کا کہنا ہے کہ خودکشی ایک سماجی مظہر (Social Phenomenon) ہے۔ اس کے مطابق سماجی حقائق ہی اس بات کی وضاحت کر سکتے ہیں کہ ایک گروہ میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد دوسرے گروہ سے زیادہ یا کم کیوں ہے اور اس کے اسباب کیا ہیں۔ درکھائم کے مطابق خودکشی کی چار اقسام ہیں؛ خود پسندانہ خودکشی (Egoistic Suicide)، ایثار آمیز خودکشی (Altruistic Suicide)، بے ضابطہ خودکشی (Anomic Suicide)، اور جبر پر مبنی خودکشی (Fatalistic Suicide)۔

19.4 خودکشی کے اقسام (Types of Suicide)

خودکشی کے اقسام کو بیان کرتے ہوئے درکھائم نے دو طرح کے بندھن (Bonds) کی نشاندہی کی ہے جو افراد کو سماج سے

جوڑے ہوئے ہوتا ہے(1)جوڑنے کی قوتیں(Forces of Integration) (2)ضابطہ کی قوتیں (Forces of Regulation)

(I) جوڑنے کی قوتیں (Forces of Integration)۔ انضمام اور جوڑنے کی حالت کی بنیاد پر دو طرح کی خودکشی ہوتی ہے۔ اور انضمام (Integration) کی دو حالتیں ہیں؛ ایک زیادہ انضمام (Over-Integration)اور دوسرا کم انضمام(Low-Integration) ۔ اس حالت کی بنیاد پر دو قسم کی خودکشی ہوتی ہے؛ ایثار آمیز خودکشی (Altruistic Suicide) اور خود پسندانہ خودکشی (Egoistic Suicide)۔

19.4.1 (a)ایثار آمیز خودکشی (Altruistic Suicide)

خودکشی کی یہ قسم اس وقت واقع ہوتی ہے جب انسان اور سماج کے مابین رشتہ بہت مضبوط ہوتا ہے، یعنی فرد کی زندگی میں سماجی روایات اور اقدار کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ ان اقدار کی پاسداری کے لئے انسان اپنی جان دے دیتا ہے۔ یہ حالات قدیم اور روایتی سماجوں میں دیکھنے کو ملتے تھے ، جہاں میکانکی استحکام پایا جاتا تھا۔اس طرح کے سماج میں افراد اور سماج کے درمیان انضمام زیادہ (Over-Integration) رہتا ہے۔ مثال کے طور پر قدیم ہندو سماج میں ستی(Sati) کی رسم تھی۔ یہ ایک خودکشی تھی جس میں بیوی اپنے شوہر کی نعش کے ساتھ خود کو جلاڈالتی تھی۔ اسی طرح جنگوں میں لڑنے والے سپاہی ہوتے ہیں جو ملک کی سالمیت کی خاطر اپنی جان قربان کر ڈالتے ہیں۔ سماج کی غیر معمولی توقعات کے نتیجے میں خودکشی کی یہ قسم واقع ہوتی ہے۔ سماج اس قسم کی خودکشی کی خوصلہ افزائی کرتا ہے۔

19.4.2 (b)خود پسندانہ خودکشی (Egoistic Suicide)

خودکشی کی یہ قسم اس وقت واقع ہوتی ہے جب انسان اور سماج کے مابین رشتہ کمزور ہو جاتا ہے، یعنی جب انسان اور سماج کے درمیان کم انضمام (Low-Integration)ہوتا ہے، تب اس طرح کی خودکشی واقع ہوتی ہے جسے ہم خود پسندانہ خودکشی (Egoistic Suicide) کے نام سے جانتے ہیں۔ جب سماجی رشتے کمزور ہو جاتے ہیں، فرد سب سے کٹ کر الگ تھلگ رہنے لگتا ہے، اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرنے لگتا ہے اور اسے اس بات کا احساس ہونے لگتا ہے کہ وہ سماج کا حصہ نہیں ہے، یا سماج ایک علاحدہ وجود ہے جس سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، تو ایسی حالت میں اس کے اندر مایوسی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور وہ خودکشی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ خود پسندانہ خودکشی (Egoistic Suicide)وہ خودکشی جو ناکامی، ذہنی پریشانی اور مایوسی کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ درکھائم کا کہنا ہے کہ پروٹسٹنٹ کے مقابلے میں کیتھولک فرقے میں خودکشی کی شرح کم ہے، کیونکہ پروٹسٹنٹ فرقے میں فرد اور سماج کا ربط مضبوط اور گہرا نہیں ہوتا ہے، یعنی ان کے یہاں فرد اور سماج کے درمیان کم انضمام (Low-Integration)پایا جاتا ہے۔

(II)ضابطہ کی قوتیں(Forces of Regulation) ۔ اس سے مراد افراد کے طور طریقوں پر سماج کا کنٹرول ہے۔ افراد پر سماج کا زیادہ کنٹرول (Over-Regulation) اور کم کنٹرول (Under-Regulation)کی بنیاد پر درکھائم نے خودکشی کی دو قسمیں بیان کی ہے: بے ضابطہ خودکشی (Anomic suicide) ، اور جبر پر مبنی خودکشی(Fatalistic Suicide) ۔

19.4.3 (a) بے ضابطہ خودکشی(Anomic Suicide)

جب سماج میں اصول وضوابط کا فقدان ہوتا ہے جو لوگوں کے طرز عمل کی رہنمائی کرے، تو ایسے وقت میں جب انسان خودکشی کرتا

ہے تو اسے بے ضابطہ خودکشی یعنی Anomic Suicide کہا جاتا ہے۔ انسان پر سکون زندگی گزارنے کے لئے کچھ قواعد و ضوابط کا محتاج ہوتا ہے جو خوشی اور غم کے موقع پر اسکی رہنمائی کرے، لیکن بعض اوقات انسانی زندگی میں اچانک ایسے حالات پیش آجاتے ہیں جو انسان کے لئے ناقابل برداشت ہوتے ہیں اور اسے جھیلنے اور مقابلہ کرنے کا ان کے پاس کوئی راستہ نہیں ہوتا ہے۔ انسان ایسے وقت میں مایوسی اور قنوطیت کا شکار ہو جاتا ہے، اور پھر اس سے دل برداشتہ ہو کر اپنے آپ کو ہلاک کر لیتا ہے۔

Anomie سے مراد وہ حالت ہے جس میں انسان کے پاس کوئی ضابطہ زندگی اور قانون نہ ہو، انسان اچانک واقع ہونے والے واقعے کی وجہ سے ذہنی الجھن کا شکار ہو جائے۔ مثال کے طور اگر اچانک سے معاشی بحران ہو جائے یا اچانک سے معاشی خوشحالی آجائے، تو ایسے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے سماج انسان کو کوئی قاعدہ اور ضابطہ فراہم نہیں کرتا ہے۔ ایسی کیفیت میں جب انسان خودکشی کرتا ہے تو اسے بے ضابطہ خودکشی (Anomic Suicide) کہتے ہیں۔ چونکہ اس طرح کی خودکشی ضابطے کے فقدان (Under-Regulation) کی وجہ سے ہوتی ہے۔

19.4.4 (b) جبر پر مبنی خودکشی (Fatalistic Suicide)

خودکشی کی یہ قسم اس وقت واقع ہوتی ہے جب فرد کے اوپر سماج کا غیر معمولی کنٹرول ہوتا ہے۔ انسان کی زندگی میں حد سے زیادہ کنٹرول اس کے لیے اذیت کا باعث ہوتی ہے، وہ اپنے آپ کو لاچار اور مجبور سمجھنے محسوس کرنے لگتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ اس مصیبت سے چھٹکارا خودکشی کرنے میں ہی سمجھتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک نوکر ہے جسکی ہر حرکت پر اس کے مالک کی نظر ہوتی ہے، اور وہ اسکی پوری زندگی کو کنٹرول کرتا ہے، اس سے زیادہ کام لیتا ہے، اس پر غیر ضروری پابندیاں نافذ کرتا ہے اور ہر بہانے اسے تکلیف اور اذیت دیتا ہے۔ نتیجتاً وہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو ختم کر لیتا ہے۔ خودکشی کی اس قسم کو جبر پر مبنی خودکشی (Fatalistic Suicide) کہتے ہیں، چونکہ اس میں فرد کے اوپر حد سے زیادہ پابندیاں (Over-Regulation) نافذ کی جاتی ہیں، اور فرد پر جبر کیا جاتا ہے، اسی لئے اسے جبر پر مبنی خودکشی کا نام دیا گیا ہے۔

درکھائم نے سماجیات کا دائرہ کار سماجی حقائق متعین کیا، اور اس کی یہ فکر ہمیں اس کے تمام ہی تصورات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ خودکشی کے حوالے سے اس نے اپنی تحقیق سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خودکشی (Suicide) کا سبب ذہنی اور نفسیاتی نہیں ہے، بلکہ اس کا سبب سماجی ہے، اور ہمیں سماجی قوتوں میں ہی اس کے اسباب تلاش کرنے ہوں گے۔

اس طرح درکھائم کے مطابق کوئی بھی خودکشی انضمام (Integration) یا ضابطے (Regulation) کے مسائل کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ قدیم روایتی سماجوں میں ایثار آمیز خودکشی اور جبر پر مبنی خودکشی کے معاملات زیادہ پائے جاتے ہیں کیوں کہ ان سماجوں میں فرد کو زیادہ سے زیادہ منضبط اور زیادہ سے زیادہ جوڑے رکھنے (Over-integrate) کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خودکشی ضابطے اور افراد کو جوڑے رکھنے کی مختلف کیفیت کے نتیجے میں واقع ہوتی ہے۔ ضابطے اور انضمام یعنی جوڑے رکھنے کی قوتوں کو سوشل کرنٹس (Social Currents) کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو افراد ان قوتوں کے زیر اثر رہتے ہیں ان میں خودکشی کرنے کا

رجحان زیادہ پایا جاتا ہے۔

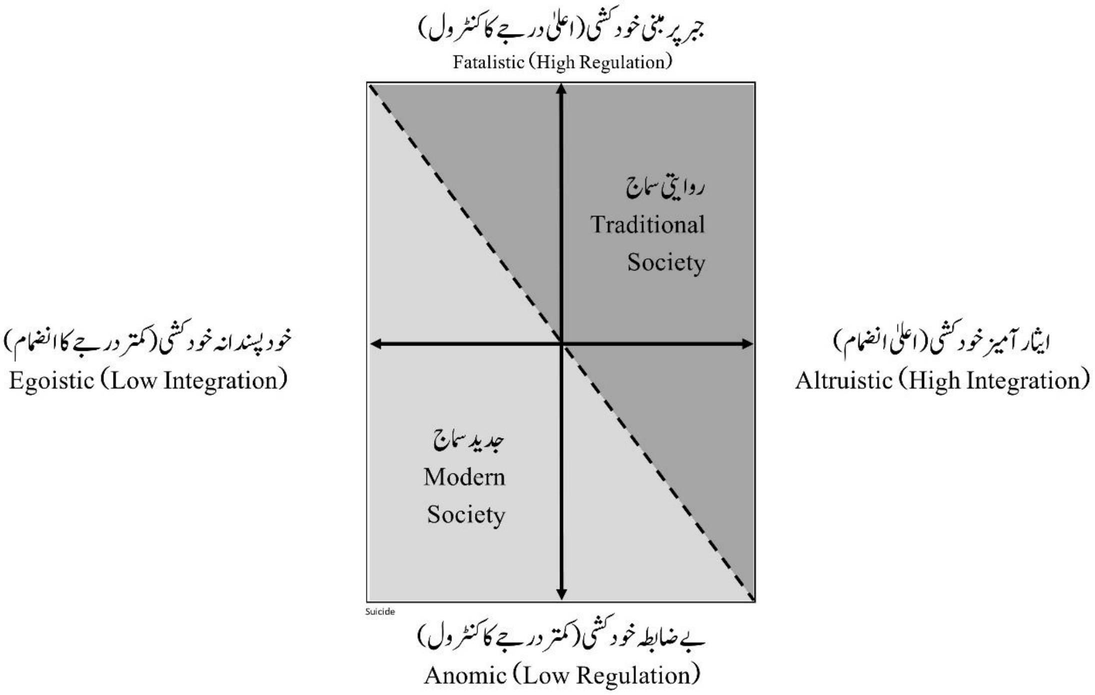

درکھائم اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ فرد کی زندگی میں بہت سارے نفسیاتی عوامل ہوتے ہیں جو اسے خودکشی کی طرف لے جاتے ہیں۔ لیکن وہ نفسیاتی اسباب کو زیادہ اہم نہیں سمجھتا۔ اس کا کہنا ہے کہ خودکشی کے نفسیاتی عوامل ثانوی درجہ رکھتے ہیں۔ جب کہ سماجی عوامل ہی درحقیقت سب سے اہم اور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ درکھائم خودکشی کا ایک سماجی مظہر کی حیثیت سے مطالعہ کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچا کہ خودکشی کی کچھ خاص شرح سماج میں فطری اور نارمل (Normal) ہوتی ہے کیوں کہ اس سے ضابطے اور انضمام کے مسائل کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ کسی فرد کے خودکشی کرنے کے بعد پورا سماج ضابطے اور انضمام کی قوت پر غور کرنا شروع کر دیتا ہے اور اسے (ضابطے اور انضمام) کو مناسب سطح پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے علاوہ درکھائم کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب کسی سماج میں خودکشی کی شرح مناسب سطح سے آگے بڑھ جائے تو وہ سماج غیر فطری رخ کی طرف چل پڑتا ہے جسے Pathological لفظ یا بیمار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

19.5 تصور خودکشی پر تنقید (Criticism on the Concept of Suicide)

کوئی بھی نظریہ یا تصور تنقید سے بالاتر نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح درکھائم کے خودکشی کے تصور پر بھی مختلف پہلوؤں سے تنقیدیں کی گئی ہیں۔ درکھائم کا یہ دعویٰ ہے کہ اس نے اپنی تحقیق میں تجرباتی طریقہ اختیار کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے نظریے کو درج ذیل بنیادوں پر تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

1. جے۔ ایم۔ اٹکنسن (J.M.Atkinson) نے 1978 میں ایک کتاب لکھی جس کا عنوان "Discovering Suicide" ہے۔ اس کتاب میں اٹکنسن نے درکھائم کے استعمال کردہ شماریات (Statistics) پر سوال اٹھایا ہے۔ مثلاً پروٹسٹنٹ

(Protestants) فرقے کے مقابلے میں کیتھولک (Catholics) کے یہاں خودکشی کی بہت مذمت کی گئی ہے اسی وجہ سے کیتھولک فرقے کے لوگ خودکشی کو ناپسند کرتے ہیں۔ اسی طرح جے۔ ایم۔ اٹکنسن (J.M.Atkinson) کا کہنا ہے کہ کسی ملک میں دوسرے ممالک کے مقابلے میں خودکشی کی شرح میں فرق و تفاوت مختلف طریقہ تحقیق کی وجہ سے ہے۔

2. درکھائم کے تصور خودکشی پر اس وجہ سے بھی تنقید کی جاتی ہے کہ اس کے مواد (Data) پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ اس نے اس سے متعلق جو بھی مواد جمع کیا ہے وہ پولیس تھانے (Police Stations) سے کیا ہے اور پولیس تھانوں میں بہت سے معاملات (Cases) کو درج نہیں کیا جاتا۔ اس کے علاوہ درکھائم نے خودکشی کی ناکام کوشش والے معاملات کو درج نہیں کیا ہے۔

3. ڈیوڈ فریڈمین (David Freedman) نے اپنی کتاب 2002 'The Ecological Fallacy' میں درکھائم پر یہ تنقید کی ہے کہ اس نے وہ ذاتی مظہر (Personal Phenomenon) کو عمومی طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

19.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے سے ہم نے یہ جانا کہ درکھائم کی بنیادی فکر اس نقطہ پر ہے کہ 'فرد کے اختیارات اجتماعی قوتوں (Collective Forces) کے تابع ہوتے ہیں' یعنی یہ سماجی قوتیں ہیں جو فرد کے اخلاق و اطوار اور سوچ و فکر کو تشکیل دیتی ہیں، اور فرد نادانستہ طور پر سماجی قوتوں کا اتباع کرتا رہتا ہے۔ اس اکائی میں ہم نے یہ بھی جانا کہ درکھائم کے مطابق خودکشی ایک سماجی مظہر ہے، اور اس کے نفسیاتی اور جغرافیائی عوامل نہیں ہیں، بلکہ سماجیاتی عوامل ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

درکھائم کی بنیادی فکر کیا ہے؟

خودکشی ایک سماجیاتی مظہر ہے۔ اس سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

خودکشی ایک سماجی حقیقت ہے۔ اس سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

19.7 کلیدی الفاظ (Key Words)

ایثار آمیز خودکشی (Altruistic Suicide) ۔ خودکشی کی یہ قسم اس وقت واقع ہوتی ہے جب انسان اور سماج کے مابین رشتہ بہت مضبوط ہوتا ہے۔ ان اقدار کی پاسداری کے لئے انسان اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ اس طرح کے سماج میں افراد اور سماج کے درمیان انضمام زیادہ (Over-Integration) رہتا ہے۔ مثال کے طور پر قدیم ہندو سماج میں ستی (Sati) کی رسم تھی۔

خود پسندانہ خودکشی (Egoistic Suicide) ۔ خودکشی کی یہ قسم اس وقت واقع ہوتی ہے جب انسان اور سماج کے مابین رشتہ کمزور ہو جاتا ہے، یعنی جب انسان اور سماج کے درمیان کم انضمام (Low-Integration) ہوتا ہے۔

بے ضابطہ خودکشی(Anomic Suicide) ۔ جب سماج میں اصول وضوابط کا فقدان ہوتا ہے جو لوگوں کے طرز عمل کی رہنمائی کرے، تو ایسے وقت میں جب انسان خودکشی کرتا ہے تو اسے بے ضابطہ خودکشی یعنیAnomic Suicide کہا جاتا ہے۔اس طرح کی خودکشی ضابطے کے فقدان (Under-Regulation) کی وجہ سے ہوتی ہے۔

جبر پر مبنی خودکشی(Fatalistic Suicide) ۔ خودکشی کی وہ قسم جس میں فرد کے اوپر سماج کا غیر معمولی کنٹرول ہوتا ہے۔چونکہ اس میں فرد کے اوپر حد سے زیادہ پابندیاں(Over-Regulation)نافذ کی جاتی ہیں، اور فرد پر جبر کیا جاتا ہے، اسی لئے اسے جبر پر مبنی خودکشی کا نام دیا گیاہے۔

19.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

(1) درج ذیل میں سے خودکشی کا تصور کس نے پیش کیا؟

(a) امائل درکھائم　　(b) کارل مارکس

(c) ٹالکٹ پارسن　　(d) اگست کومٹ

(2) درج ذیل میں سے سماجی حقائق کا تصور کس نے دیا؟

(a) اگست کومٹ　　(b) امائل درکھائم

(c) کارل مارکس　　(d) ہربرٹ اسپنسر

(3) خودکشی ایک ________ مظہر ہے

(a) سماجیاتی　　(b) نفسیاتی

(c) ماحولیاتی　　(d) جغرافیائی

(4) درکھائم نے خودکشی کی کتنی قسمیں بیان کی ہے؟

(a) چار　　(b) دو

(c) تین　　(d) پانچ

(5) کسی فرد کی زندگی پر حد سے زیادہ کنٹرول ہونے کی صورت میں اگر وہ خودکشی کرلیتاہے، تو یہ خودکشی کی کون سی قسم ہے؟

(a) خودپسندانہ خودکشی　　(b) جبر پر مبنی خودکشی

(c) ایثار آمیز خودکشی　　(d) ان میں سے کوئی نہیں

(6) قدیم ہندو سماج میں پائی جانے والی رسم 'ستی' (Sati) درج ذیل میں سے خود کشی کی کون سی قسم ہے؟

(a) خود پسندانہ خود کشی | (b) جبر پر مبنی خود کشی

(c) دونوں | (d) ان میں سے کوئی نہیں

(7) 'اچانک معاشی بحران کے نتیجے میں خود کشی کرنا' درج ذیل میں سے کس قسم کی مثال ہے؟

(a) بے ضابطہ خود کشی | (b) ایثار آمیز خود کشی

(c) خود پسندانہ خود کشی | (d) ان میں سے کوئی نہیں

(8) جب نوکر اپنے مالک کے ظلم و استحصال کی وجہ سے خود کشی کر لیتا ہے تو یہ درج ذیل میں سے خود کشی کی کون سی قسم ہے؟

(a) ایثار آمیز خود کشی | (b) جبر پر مبنی خود کشی

(c) دونوں | (d) ان میں سے کوئی نہیں

(9) سماجیات کو ایک خود مختار مضمون کی حیثیت سے متعارف کرانے میں درج ذیل میں سے کس مفکر کا اہم کردار رہا ہے؟

(a) اگست کومٹ | (b) ہربرٹ اسپنسر

(c) امائل درکھائم | (d) ان میں سے کوئی نہیں

(10) جب کوئی فوجی ملک کی سالمیت کی خاطر اپنی جان کو قربان کرتا ہے، تو درکھائم کے مطابق خود کشی کی یہ کون سی قسم کہلاتی ہے؟

(a) خود پسندانہ خود کشی | (b) ایثار آمیز خود کشی

(c) جبر پر مبنی خود کشی | (d) ان میں سے کوئی نہیں

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

(1) خود کشی ایک سماجی مظہر ہے۔ اس پر ایک مختصر نوٹ لکھو۔

(2) درکھائم کی بنیادی فکر کیا ہے؟ مختصراً بیان کیجیے۔

(3) جبر پر مبنی خود کشی کو مختصراً بیان کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

(1) خود پسندانہ خود کشی کیا ہے؟ اور یہ کن حالات میں واقع ہوتی ہے؟ تفصیل سے وضاحت کیجیے۔

(2) ایثار آمیز خود کشی کو مثال سے واضح کیجیے۔

(3) بے ضابطہ خود کشی کیا ہوتی ہے؟ بیان کیجیے۔

19.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Haralambos & Holborn, 2018, Sociology: Themes and Perspective, Harper Collins Publishers, New Delhi.
2. Ritzer, George, 2013, Sociological Theory, McGraw Hill Education, New Delhi.
3. Giddens, Anthony & Sutton, P.W, 2017, Sociology, Atlantic Publishers & Distributors, New Delhi
4. Osborne, Richard, 2016, Sociology for Beginners, Zidane Press, London.
5. Aron, Raymond. 1965, Main Currents in Sociological Thought. Vol. 1, Penguin: Harmondsworth.
6. Bottomore, T.B, 2017, Sociology: A Guide to Problems and Literature, Routledge, London and New York.
7. Rawat, H.K, 2013, Contemporary Sociology, Prem Rawat for Publications, Jaipur

اکائی 20۔ درکھائم کے یہاں یکجہتی کے اقسام

(Forms of Solidarity)

اکائی کے اجزا

20.0 تمہید

20.1 مقاصد

20.2 میکانکی یکجہتی

20.3 نامیاتی یکجہتی

20.4 اکتسابی نتائج

20.5 کلیدی الفاظ

20.6 نمونہ امتحانی سوالات

20.7 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں

20.0 تمہید (Introduction)

یہ اکائی درکھائم کا تصور سماجی یکجہتی (Social Solidarity) اور اس کی قسموں پر مشتمل ہے۔ درکھائم نے اس تصور کا اظہار اپنی کتاب "سماج میں تقسیم کار" (The Division of Labour in Society) میں کیا ہے۔ درکھائم کو یہ جاننے کی دلچسپی تھی کہ وہ کون سی قوتیں ہیں جو انسان کی سماجی زندگی کو کنٹرول اور منضبط کرتی ہیں۔ اسے جاننے اور تصوراتی شکل میں اسے پیش کرنے کے لئے اس نے سادہ اور پیچیدہ سماج کے مابین فرق اور اختلاف کا باریکی سے مطالعہ کیا۔ دونوں قسم کے سماج کا مطالعہ کرنے کے بعد درکھائم اس نتیجے پر پہنچا کہ ان دونوں سماج کی اپنی مخصوص خصوصیات ہیں جن کی بنیاد پر ان کی یکجہتی کی نوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

ان دونوں سماج کی کیا خصوصیات ہیں اور ان میں کون سی یکجہتی پائی جاتی ہے؟ اس کا جواب وہ یکجہتی کے اقسام کے حوالے سے دیتا ہے۔ اس کے مطابق یکجہتی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک میکانکی یکجہتی اور دوسری نامیاتی یکجہتی۔ یکجہتی کی ان دونوں قسموں کو وہ مختلف سماج میں پائے جانے والے قانون کے حوالے سے بیان کرتا ہے۔ اس کی تفصیلی وضاحت آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔ یہاں مختصراً یہ جان لینا ضروری ہے کہ قدیم، سادہ اور چھوٹے سماج میں جس قسم کے قوانین نافذ ہوا کرتے تھے وہ مجرم کے لئے بہت تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوا کرتے

تھے۔انہیں جابرانہ قوانین(Repressive Laws) کہا جاتا ہے۔اس کے برعکس جدید پیچیدہ سماج میں قانون کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔اس میں مجرم کی اصلاح کا جذبہ غالب رہتا ہے۔غرض یہ کہ سادہ سماج میں قانون کی نوعیت جابرانہ ہوتی ہے اور اس میں میکانکی یکجہتی پائی ہے اس کے برعکس جدید پیچیدہ سماج میں جس نوعیت کے قوانین ہیں ان میں معاوضہ، تلافی اور اصلاح جیسے عناصر کار فرماہیں جنہیں قوانین معاوضہ(Restitutive Laws) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اور اس قسم کے سماج میں نامیاتی یکجہتی پائی جاتی ہے۔

20.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے سے آپ درج ذیل نکات کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے:

- میکانکی یکجہتی اور اس کے مخصوص سماجی ڈھانچے کے مابین تعلق کو سمجھ سکیں گے۔
- سماجی ڈھانچے میں جابرانہ قانون(Repressive Law) کس طرح سماجی یکجہتی کو قائم رکھتے ہیں اور اس کو مضبوطی عطا کرتے ہیں۔
- قدیم سماج میں اجتماعی شعور (Collective Conscience) کے وجود اور اس کی اہمیت سے واقفیت حاصل ہوگی۔
- آپ یہ بھی جان سکیں گے کہ نامیاتی یکجہتی، پیچیدہ سماج کا ڈھانچہ اور اس کی خصوصیات کی بنیاد تقسیم کار (Division of Labour) پر رکھی گئی ہے۔
- آپ اس بات سے بھی واقف ہو سکیں گے کہ یکجہتی کے حوالے سے پیچیدہ سماجی ڈھانچے میں قانون معاوضہ کا کیا رول ہے اور ترقی یافتہ سماج میں اجتماعی شعور کی تبدیلی سے بھی واقفیت ہو سکے گی۔

20.2 میکانکی یکجہتی (Mechanical Solidarity)

یکجہتی کا تصور امائل درکھائم کے سماجیاتی تصورات میں کافی مقبول مانا جاتا ہے۔اس تصور کی دو قسمیں ہیں، ایک میکانکی یکجہتی اور دوسری نامیاتی یکجہتی۔یہاں ہم میکانکی یکجہتی کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں گے۔میکانکی یکجہتی سادہ سماج (Simple Society) میں پائی جاتی ہے۔یکجہتی کی یہ قسم سماج میں موجود لوگوں کے درمیان مختلف نوعیت کی یکسانیت کے نتیجے میں وجود پذیر ہوتی ہے۔یہ قدیم اور افرادی قوت کے اعتبار سے چھوٹے سماج کی خصوصیت ہے جہاں لوگ اپنے اپنے گروہوں اور قبائل میں رہتے ہیں۔اس سماج کا ہر گروہ اپنے آپ میں خود کفیل اور خود مختار ہوتا ہے۔اس کے افراد کے درمیان خیالات، عادات، طرز زندگی اور دوسرے معاشرتی، سیاسی و معاشی معاملات میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔غرض یہ کہ سادہ سماج چھوٹے چھوٹے قطعات(Segments) میں منقسم ہوتا ہے اور سماج کا ہر قطعہ انسان کی مکمل شخصیت پر اپنا اثر رکھتا ہے۔

اصولی طور پر ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ سادہ سماج کے ان قطعات کی بنیاد قبائل پر ہوتی ہے جو عام طور پر غیر ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔لیکن یہ بات بھی درست ہے کہ سماج ارتقا کے مراحل کو طے کرتا ہوا بڑا اور وسیع ہوا ہے اور سادہ سماج جو پہلے قطعات میں ہونے کے

ساتھ ساتھ محدود ہوتا تھا،اب اس کی تعیین علاقے (Territories) کی بنیاد پر ہوتی ہے۔اب سماج کی تقسیم قرابت داری کی بنیاد پر نہیں ہے، بلکہ علاقے کی بنیاد پر ہوتی ہے۔سادہ سماج کے ڈھانچے کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں لوگوں کا ہر گروہ یا قطعہ اپنے آپ میں خود کفیل ہوتا ہے۔گروہوں کے اندر باہمی انحصار بہت کم ہوتا ہے۔لوگوں کا ایک دوسرے سے ملنا جلنا بھی کم ہوتا ہے۔اس لئے کسی گروہ میں کوئی واقعہ یا حادثہ ہوتا ہے تو اس کے اثرات دوسرے گروہ کے لوگوں پر نہیں پڑتے ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ قطعاتی سماجی ڈھانچہ (Segmental Social Structure) میں باہری لوگوں سے تعلقات بہت کم ہوتے ہیں۔اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے چونکہ اس طرح کے سماج میں لوگوں کی ضروریات بہت محدود ہوتی ہیں اور وہ از خود اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں۔مثال کے طور پر اگر کسی شخص کو لکڑی کی ضرورت پڑتی تو وہ خود ہی لکڑی کاٹتا، خود ہی شکار کرتا۔اس کے لئے وہ دوسروں پر منحصر نہیں رہتا۔ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسے سماج میں لوگ ایک ہی طرح کے کام کرتے ہیں، اسی لئے ان کے درمیان یکسانیت پائی جاتی ہے اور ان میں باہمی انحصار بہت محدود قسم کا ہوتا ہے۔

اس گفتگو سے ایک اہم سوال اٹھتا ہے وہ یہ کہ جب ایک گروہ کے لوگوں میں مختلف نوعیت کی یکسانیت ہوتی ہے، دوسرے لوگوں سے ان کا ملنا جلنا بہت کم ہوتا ہے اور ان کے باہمی انحصار بھی بہت محدود ہوتے ہیں، تو طور طریقے اور انسانی روابط کے قواعد کی تشکیل کیسے ہوتی ہے؟ وہ کون سے قاعدے و قوانین ہیں جو ان کے اخلاق و عادات کو کنٹرول اور منضبط کرتے ہیں؟ وہ کون سے اخلاقی اصول ہیں جو میکانکی یکجہتی کے ماحول کی تعیین کرتے ہیں؟ ان سوالات کے جواب میں درکھائم "اجتماعی شعور" (Collective Conscience) کی اصطلاح کا استعمال کرتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ لوگوں کے تجربات کی یکسانیت اور ہم نوعیت سے ہی اجتماعی شعور کی تشکیل ہوتی ہے اور اسی سے لوگوں میں ایک جیسے عقائد (Common Belief) اور ایک جیسی طرز معاشرت کا وجود عمل میں آتا ہے۔ایسا سماج جس میں لوگوں کی سماجی زندگی کا مذہب اور معاشی ادارے سے گہرا ربط ہوتا ہے، وہ پریمیٹیو کمیونزم (Primitive Communism) سے بہت مشابہ ہوتا ہے۔ایسے سماج میں پیچیدگی اور تفریق (Differentiation) بہت کم ہوتی ہے۔اس طرح کے سماج میں عام طور پر دولت مشترکہ ہوتی ہے۔لوگ ایک جیسے تجربات رکھتے ہیں۔عقائد و خیالات، طرز زندگی اور رسومات سب مشترک ہوتے ہیں۔رسومات اور قوانین گروہ کی حفاظت کرتے ہیں۔افراد اور گروہ کی دولت اور جذبات کو تحفظ یہیں سے حاصل ہوتا ہے۔قوانین اجتماعی نوعیت کے ہوتے ہیں۔یعنی اگر کوئی فرد جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے اجتماعی طور پر سزا دی جاتی ہے۔اس طرح کے قانون کو "Repressive Law" کہا جاتا ہے۔قانون کی یہ قسم میکانکی یکجہتی کی علامت ہوتی ہے۔روایات اور رسومات کو قانونی جواز سماجی بندھن سے حاصل ہوتا ہے۔یہ سماجی بندھن اجتماعی شعور کے ذریعے کنٹرول اور منضبط ہوتا ہے۔یہ جتنا مضبوط ہوتا ہے اسی قدر مضبوط اس کی قانونی حیثیت ہوتی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ دونوں یعنی سماجی بندھن اور قانون کی اہمیت مسلم ہے۔گروہ کے خلاف کسی عمل کا ارتکاب کرنے پر فرد سزا کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔جہاں ایک طرف فرد کو اس کے جرم کی سزا دی جاتی ہے تو وہیں دوسری طرف سزا کے عمل سے سماج کے اقدار و عقائد کو تقویت ملتی ہے۔غرض یہ کہ جرم سے گروہ کے جذبات کو نقصان پہنچتا ہے اور سزا سے اجتماعیت یا گروہ کی اتھارٹی بحال ہوتی ہے اور اس کو مزید تقویت ملتی ہے۔

یہاں ایک سوال اور اٹھتا ہے کہ اگر کوئی گروہ دوسرں پر کم منحصر رہتا ہے، اپنے آپ میں آزاد اور خود کفیل رہتا ہے اور سماج میں لوگوں کا ایک دوسرے سے ملنا جلنا کم ہوتا ہے تو ایسے سماج میں اجتماعی شعور بننا اور اس کا مضبوط ہونا جو لوگوں کے اخلاق و کردار کو کنٹرول اور منضبط کریں، کیسے ممکن ہے؟

اجتماعی شعور

اجتماعی شعور (Collective Conscience) کسے کہتے ہیں؟ یہ کیسے تشکیل پاتا ہے؟ اس کی شناخت کس طرح کی جاتی ہے؟ اور میکانکی یکجہتی کے تحت تہذیبی و نظریاتی سطح پر اس کا عمل کیسے ہوتا ہے؟ اجتماعی شعور کی تعریف بیان کرتے ہوئے درکھائم کہتا ہے کہ یہ عقائد، عادات اور طور طریقوں کا ایک مجموعہ ہے جو سماج میں عمومی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی عام طور پر اس سماج کے افراد غیر شعوری طور پر اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کو پسند نہیں کیا جاتا ہے۔ یہ مضبوط نظام کی تشکیل کرتے ہیں اور اپنا مخصوص طریقۂ زندگی رکھتے ہیں۔ سماج میں یہ اجتماعی شعور عمومی شکل میں موجود رہتا ہے اور اسی لئے اس کی شکل و ہیئت (Form) اور مواد (Content) کو آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔

اشکال کی بنیاد پر اجتماعی شعور

درکھائم کا ماننا ہے کہ سماجی بندھن (Social Bonds) کی طاقت میکانکی یکجہتی کی اصل خصوصیت ہے۔ سماج میں کسی بھی عقیدے، طریقۂ زندگی اور عادات کو جتنا مضبوط سماجی تقدس حاصل ہوتا ہے فرد کو اتنی ہی کم آزادی میسر آتی ہے۔ فرد خود اختیاری کے حق سے محروم رہتا ہے۔ سماجی طور طریقوں کی اتباع کرنے کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہوتا۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں میکانکی یکجہتی موثر ہوتی ہے وہاں اجماعی شعور بھی مضبوط اور موثر رہتا ہے۔ اس سے لوگوں کی روزانہ کی سرگرمیوں اور کارکردگی میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح کے سماج میں فرد کے ذاتی شعور اور سماج کے اجتماعی شعور کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اجتماعی شعور ہی مکمل طور سے لوگوں کے طور طریقوں کی تشکیل کرتے اور انہیں کنٹرول کرتے ہیں۔

مواد کی بنیاد پر اجتماعی شعور

اجتماعی شعور کے تعلق سے ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مکمل طور سے سماج کی جڑوں کے اندر پیوست ہوتا ہے۔ لوگوں کی منظوری اسے حاصل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے سماج پر اس کا مکمل کنٹرول رہتا ہے۔ قدیم سماجوں میں مذہب کا غلبہ تھا۔ اس کے اثرات انسانی زندگی کے ہر شعبے میں اس قدر پھیلے ہوئے تھے کہ مذہب اور سماج کو ایک ہی معنی میں سمجھا جاتا تھا۔ ہر سماجی چیز کو مذہبی تصور کیا جاتا تھا۔ ایسے سماج میں اجتماعی شعور کا ماخذ مذہب ہوتا تھا۔ ایسے سماجی حالات نے فرد کو خود کے شعور سے اٹھا کر اجتماعی شعور جو کہ مذہب سے ماخوذ ہے، کے مطابق جینا سکھایا۔ اجتماعی شعور کا مقامی تہذیب وروایات سے گہرا رشتہ رہا ہے۔ ہر مقام کے لوگ اپنے آپ کو کسی نا کسی چیز (Object) سے منسلک کرتے تھے۔ مثال کے طور پر درخت، جانور، پتھر، سورج اور چاند وغیرہ۔ لوگ ہمیشہ اپنا انتساب اس طرح کی اشیا سے کرتے تھے۔ لوگوں کا ان اشیا سے وابستگی کا احساس ان کے شعور کو متاثر کرتا تھا۔

20.3 نامیاتی یکجہتی (Organic Solidarity)

پچھلے صفحات میں اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ یکجہتی کی دو قسمیں ہیں؛ ایک میکانکی یکجہتی اور دوسرا نامیاتی یکجہتی۔ میکانکی یکجہتی کی وضاحت کے بعد اب ہم نامیاتی یکجہتی کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ درکھائم کے مطابق تقسیم کار (Division of Labour) نامیاتی یکجہتی کی لازمی صورت ہے۔ نامیاتی یکجہتی جدید صنعتی سماج میں پائی جاتی ہے۔ یہ سماج مختلف اعتبار سے بہت پیچیدہ ہوتا ہے۔ اس سماج میں رہنے والے لوگوں کے تجربات، خیالات اور طرز معاشرت میں یکسانیات و ہم آہنگی نہیں بلکہ ان میں اختلاف و تفریق پائی جاتی ہے۔ افراد اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے ایک دوسرے پر منحصر رہتے ہیں۔ لوگوں کی ضروریات کے لئے مختلف قسم کے اداروں کا قیام ہوتا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کا باہمی انحصار بڑھتا رہتا ہے۔ غرض یہ کہ اس طرح کا سماج مختلف قسم کی کارکردگی اور سرگرمیوں کا ایک مرکب ہے اور اسے سماجی بندھن سے مضبوطی ملتی ہے۔ ایسے سماج میں لوگوں کے مابین تنوعات واضح طور پر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ہر فرد اپنے متعلقہ میدان میں کام کرتے ہوئے نظر آتا ہے اور اسی مخصوص میدان تک محدود رہتا ہے۔ تخصیص کی بنیاد پر کاموں کی یہ تقسیم نامیاتی یکجہتی کو فروغ دیتی ہے۔ یہاں پر فرد کا ذاتی شعور سماج کے اجتماعی شعور سے الگ نظر آتا ہے۔

نامیاتی یکجہتی میں اجتماعی شعور کی نئی شکلیں

سادہ سماج کے مقابلے جدید پیچیدہ سماج میں لوگوں کی آبادی زیادہ ہے۔ اس سماج کا ڈھانچہ منظم ہے۔ اس کے مختلف اجزا ایک دوسرے سے مربوط اور جڑے ہوئے ہیں اور ہر جز یا عضو (Organ) کا اپنا ایک مخصوص رول اور کام ہے جس کی ادائیگی نظم کو برقرار رکھتی ہے۔ یہ اعضاء مختلف اجزا سے مل کر بنتے ہیں۔ سب باہم جڑے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک مرکزی عضو کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یہ مرکزی عضو سماج کے دوسرے اعضا پر اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن ان کا اثر بھی ایک حد تک ہی رہتا ہے۔ اس سماج کا ڈھانچہ بہت منظم ہوتا ہے جس کی وجہ سے چھوٹے خود کفیل گروہ یا قطعات (Segments) اپنی شناخت کھو دیتے ہیں اور مرکزی عضو میں ضم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح سے فرد کے تعلقات کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ مرکزی عضو میں وسعت ہونے کی وجہ سے سماج کا دائرہ بڑھتا ہے اور اس کے اثرات کی حد بھی بڑھتی رہتی ہے۔ سماج دھیرے دھیرے اپنا دائرہ بڑھاتا ہے۔ سماج کا چھوٹا دائرہ بڑے علاقے میں ضم ہوتا ہے، مختلف بازار مل کر ایک بڑا بازار وجود میں آتا ہے، چھوٹے چھوٹے علاقے ضم ہو کر ایک بڑا شہر بن جاتا ہے۔ اس طرح سماج کا ارتقا ایک نسب (Lineage) کی طرح ہوتا ہے۔

منظم سماجی ڈھانچے میں لوگوں کا باہمی انحصار زیادہ رہتا ہے۔ جس طرح صنعتیانے کے طریق میں اضافہ ہوتا ہے اسی کے مطابق تقسیم کار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ تقسیم کار کی وجہ سے لوگ اپنے اپنے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے رول کو ادا کرتے ہیں اور مجموعی طور پر سماج کی یکجہتی میں تعاون کرتے ہیں۔ کسی ایک جگہ تبدیلی دوسری جگہ تبدیلی کا باعث ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے سماج میں نظم کو برقرار رکھنے کے لئے ایک مملکت اور قانون کی ضرورت ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ یہ سماج سادہ سماج کے مقابلے آبادی کے لحاظ سے بڑا ہوتا ہے اور اس وجہ سے لوگوں کے باہمی تعلقات کا دائرہ بھی وسیع ہوتا ہے۔ اس کا ڈھانچہ بہت منظم ہوتا ہے۔ تمام ہی حصے باہم مربوط ہوتے ہیں اور یکجہتی کو مضبوط بناتے ہیں۔ ایسے سماج میں ہر فرد اپنے مخصوص دائرے میں ہی کام کرتا ہے۔ اس وجہ سے لوگوں کے آپسی میل جول میں وسعت

بڑھتی ہے اور ان کا باہمی انحصار بھی بڑھتا ہے۔اس سماج کی یکجہتی کو بر قرار رکھنے کے لئے قانون اور رسم ورواج کی ضرورت ہوتی ہے۔ قانون اس سماج میں معاوضہ یا اصلاحی نوعیت کا ہوتا ہے جسے ''Restitutive Law'' کہتے ہیں۔

اشکال کی بنیاد پر

اب ہم اس سوال کی طرف بڑھتے ہیں کہ نامیاتی یکجہتی کی حالت میں اجتماعی شعور کی کیا صورت ہوتی ہے اور یہ کیسے تشکیل پاتی ہے۔اس حوالے سے درکھائم کا کہنا ہے کہ جس سماج میں لوگ کم ہوں اور وہ آپس میں بہت کم ملتے جلتے ہوں، تو ایسے سماج میں اجتماعی شعور کی تشکیل میں دشواری ہوتی ہے اور اس کی قوت نافذہ کمزور ہوتی ہے۔ جیسے جیسے جدید صنعتی سماج ترقی کرتا ہے اسی رفتار سے تقسیم کار میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ تقسیم کار میں اضافے کی وجہ سے اجتماعی شعور کمزور پڑنے لگتا ہے۔اس سماج میں اجتماعی شعور کے پاس اتنی قوت نہیں ہوتی ہے کہ وہ افراد کے اخلاق و کردار کو منضبط کرے۔اس سماج میں سماج کے مقابلے فرد کی حیثیت اور اس کے حق کو ترجیح دی جاتی ہے۔فرد کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی ترقی کے لئے خود راہیں تلاش کرے اور اپنی آزادی کا استعمال کرے۔غرض یہ کہ فرد کا ذاتی شعور سماج کے اجتماعی شعور میں مکمل طور سے ضم نہیں ہوتا، بلکہ فرد کو بہت حد تک خود اختیاری حاصل رہتی ہے۔

مواد کی بنیاد پر

اجتماعی شعور کا مواد اس سماج میں انسانیت نواز، سیکولر اور عقلی نوعیت کا ہوتا ہے۔سادہ سماج میں مذہب وروایت ہی اجتماعی شعور کی تشکیل کرتے ہیں، لیکن جدید صنعتی سماج میں ان کی سماجی حیثیت کمزور ہو چکی ہے۔اب اجتماعی شعور کی تشکیل میں ان کا رول کم ہو گیا ہے۔سادہ سماج میں سماج کی حیثیت الٰہی (Divine)نوعیت کی تھی جسے فرد پر فوقیت حاصل ہوتی تھی۔لیکن اب سماج کی یہ حیثیت کم ہو گئی ہے۔سادہ سماج میں اجتماعی شعور کی خصوصیات عقائد کے نظام (System of Belief) میں ہوتی ہیں، لیکن ترقی یافتہ سماج میں کچھ آفاقی اقدار ہیں جو اس کی تشکیل کرتے ہیں۔

20.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

درکھائم کے افکار وتصورات کے حوالے سے پچھلی اکائیوں میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔اس اکائی میں ہم نے اس کے تصور ''سماجی یکجہتی '' کی اشکال پر بحث کی ہے۔اس اکائی کے مطالعے سے آپ کو سماجی یکجہتی کے تعلق سے بنیادی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ آپ نے یہ بھی سیکھا ہے کہ اس تصور کی دو قسمیں ہیں، ایک میکانکی یکجہتی اور دوسرا نامیاتی یکجہتی۔ میکانکی یکجہتی سادہ سماج میں پائی جاتی ہے۔ یکجہتی کی یہ قسم سماج میں موجود لوگوں کے درمیان مختلف نوعیت کی یکسانیت کے نتیجے میں وجود پذیر ہوتی ہے۔ جبکہ نامیاتی یکجہتی جدید صنعتی سماج میں پائی جاتی ہے۔ مختلف پہلوؤں سے یہ سماج بہت پیچیدہ سماج مانا جاتا ہے۔اس سماج میں لوگوں کے تجربات، خیالات اور طرز معاشرت میں یکسانیات وہم آہنگی نہیں بلکہ ان میں اختلاف و تفریق پائی جاتی ہے۔افراد کے باہمی تعلقات کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے اور لوگوں کا باہمی انحصار بھی زیادہ ہوتا ہے۔

نیز اس کے مطالعے سے ہم نے یہ بھی جانا کہ ان دونوں سماجوں میں دو طرح کے قوانین ہوتے ہیں جو یکجہتی کو برقرار رکھنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ایک جابرانہ قانون جو سادہ سماج میں پایا جاتا ہے اور دوسرا قانون معاوضہ جو آج کے پیچیدہ سماج میں موجود ہے۔اس کے علاوہ اس کے مطالعے سے ہمیں "اجتماعی شعور" (Collective Conscience) کے بارے میں قیمتی معلومات حاصل ہوئیں۔

20.5 کلیدی الفاظ (Key Words)

سماجی یکجہتی (Social Solidarity): اس سے مراد کسی گروہ کے اندر کی وہ حالت ہے جس میں سماجی ہم آہنگی، افراد میں تعلق باہمی اور آپسی تعاون کی کیفیت کا احساس پایا جاتا ہے۔ایسے گروہ کے افراد کی اجتماعی کوشش گروہی مقاصد کا حصول ہوتا ہے۔اس میں فرد کے مقابلے گروہ کو فوقیت دی جاتی ہے۔سماجی حالات کے مطابق سماجی یکجہتی کی کیفیت میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔اسی لئے درکھائم دو طرح کی یکجہتی کا ذکر کرتا ہے، ایک میکانکی یکجہتی اور دوسرا نامیاتی یکجہتی۔

اجتماعی شعور(Collective Conscience): عقائد اور رسومات کا وہ مجموعہ ہے جو سماج میں بالکل عام ہوتا ہے۔افراد غیر شعوری طور پر اس پر عمل کرتا رہتا ہے جس سے ایک مضبوط نظام معاشرت تشکیل پاتا ہے۔

جابرانہ قانون(Repressive Law): یہ قانون کی وہ قسم ہے جو قدیم سادہ سماج میں پائی جاتی تھی۔اس کے مطابق مجرمین کو سزا دے کر سماج کی اتھارٹی کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

معاوضہ و اصلاح پر مبنی قانون(Restitutive Law): یہ وہ قوانین ہیں جو مجرمین کی اصلاح اور اسے معاوضے کے عوض رہا کرنے کی وکالت کرتے ہیں۔ان کا مقصد مجرم کی اصلاح اور اسے اس قابل بنانا کہ وہ پھر سے سماج کے اصولوں کے مطابق جی سکے۔

عقیدہ (Belief): اس سے مراد حقیقت کے تعلق سے وہ بیان جسے انسان سچ مانتا ہے۔یہ عقل وسائنس کے دائرے سے باہر ہوتا ہے۔

رسم(Custom): اس سے مراد سماج کے وہ مسلمہ طریقے ہیں جن پر نسلوں سے عمل ہو رہا ہو۔زندگی کے یہ طریقے ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتے رہتے ہیں۔اس کے خلاف عمل آوری کو سماجی طور پر ناپسند کیا جاتا ہے۔

20.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

(1) درج ذیل میں کس کی سماجیاتی فکر میں 'سماجی یکجہتی' کا تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے؟

(a) امائل درکھائم　　(b) اگست کومٹ

(c) کارل مارکس　　(d) میکس ویبر

(2) درکھائم نے سماجی یکجہتی کی کتنی قسمیں بیان کی ہے؟

(a) تین　　(b) پانچ

(c)چار (d)دو

(3)درج ذیل میں کون سماجی یکجہتی کی قسم ہے؟

(a)میکانکی یکجہتی (b)دیہی یکجہتی

(c)شہری یکجہتی (d)صنعتی یکجہتی

(4)نامیاتی یکجہتی کس سماج کی خصوصیت ہے؟

(a)جدید پیچیدہ سماج کی (b)قدیم سادہ سماج کی

(c)دونوں کی (d)ان میں سے کوئی نہیں

(5)سادہ سماج میں ____________ کا غلبہ تھا۔

(a)مذہب وروایات کا (b)سائنس وتکنیک کا

(c)سیکولر اقدار کا (d)ان میں سے کوئی نہیں

(6) میکانکی یکجہتی کس سماج کی خصوصیت ہے؟

(a)سادہ سماج کی (b)پیچیدہ سماج کی

(c)دونوں قسم کے سماج (d) ان میں سے کوئی نہیں

(7) جابرانہ قانون کس سماج میں پایا جاتا ہے؟

(a)سادہ سماج میں (b)پیچیدہ سماج میں

(c)ہندوستانی سماج میں (d)مغربی سماج میں

(8) معاوضہ اور اصلاح پر مبنی قانون کس سماج میں پایا جاتا ہے؟

(a)سادہ سماج میں (b)پیچیدہ سماج میں

(c)عرب سماج میں (d)ان میں سے کوئی نہیں

(9) درج ذیل میں کس کی سماجیاتی فکر میں تقسیم کار (Division of Labour) کی بڑی اہمیت ہے؟

(a)ٹالکٹ پارسن (b)میکس ویبر

(c)امائل درکھائم (d)ہربرٹ اسپینسر

(10) __________ عقائد، عادات اور طور طریقوں کا ایک مجموعہ ہے جو سماج میں عمومی حیثیت رکھتا ہے۔

(a)سماجی یکجہتی (b)اجتماعی شعور

(c) تقسیم کار (d)ان میں سے کوئی نہیں

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. میکانکی یکجہتی پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
2. سادہ سماج اور میکانکی یکجہتی کے درمیان تعلق کی وضاحت کیجیے۔
3. میکانکی یکجہتی میں اجتماعی شعور کی تشکیل کیسے ہوتی ہے؟
4. تقسیم کار سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟اور یہ کس طرح کے سماج کی خصوصیت ہے؟ مختصراً بیان کیجیے۔
5. سادہ سماج میں اجتماعی شعور کو برقرار رکھنے کے لئے کس طرح کے قوانین کی ضرورت ہوتی ہے؟ایک مضمون لکھیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. میکانکی یکجہتی اور نامیاتی یکجہتی میں فرق کو تفصیل سے بیان کیجیے۔
2. جدید سماج میں تقسیم کار کی وجہ سے اجتماعی شعور کی کیا نوعیت ہے؟واضح کیجیے۔
3. جدید سماج کی چند خصوصیات بیان کیجئے اور اس میں کس طرح نامیاتی یکجہتی کا فروغ ہوتا ہے؟

20.7 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Bottomore, T.B. 1962, Sociology A Guide to Problems and Literature,
2. George Allen & Unwin Ltd.: London.
3. Coser, Lewis A, 1971. Masters of Sociological Thought: Ideas in Historical and Social Context, Harcourt Brace Jovanovich. Inc: New York.
4. S, T. N., & Theoderson, G. A. (1976). Sociological Theory: its Nature and
5. Growth. Toronto: Random House of Canada Limited.
6. Haralambos & Holborn, 2018, Sociology: Themes and Perspective, Harper Collins Publishers, New Delhi.

اکائی 21۔ میکس ویبر: حیات و تاریخ

(Max Weber: Life and History)

اکائی کے اجزا

21.0 تمہید

21.1 مقاصد

21.2 میکس ویبر: حیات اور سماجی احوال

21.3 ویبر کی سماجیاتی خدمات

21.4 ویبر کی مشہور تصنیفات

21.5 ویبر کے اہم تصورات کا مختصر تعارف

21.6 اکتسابی نتائج

21.7 کلیدی الفاظ

21.8 نمونہ امتحانی سوالات

21.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

21.0 تمہید (Introduction)

جرمنی کی تاریخ سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہاں بڑے نامور اور جید مفکرین اور فلسفی پیدا ہوئے ہیں۔ خاص طور پر سماجیات کی دنیا میں جرمنی میں بہترین مفکرین گزرے ہیں۔ مختلف سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل اس میں کبھی حائل نہیں ہے، بلکہ ان مسائل نے ریسرچ و تحقیق میں مثبت کردار ادا کیا، اور جرمنی کو بڑے بڑے مفکر ملے جنھوں نے افکار کی دنیا میں اپنی الگ پہچان بنائی۔ انہیں میں سے ایک اہم نام میکس ویبر کا ہے جس نے سماجیات کو نئے نظریات اور تصورات دیے ہیں۔

سماجیات کی دنیا میں میکس ویبر (1864-1920) کا ایک نمایاں مقام ہے۔ ویبر کا شمار سماجیات کے ان ابتدائی مفکرین میں ہوتا ہے جس نے اپنے غیر معمولی افکار و نظریات کی وجہ سے سماجیات پر حیرت انگیز اثرات مرتب کئے ہیں۔ ویبر کے افکار نہ صرف سماجیات میں اہمیت رکھتے ہیں، بلکہ سیاسیات، نظم و نسق عامہ (Public Administration)، اور قانون میں بھی ان کی غیر معمولی معنویت ہے۔ ویبر

کے افکار کے مطالعے سے ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ زندگی کے معنی اور حقیقت کو لے کر کس قدر پریشان تھا۔ وہ اس بات سے بے چین رہتا تھا کہ لوگ زندگی کے حقیقی مفہوم سے ناواقف ہیں۔ اس کے مطابق عقل اور عقیدے کے مابین بڑا تضاد پایا جاتا ہے۔

ویبر سماج کو عقلیت پسند بنانے کی راہ میں عقیدے کو ایک بڑی رکاوٹ کے طور پر وہ دیکھتا تھا۔ علمی دنیا میں ویبر اپنے نظریے پروٹسٹنٹ ایتھک (Protestant Ethic)، اور افسر شاہی (Bureaucracy) کی وجہ سے کافی مشہور ہے۔ سماجیات میں ویبر نے اس وقت کے مروجہ طریق تحقیق اور نظریے کے برعکس ایک بالکل الگ نظریہ پیش کیا، جس کی وجہ سے بعد کے سماجیاتی نظریات میں اس کے بہت گہرے اثرات پڑے ہیں۔ ویبر کی سماجیاتی فکر تحقیق و مطالعہ میں معروضیت کو قائم رکھنے اور سماجی اعمال (Social Actions) کی تعبیر و تشریح پر مبنی ہے۔ سماجیات اور سماجی افکار کے ارتقا میں ویبر کی بڑی خدمات ہیں جنہیں ہم آئندہ صفحات میں تفصیل سے جاننے کی کوشش کریں گے؛

21.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے سے آپ کو درج ذیل معلومات حاصل ہو گی؛

- آپ کو میکس ویبر کی زندگی کے بارے میں بنیادی واقفیت ہو جائے گی۔
- ویبر کی سماجیاتی خدمات کے بارے میں جانکاری ملے گی۔
- ویبر کی مشہور تصنیفات کے بارے میں جانیں گے۔
- اس کے اہم نظریات سے بھی واقفیت حاصل ہو جائے گی۔

21.2 میکس ویبر: حیات اور سماجی احوال (Max Weber: Life and Social Conditions)

میکس ویبر کی پیدائش 21 اپریل 1864 میں جرمنی کے ایک مقام ارفرٹ (Erfurt) میں ہوئی۔ ویبر کا خاندان مالی اعتبار سے کافی خوشحال اور مذہبی اعتبار سے پروٹسٹنٹ عیسائیت کا پیرو تھا۔ ویبر نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام جرمنی کی راجدھانی برلن میں گزاری۔ اس کے والد ایک بڑے نوکر شاہ (Bureaucrat) تھے اور سیاسی اعتبار سے بھی بہت اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ روایتی لحاظ سے تو یہ خاندان پروٹسٹنٹ کو ماننے والوں میں سے تھا، لیکن ویبر کے والد کی عملی زندگی میں اس کا ذرا بھی عکس نہیں تھا۔ ان کا فلسفہ حیات لذت پسندی تھا۔ لیکن ویبر کے والد کے برعکس اس کی والدہ ایک پرہیز گار خاتون تھیں۔ ایک ایسی خاتون جس نے اپنی پوری زندگی دنیا ومافیہا سے کٹ کر عبادت و ریاضت میں گزاری۔ ویبر کی ماں اور باپ کی نہ صرف طرز زندگی ایک دوسرے سے مختلف تھی، بلکہ فلسفہ حیات کے لحاظ سے بھی ان دونوں میں بہت بڑا تضاد تھا جس کی وجہ سے گھر میں اکثر جھگڑے اور تصادم کی کیفیت رہا کرتی تھی۔ ویبر کے احساس و جذبات پر گھر کی لڑائی جھگڑے کا بہت گہرا اثر پڑا۔

اپنی عمر کے اکیسویں برس میں ویبر نے ہیڈل برگ (Heidelberg) یونیورسٹی میں داخلہ لیا جہاں سے اس نے قانون کی پڑھائی

کی۔ اس کے بعد اس نے مختلف میدان جیسے کہ سیاست، قانون اور فوج کے بہتیرے تجربات حاصل کئے۔ اس دوران سماجیات اس کی دلچسپی کا اہم مرکز رہا۔ 1889 میں ویبر نے میڈیول کمرشیل لا (Medieval Commercial Law) میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، اس کے بعد کچھ دنوں تک اس نے بیرسٹر کی حیثیت سے برلن کورٹ میں اپنی خدمات دیں، پھر برلن یونیورسٹی میں قانون کے لکچرر کی حیثیت سے اس کا تقرر ہو گیا۔ ہیڈل برگ سے واپسی کے بعد وہ برلن روانہ ہوا جہاں اس نے سماجیات، معاشیات اور تاریخ کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا۔ اس دوران ویبر اور اس کے والد کے آپسی رشتے خراب ہوتے گئے اور وہ اپنے والد سے نفرت کرنے لگا، اور اپنی ماں کے طریقہ زندگی اور اخلاقی اقدار سے متاثر ہو کر اپنی زندگی انھیں اقدار کے مطابق گزارنا شروع کر دیا۔

اس طرح ویبر نے اپنی ماں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دنیا کی لذتوں سے کنارہ کشی اختیار کیا اور محنت کش زندگی کو اپنایا اور اپنی محنت اور لگن کی وجہ سے اسے 1896 میں ہیڈل برگ یونیورسٹی میں معاشیات کے پروفیسر کے طور پر تقرری ملی۔ اسی دوران جب وہ اپنے کیریئر کے عروج کی طرف بڑھ رہا تھا، اس کے والد کا انتقال ہو گیا اور وہ خود کچھ دنوں بعد شدید ذہنی عارضہ میں مبتلا ہو گیا ہے۔ تقریباً سات یا آٹھ سال وہ ذہنی و جسمانی طور پر بالکل مفلوج تھا۔ 1903 میں اس کی طبیعت میں سدھار ہوا اور دھیرے دھیرے وہ نارمل زندگی کی طرف بڑھنے لگا۔ 1905 تک وہ پوری طرح سے صحتیاب ہو کر پھر سے علم و تعلیم کی میں مشغول ہو گیا۔ اسی سال اس نے اپنی مشہور کتاب دی پروٹسٹنٹ ایتھک اینڈ دی اسپرٹ آف کیپیٹلزم (The Protestant Ethic and the Spirit of Capitalism) شائع کی۔ اس کتاب میں ویبر نے کالونیت (Calvinism) کو علمی برتری اور فوقیت دینے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ عملی طور پر وہ بہت زیادہ مذہبی نہیں تھا لیکن اپنی عمر کا اچھا خاصہ وقت اس نے دنیا کے مختلف مذہب کو پڑھنے اور سمجھنے میں لگایا۔ اپنی عمر کے آخری وقت تک وہ علم و تحقیق کے کام میں مصروف رہا اور اپنے پیچھے بہت ہی نایاب علمی سرمایہ چھوڑ گیا۔ عمر کے آخری دنوں میں وہ اپنی مشہور تصنیف اکانمی اینڈ سوسائٹی (Economy and Society) پر کام کر رہا تھا۔ اس کتاب کے پایہ تکمیل کو پہنچنے سے پہلے ہی ویبر کی وفات ہو گئی۔ اس کی وفات 14 جون 1920 کو ہوئی۔

ویبر مختلف موضوعات پر کتابیں لکھنے کے علاوہ بہت سی عملی سرگرمیوں میں بھی مصروف رہا۔ 1910 میں جرمن سوشیالوجیکل سوسائٹی (German Sociological Society) کے قیام میں اس نے کلیدی رول ادا کیا۔ سیاست میں بھی ویبر کافی متحرک رہا ہے اور اس وقت کی سیاسی امور پر وہ مختلف جرائد میں مضامین لکھا کرتا تھا۔ مختصر یہ کہ ویبر کی زندگی میں بہت قسم سے نشیب و فراز آئے ہیں، اور وہ ان تمام کو عبور کرتا ہوا علم کی دنیا میں اپنا ایک اہم مقام بنانے میں کامیاب رہا۔

21.3 ویبر کی سماجیاتی خدمات (Sociological Contributions of Weber)

سماجیات اور سماجی فکر کی ارتقا میں میکس ویبر کا غیر معمولی کردار رہا ہے۔ اس کی تحریروں کے مطالعے سے اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ وہ ان تمام میں معروضیت، غیر متعصبانہ رویہ اور انسانی برتاؤ کو سمجھنے کے سلسلے میں تجزیاتی طریقے کا زبردست حامی رہا ہے۔ ویبر نے مختلف سماجیاتی مسائل پر قلم اٹھایا، اور سماجیات کو بہت قیمتی نظریات و تصورات سے بہرہ مند کر گیا۔ ویبر کی علمی لیاقت اور سماجیات میں اس

کی خدمات کا دنیا اعتراف کرتی ہے۔ غالباً ویبر ہی ایک ایسا ماہر سماجیات ہے جس نے سماجیاتی نظریات پر اتنے ہمہ گیر اثرات ڈالے ہیں۔ اس کی تحریریں اتنی پھیلی ہوئی ہیں اور اس کے موضوعات میں اتنا تنوع پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے مختلف سماجیاتی نظریات پر اس کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ جہاں ایک طرف ساختیاتی فنکشنل نظریات میں اس کے فکری اثرات ہیں جو ٹالکٹ پارسن کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے، وہیں دوسری طرف تصادمی نظریات (Conflict Theories) بھی اس کے نظریاتی اثرات سے بچ نہیں پائے ہیں۔

اس کے علاوہ اگر ہم سمبولک انٹریکشنزم (Symbolic Interactionism) کا مطالعہ کریں تو ہمیں اس بات کا علم ہوگا کہ اس پر ویبر کے نظریہ ورسٹیہن (Verstehen) کا گہرا عکس پایا جاتا ہے۔ اسی طرح الفرڈ شوز (Alfred Schutz) بھی ویبر کے افکار سے بہت متاثر تھا اور اس کی تحریروں میں ویبر کے فکری اثرات صاف طور پر نظر آتے ہیں۔ الغرض ویبر ایک ایسا ماہر سماجیات تھا جس کے افکار و نظریات نے بہت وسیع پیمانے پر لوگوں کو متاثر کیا ہے۔

سماجی علوم (Social Sciences) میں طریقۂ تحقیق کے تعلق سے ویبر کا سب سے نمایاں کارنامہ ہے۔ اس ضمن میں اس کے خیالات غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں اور اس کی معنویت آج بھی برقرار ہے۔ طریقۂ تحقیق کے حوالے سے اس نے قدر سے مبرا (Value-free) کا تصور دیا۔ اس کا کہنا ہے کہ تحقیق کے دوران محقق کو اپنے افکار و جذبات سے آزاد ہونا چاہیے۔ یعنی تحقیق کے عمل میں محقق کی ذاتی رائے، افکار اور جذبات کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔ موضوع کے انتخاب میں تو اس بات کی اجازت ہے کہ محقق اپنے مزاج اور فکر کے مطابق کسی موضوع کا انتخاب کرے۔ لیکن موضوع کے انتخاب کے بعد محقق پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے اقدار (Values)، احساس ا ور جذبات کو بالائے طاق رکھ کر بالکل سائنسی طور پر تحقیق کرے۔

اسی کے ساتھ ساتھ اس کا نظریۂ سماجی عمل (Social Action)، آئیڈیل ٹائپ، اس کا تصور مذہب، سماجی درجہ بندی کا تصور، نظریۂ نوکرشاہی (Bureaucracy) اور اتھارٹی (Authority) وغیرہ کے تعلق سے اس کے نظریات سماجیات میں بہت اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان تمام کو ہم آئندہ صفحات میں مختصراً سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ ان تصورات و نظریات کے علاوہ ویبر کی تین اہم سماجیاتی خدمات ہیں جو قابل قدر ہیں۔ پہلا، کلچر اور اکانمی کے مابین رشتوں کی ویبر نے جس طرح تشریح کی ہے وہ بہت دلچسپ ہے۔ دوسرا، اتھارٹی اور اس کے مختلف اقسام اور تیسرا عقلیت کے تناظر میں اس کا تصور آئرن کیج (Iron Cage)۔

21.4 ویبر کی مشہور تصنیفات (Weber's Important Works)

جنرل اکنامک تھیوری (General Economic Theory- 1927)

دی پروٹسٹنٹ ایتھک اینڈ دی اسپرٹ آف کیپٹلزم (The Protestant Ethic and the Spirit of Capitalism- 1930)

میکس ویبر آن لا اِن اِکانمی اینڈ سوسائٹی (Max Weber on Law in Economy and Society- 1945)

فرام میکس ویبر: اِسیس اِن سوسیولوجی (From Max Weber: Essays in Sociology-1946)

دی تھیوری آف سوشل اینڈ اکنامک آرگنائزیشنس (The Theory of Social & Economic Organisations-1947)

دی میتھڈلوجی آف سوشل سائنسز	(The Methodology of Social Sciences-1949)
دی سٹی	(The City-1958)
دی سوشیولوجی آف ریلیجن	(The Sociology of Religion-1963)
آن کرِسما اینڈ انسٹی ٹیوشن بلڈنگ	(On Charisma and Institution Building-1968)
اِکانمی اینڈ سوسائٹی	(Economy and Society)

21.5 ویبر کے اہم تصورات کا مختصر تعارف (Brief Introduction to Weber's Important Concepts)

سوشل ایکشن (Social Action)

ویبر کے مطابق سماجیات کا دائرہ کار سماجی عمل ہے۔ اسی لیے اس نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ سماجیات سماجی عمل (Social Action) کی ایک وسیع و ہمہ گیر سائنس ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ہر محقق کو اس بات پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے کہ وہ لوگ جن کے اعمال و افعال پر تحقیق کی جارہی ہے وہ اپنے ان اعمال کا کیا مفہوم مراد لیتے ہیں۔ یعنی لوگوں کے اعمال اور جن مخصوص پس منظر میں بین عمل (Interaction) جاری رہتا ہے اس کے داخلی (Subjective) مفہوم کو سمجھنا ہے۔ اس کے مطابق ہر عمل سماجی عمل نہیں ہوتا ، سماجی عمل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ فرد کے عمل کا اثر دوسرے کے عمل پر پڑتا ہو، اور دوسروں کے اعمال کا اثر اس پر بھی پڑتا ہو۔

ویبر نے سماجی عمل کی چار قسمیں بیان کی ہے اور یہ چاروں اقسام انسانی برتاؤ کے تنوعات کو ظاہر کرتے ہیں۔

(1) **روایتی سماجی عمل (Traditional Social Action)** ۔ یہ وہ سماجی اعمال ہیں جن کا ماخذ سماج کے رسوم و رواج ہوتے ہیں۔ ہر سماج میں کام کرنے، ملنے جلنے اور بین عمل کے کچھ ایسے طریقے ہوتے ہیں جو روایتی طور پر مانے جاتے ہیں۔ یعنی وہ سماجی عمل جو مخصوص صورتحال میں لاشعوری طور پر ایک مخصوص طریقے سے انجام دیے جاتے ہیں۔

(2) **جذبات پر مبنی سماجی عمل (Affective or Emotional Type of Social Action)**۔ انسان ہمیشہ علم و عقل اور سماجی و مذہبی اقدار سے متاثر ہو کر ہی کوئی کام نہیں کرتا، بلکہ اس کے اندر مختلف قسم کے جذبات بھی ہوتے ہیں۔ اسے غصہ آتا ہے، خوش بھی ہوتا ہے، حسد و جلن کی کیفیت سے بھی گزرتا ہے، مختلف ذہنی و نفسیاتی پریشانی میں بھی مبتلا ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص اس طرح کی کیفیت سے متاثر ہو کر کوئی کام کرتا ہے تو ایسے عمل کو جذبات پر مبنی سماجی عمل کہتے ہیں۔

(3) **اقدار پر مبنی سماجی عمل (Evaluation Type of Social Action)** ۔ یہ سماجی عمل اقدار سے متاثر ہو کر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ہر سماج کے اندر کچھ مخصوص اقدار ہوتے ہیں۔ ان اقدار کو برقرار رکھنا سماج کی بقا کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح کے اعمال عقل و منطق کی روشنی میں نہیں سمجھے جاسکتے، بلکہ سماج کے مخصوص اقدار کی روشنی میں انھیں سمجھا جاسکتا ہے۔

(4) **عقلیت پر مبنی سماجی عمل (Rationalistic Type of Social Action)** ۔ سماجی عمل کی چوتھی اور آخری قسم عقلیت (Rationality) پر مبنی سماجی عمل ہے۔ اس میں لوگوں کے عمل کا ماخذ عقل اور منطق ہوتی ہے۔ جدید سماج چونکہ عقلیت پر مبنی سماج ہے، اس لئے اس میں اس طرح کے اعمال کو ترجیح دی جاتی ہے جن کے پیچھے عقلی جواز ہو ہے، نا کہ جذبات اور روایات پر مبنی ہو۔

ورسٹیہن (Verstehen)

سماجی علوم میں یہ لفظ کافی مشہور ہے ، بالخصوص طریقۂ تحقیق کے ضمن میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ ویبر کے تمام ہی سماجیاتی نظریات کو ہم اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب ہم اس لفظ کے حقیقی معنی سے واقف ہوں۔ کیونکہ ویبر کے یہاں اس لفظ کی بہت اہمیت ہے جسے سمجھنا بہت ضروری ہے۔ ورسٹیہن ایک جرمن اصطلاح ہے جس کے معنی کسی مظہر (Phenomenon) کی اصلیت و اہمیت کو سمجھنا، جاننا، اس پر غور کرنا اور اس کی گہرائی تک جانا ہے۔ کوئی شخص اپنے کسی فعل کا جو مفہوم مراد لیتا ہے اسی مطلوبہ مفہوم و معنی کو سمجھنے کو ورسٹیہن کہتے ہیں۔ ویبر کے مطابق اس اصطلاح سے مراد سماجی علوم کے ماہرین کی وہ کوششیں ہیں جو وہ لوگوں کے عمل (Action) کے پس منظر اور عمل کے پیچھے ان کے مطلوبہ ارادوں کو سمجھنے کے لئے کرتا ہے۔

آئیڈیل ٹائپ (Ideal Type)

آئیڈیل ٹائپ ویبر کی ایک بہت اہم اور نمایاں سماجیاتی خدمت ہے۔ ویبر کی طریقۂ تحقیق میں اس کا اہم مقام ہے۔ اس کے نزدیک ماہرین سماجیات کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کسی مظہر کے تعلق سے ذہن میں مثالی آلہ بنائیں جس کی روشنی میں وہ حقیقت کا جائزہ لے سکیں۔ آئیڈیل ٹائپ کسی بھی چیز کی اعلیٰ سے اعلیٰ صورت ہے۔ یہ ایک تصوراتی خاکہ ہے جسے ماہرین سماجیات کو ایک معیار اور مثال کے طور پر استعمال کرنا چاہئے۔

ویبر کے مطابق آئیڈیل ٹائپ ایک ذہنی پیداوار (Mental Construct) ہے۔ یہ ایک نمونہ اور مثال ہے جس کی روشنی میں ماہر سماجیات صورتحال کی جانچ پڑتال کرتا ہے اور حقیقت تک رسائی کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ایک تحقیقی آلہ ہے (Tool) جس کے ذریعے سماجی حقیقت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

اتھارٹی (Authority)

سماجیات میں اتھارٹی کا مطلب ایسی طاقت و قوت کے ہوتے ہیں جس کو جائز اور صحیح سمجھا جاتا ہو۔ انگریزی میں ہم اسے legitimate Power سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی ایسی جائز سمجھی جانی والی قوت جو ایک فرد یا گروہ کسی دوسرے فرد یا گروہ پر نافذ کرتا ہے۔ اتھارٹی کے تصور میں جواز (Legitimacy) کا عنصر بہت اہم ہے۔ یہی وہ عنصر ہے جو پاور سے اتھارٹی کو الگ کرتا ہے۔ پاور کا عمل جبر اور تشدد کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے، لیکن اس کے برعکس اتھارٹی کا نفاذ مجموعی طور پر اس فرد یا گروہ کی رضامندی پر منحصر ہوتا ہے جس پر اس کا نفاذ ہوتا ہے۔ ویبر کے مطابق تین طرح کی اتھارٹی ہوتی ہے؛ کرسمیٹِک اتھارٹی (Charismatic Authority)، ٹریڈیشنل اتھارٹی (Traditional Authority) اور ریشنل لیگل اتھارٹی (Rational Legal Authority)۔

(1) کرسمیٹک اتھارٹی(Charismatic Authority): اس قسم کی اتھارٹی میں فرد کی ذاتی کشش اور جاذبیت اہم ہوتی ہے۔ یہ وہ شخص ہوتا ہے جو غیر معمولی خصوصیات رکھتا ہے۔ ان خصوصیات کی بنا پر لوگ اس کی شخصیت میں کشش اور جذباتی لگاؤ محسوس کرتے ہیں۔ اس طرح کی جاذبیت کسی سیاسی اور مذہبی رہنما کے اندر دیکھنے کو ملتی ہے۔ لوگ ان کرسمیٹِک رہنماؤں کی اندھی پیروی کرتے ہیں۔ لوگوں کا ان پر غیر معمولی بھروسہ اور یقین ہوتا ہے جو ان رہنماؤں کو قوت دیتا ہے۔ مثال کے طور پر گاندھی جی کی شخصیت ایک کرسمیٹِک شخصیت رہی ہے۔

(2) ٹریڈیشنل اتھارٹی(Traditional Authority): اس سے مراد وہ اتھارٹی ہے جسے لوگ روایتی طور پر باا ثر اور قوت کا مالک سمجھتے ہیں۔ اس طرح کی اتھارٹی روایتی سماج میں ہی دیکھنے کو ملتی ہے، جیسے راجہ اور بادشاہ کی شخصیت وغیرہ۔ یہ لوگ روایتی طور پر حکومت واقتدار کے مالک بنتے تھے، نہ کہ اپنی کسی مخصوص صلاحیت و قابلیت کی بنا پر۔

(3) ریشنل لیگل اتھارٹی(Rational Legal Authority) ۔ اتھارٹی کی یہ قسم مدون قانون کے اتباع کے نتیجے میں عمل میں آتی ہے۔ اس میں لوگ کسی کو اپنا قائد اور رہنما اس لئے نہیں مانتے ہیں کہ اس کے اندر کوئی خاص ذاتی صلاحیت ہے، بلکہ اس کی پیروی اس لئے کی جاتی ہے کہ ملک کے قانون نے اسے اتھارٹی دی ہے، اور اسے استعمال کرنے کا حق بھی قانون نے ہی فراہم کیا ہے۔ آج کے جدید سماج کی بنیاد عقلیت پر ہے، اسی لئے اس سماج میں اتھارٹی کی یہ قسم پائی جاتی ہے۔

افسر شاہی (Bureaucracy)

انسانی سماج نظم و ضبط کا متقاضی ہے۔ یہاں مختلف قسم کی تنظیمیں ہیں جو انسانی اعمال کو مفید اور کارآمد بنانے میں اہم رول ادا کرتی ہیں۔ افسر شاہی بھی تنظیم کی ایک قسم ہے۔ اس کا وجود عقلیت پر مبنی ہے۔ عقلیت پسندی جدیدیانے کا لازمی عنصر ہے۔ اس طریق (جدیدیانا) نے عقلیت پسندی کو بہت بڑھاوا دیا جس کے نتیجے میں بہت سی تنظیموں کا وجود ہوا جو عقلی لحاظ سے بالکل صحیح اور درست تھیں۔ بیوروکریسی کے انداز کی بہت سی تنظیمیں اس کی مثال ہیں۔ بیوروکریسی (افسر شاہی) تنظیم کی ایک شکل ہے۔ اس کی نسبت عام طور سے مشہور ماہر سماجیات میکس ویبر کی طرف کی جاتی ہے۔ لیکن ویبر نے اس لفظ کو وضع نہیں کیا ہے۔ ویبر افسر شاہی کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "یہ لیگل اتھارٹی (Legal Authority) کی سب سے خالص قسم ہے۔ اس میں افسران ترتیب وار معاوضے پر رکھے جاتے ہیں، یہ پورے وقت کے افسران ہوتے ہیں جو حکم کے سلسلے (Chain of Command) کی تشکیل کرتے ہیں۔" یعنی افسر شاہی کی نوعیت عقلی اور قانونی ہے۔ اس تنظیم میں افراد عہدے کے اعتبار سے مختلف مدارج پر فائز ہوتے ہیں جنہیں ان کے منصب کے لحاظ سے ایک متعین معاوضہ دیا جاتا ہے اور کسی کام کے متعلق احکام و فرامین ان کے واسطے سے ہی بڑے اور چھوٹے افسران تک پہنچتے ہیں۔ غرض یہ کہ افسر شاہی ایک مضبوط ساختیاتی اور غیر شخصی تنظیم کا نام ہے۔ اس میں ذمہ داریوں اور فرائض کے مطابق لوگوں کو مختلف درجات میں رکھا جاتا ہے۔ کام کو بحسن خوبی انجام دینے کا یہ ایک اہم ذریعہ ہے جو عقلیت پر مبنی ہے اور جدید سماج کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔

ویبر کے مطابق تکنیکی اعتبار سے بیوروکریٹک ادارے اعلیٰ درجے کی لیاقت حاصل کرنے کے اہل ہوتے ہیں اور یہ ادارے لوگوں پر اتھارٹی کے نفاذ کے سب سے معقول ذرائع میں سے ہیں۔ جدید صنعتی سماج میں اداروں کی جتنی بھی شکلیں ہیں ان میں اداروں کی بیوروکریٹک

شکل کافی مقبول اور معقول مانی جاتی ہے۔اس میں لوگوں کی ترتیب وار درجہ بندی ان کی صلاحیت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ذیل میں افسر شاہی کی چند خصوصیات بیان کی جارہی ہیں؛

1. اس کی بنیاد لیگل ریشنل اتھارٹی (Legal Rational Authority) پر ہے۔
2. اس میں کام کی تقسیم افسران کے اختصاص، ان کی صلاحیت، عہدے اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے ہوتی ہے۔
3. افسران درجہ بندی کے قانون سے منضبط ہوتے ہیں جہاں ہر ایک کی ذمہ داری واضح اور متعین ہوتی ہے۔
4. افسران کا تقرر مستقل طور پر (Permanently) ہوتا ہے اور انہیں کچھ مخصوص رقم معاوضے کے طور پر دی جاتی ہے۔
5. افسران کا تقرر صلاحیت، تکنیکی معلومات اور لیاقت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔
6. افسران اپنی ذاتی زندگی کو ملازمت کی زندگی سے الگ رکھتے ہیں اور آفس کے کام کو جذباتی اثرات سے مغلوب ہوئے بغیر رسمی طور پر (Formally) انجام دیتے ہیں۔
7. اس میں اصول وضوابط کا اطلاق تمام ممبران پر یکساں طور پر ہوتا ہے۔

افسر شاہی کے ضمن میں ویبر آئرن کیج (Iron Cage) کے تصور کا ذکر کرتا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ افسر شاہی میں حد سے زیادہ عقلیت پسندی پر زور افسران سے ان کی انفرادیت کو سلب کرلیتا ہے جس کے نتیجے میں افراد کی حیثیت ایسی مخلوق کی ہو جاتی ہے جس کی نا اپنی کوئی رائے ہوتی ہے اور نا ہی انہیں کسی بھی حیثیت میں خود اختیاری حاصل ہوتی ہے۔اس طرح ویبر افسر شاہی کو انسان کی تخلیقی صلاحیت کے لیے مضر سمجھتا ہے۔

سماجی درجہ بندی کے متعلق میکس ویبر (Max Weber's Views on Social Stratification)

سماجی درجہ بندی کے حوالے سے میکس ویبر کے تصورات سماجیات میں کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ ویبر کا ماننا ہے کہ سماجی درجہ بندی کا ظہور سماج میں موجود محدود وسائل کے حصول کی جدوجہد کے نتیجے میں ہوتا ہے۔اس کے مطابق اگرچہ یہ کشمکش بنیادی طور پر معاشی وسائل کے لیے ہوتی ہے، لیکن اس کے علاوہ سماجی حیثیت (Social Status) اور سیاسی طاقت (Political Power) کی کشمکش بھی سماج میں دیکھی جاتی ہے جس کی بنیاد پر سماجی درجہ بندی واقع ہوتی ہے۔ سماجی درجہ بندی کی صرف ایک بنیاد یعنی معاشی وسائل کی جدوجہد جسے ویبر 'کلاس' کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے، نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ حیثیت (Status) اور طاقت (Power) بھی ہے جس کی وجہ سے سماج میں لوگوں کے درمیان درجہ بندی ہوتی ہے۔

اس ضمن میں ویبر طبقہ (Class) کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ طبقات کا وجود بازار میں معاشی جدوجہد کرتے ہوئے ہوتا ہے جہاں سماج کے تمام ہی افراد معاشی مفاد کے حصول کے لیے مسابقت کرتے ہیں۔اس کے مطابق طبقہ افراد کے اس گروہ کو کہتے ہیں جو بازاری معیشت میں (Market Economy) میں ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں اور اس مشترک حیثیت کی وجہ سے ان افراد کی معاشی نتائج بھی ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ویبر کا کہنا ہے کہ فرد کی بازاری حیثیت ہی دراصل اس کے طبقے کی حیثیت ہے۔ جن لوگوں کی طبقے کی حیثیت

مشترک ہوتی ہے، ان کے مواقع زندگی بھی مشترک ہوتے ہیں۔ ان کی معاشی حیثیت کا اثر ان کے مواقع زندگی پر پڑتا ہے اور یہ طبقے کی معاشی حیثیت ہی طے کرتی ہے کہ کون سی چیز اس کے لیے قابل حصول ہے اور کون سی نہیں۔

ویبر نے سرمایہ دارانہ سماج میں چار طرح کے طبقات کا ذکر کیا ہے؛

1. مال و دولت کا مالک اعلیٰ طبقہ (The Propertied Upper Class)
2. غیر مال و دولت والا وائٹ کالر گروہ (The Property Less White-Collar Workers)
3. چھوٹے مال دار (The Petty Bourgeoisie)
4. خود کار مزدور طبقہ (The Manual Working Class)

ویبر کے مطابق 'حیثیت' سماجی درجہ بندی کی دوسری اہم بنیاد ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی گروہ معاشی حیثیت میں ایک جیسے نہ ہوں، لیکن سماجی حیثیت میں ان کے مشترک ہونے کی وجہ سے وہ سماج میں اعلیٰ مرتبے کے سمجھے جاتے ہوں۔ اس ضمن میں ہندوستانی سماج میں ذات پات کے نظام کو لیا جا سکتا ہے۔ اس نظام میں برہمن طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ سب سے اعلیٰ درجے پر ہیں۔ یہ ایک جیسی سماجی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ اس طبقے کے تمام ہی افراد ایک جیسی معاشی حیثیت کے مالک ہوں۔ یعنی سماجی حیثیت میں اعلیٰ و برتر ہونا اس بات کا ضامن نہیں ہے کہ وہ گروہ معاشی اعتبار سے بھی اعلیٰ و اشرف ہو۔ معاشی حیثیت کے اعتبار سے ان کے مختلف طبقات ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ایک ہی جیسے سماجی حیثیت والے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی معاشی حیثیت مختلف ہو سکتی ہے۔

ویبر کے نزدیک سماجی درجہ بندی کی تیسری بنیاد 'طاقت' ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ طاقت کی بنیاد پر بھی انسانی سماج مختلف گروہوں میں منقسم ہوتا ہے۔ یہ بنیاد پہلے کی دونوں بنیادوں یعنی طبقہ اور حیثیت سے مختلف اور آزاد ہوتی ہے۔ وہ گروہ جو سیاسی اعتبار سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے، سماجی درجہ بندی میں وہ اعلیٰ مقام پر ہوگا جب کہ یہ لازمی نہیں ہے کہ وہ گروہ معاشی اور سماجی حیثیت کے اعتبار سے برتر ہو۔ اسی طرح یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی گروہ جو معاشی اور سماجی لحاظ سے اعلیٰ ہو وہ سیاسی طاقت و قوت کے لحاظ سے بھی اعلیٰ مرتبے پر ہوگا۔

ویبر کے نزدیک ان تینوں بنیادوں پر سماجی درجہ بندی ہوتی ہے اور یہ تینوں ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔

پروٹسٹنٹ کے مذہبی اقدار اور سرمایہ داری کا ظہور (Protestant Ethics and Emergence of Capitalism)

ویبر اپنی تصنیف 'The Protestant Ethic and the Spirit of Capitalism' میں یوروپ میں سرمایہ داری کے ظہور کی وجہ بیان کرتا ہے۔ اس کتاب میں ویبر نے عیسائیت کے پروٹسٹنٹ گروہ بالخصوص کالونیت (Calvinism) مسلک سے تعلق رکھنے والوں میں مادی خوشحالی اور معاشی ترقی کے اسباب کی وضاحت کی ہے۔ ویبر دنیا کے چند بڑے مذاہب کا تنقیدی مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ سرمایہ داری کا عروج سب سے پہلے یوروپ کے شمال مغربی حصوں میں ہی کیوں ہوا؟ اور یہ مادی ترقی سب سے

پہلے ان ممالک ہی میں کیوں آئی جہاں کالونیت کافی مضبوط تھی؟اس سوال کی وضاحت کرتے ہوئے ویبر کہتا ہے کہ کالونیت گروہ کے اندر کچھ ایسی مذہبی اقدار ہیں جس کی اتباع کرنے کے نتیجے میں سرمایہ داری کا فروغ بہت تیزی سے ہوا۔اس کے مذہبی اقدار اور تعلیمات عقلیت پر مبنی ہیں اور جدید سائنٹفک دنیا سے بہت ہم آہنگ ہیں، نیز ان تعلیمات کا معیشت سے گہرا اور بلا واسطہ تعلق ہے جس کی وجہ سے سرمایہ داری کا عروج ان کے یہاں بہت تیزی سے ہوا۔ویبر کا یہ بھی کہنا ہے کہ کالونیت جن اقدار کی ترغیب دیتا ہے اس کے پیروکاروں نے اس کی من وعن اتباع کی جس کے نتیجے میں سرمایہ داری بڑھی۔کالونیت کے مذہبی اقدار درج ذیل ہیں؛

تقدیر الٰہی پر ایمان لانا، عقلیت پسند ہونا، کام کو نیکی تصور کرنا،پیشہ کا تصور، دولت کو جمع کرنے کا مزاج رکھنا، شراب اور عشرت پسندی پر مکمل پابندی، علم حاصل کرنے کی ترغیب دینا، ہر دن کو کام کا دن سمجھنا وغیرہ۔ویبر کا کہنا ہے کہ ان مذہبی اقدار کو اپنانے کے بعد ہی یوروپ میں سرمایہ داری کا فروغ بہت تیزی سے ہوا۔

آئرن کیج (Iron Cage):ویبر نے اپنی کتاب 'The Protestant Ethic and the Spirit of Capitalism' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن سماجیات میں اس اصطلاح کا فروغ ٹالکٹ پارسن نے کیا۔پارسن نے جب ویبر کی تحریروں کا انگریزی میں ترجمہ کیا تو اس اصطلاح کو تفصیل سے بیان کیا۔اس سے مراد وہ کیفیت ہے جس کا تجربہ انسان کو سماجی زندگی میں حد سے زیادہ عقلیت پسند ہونے کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ویبر کا کہنا ہے کہ انسان اپنی گروہی اور تنظیمی زندگی میں عقلیت پسند ہونے کی کوشش میں کس طرح اس کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ نتیجتاً وہ تنظیم اور گروہ کا حقیقی مقصد بھول جاتا ہے۔افسر شاہی کے حوالے سے اس اصطلاح کو سمجھا جاسکتا ہے۔ویبر کا کہنا ہے چونکہ افسر شاہی کی بنیاد عقلیت پسندی پر ہوتی ہے۔لیکن ضرورت سے زیادہ عقلیت پسندی افسران سے ان کی انفرادیت اور تخلیقی صلاحیت چھین لیتی ہے۔ نتیجتاً افسران عقلیت کے آہنی پنجرے (Iron cage of rationality) میں پھنس جاتے ہیں۔اس طرح سے انسان کی حیثیت بڑی مشین میں ایک چھوٹے سے پرزے کی ہو جاتی ہے۔

21.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے سے ہم نے جانا کہ ویبر کی ذاتی زندگی میں کتنے اتار چڑھاؤ آئے ہیں۔اپنی عمر کے ابتدائی زمانوں میں وہ اپنے والد کے نقش قدم پر چلتا رہا، لیکن کچھ وقت بعد وہ اپنی والدہ کے طریقہ حیات سے متاثر ہوا۔جیسا کہ ہم نے جانا کہ ویبر کے والدین نہ صرف طرز زندگی میں ایک دوسرے سے مختلف تھے۔بلکہ فلسفہ حیات کے لحاظ سے بھی ان دونوں میں بہت بڑا تضاد تھا جس کی وجہ سے گھر میں اکثر جھگڑے اور تصادم کی کیفیت رہا کرتی تھی۔ویبر کے احساس وجذبات پر گھر کے لڑائی جھگڑے کا بہت گہرا اثر پڑا۔

اس اکائی کے مطالعے سے ہم نے یہ بھی جانا کہ سماجیات میں ویبر کی کیا خدمات ہیں۔جہاں ایک طرف ساختیاتی فنکشنل نظریات میں اس کے فکری اثرات ہیں جو ٹالکٹ پارسن کو پڑھ کر پتہ چلتا ہے،وہیں دوسری طرف تصادمی نظریات (Conflict Theories) بھی اس کے نظریاتی اثرات سے بچ نہیں پائے ہیں۔اس کے علاوہ اگر ہم سمبولِک انٹریکشنزم(Symbolic Interactionism)کا مطالعہ کریں تو ہمیں اس بات کا علم ہوگا کہ اس پر ویبر کے نظریہ ورسٹیہن (Verstehen) کا گہرا عکس پایا جاتا ہے۔اسی طرح الفرڈ شوز

(Alfred Schutz) بھی ویبر کے افکار سے بہت متاثر تھا اور اس کی تحریروں میں ویبر کے فکری اثرات صاف طور پر نظر آتے ہیں۔ الغرض ویبر ایک ایسا ماہر سماجیات تھا جس کے افکار و نظریات نے بہت وسیع پیمانے پر لوگوں کو متاثر کیا ہے۔ اس اکائی کو پڑھنے کے بعد ہمیں ویبر کے مختلف سماجیاتی تصورات اور اس کی تصانیف کے بارے میں واقفیت حاصل ہوئی۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. سوشل ایکشن سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. ورسٹیہن کے کیا معنی ہے؟ اور ویبر اس سے کیا مراد لیتا ہے؟
3. آئیڈیل ٹائپ کیا ہے؟

21.7 کلیدی الفاظ (Key Words)

ورسٹیہن (Verstehen): یہ لفظ جرمن زبان سے ماخوذ ہے جس کے معنی 'سمجھنے' (Understanding) کے ہیں۔ ورسٹیہن سماجیات میں انسانی اعمال کے معنی و مفہوم کو سمجھنے پر زور دیتا ہے۔ ویبر کے مطابق اس سے مراد وہ سمجھ ہے جو کام کرنے والا (Actor) کوئی عمل کرتے وقت اس عمل کے جو معنی مراد لیتا ہے اس کو اسی یعنی Actor کے نقطۂ نظر سے سمجھنا۔

سوشل ایکشن (Social Action): میکس ویبر کے سماجیاتی نظریات میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ اس کے مطابق ہر وہ عمل سماجی عمل کہلاتا ہے جس میں کسی فرد کے عمل کا اثر دوسرے کے عمل پر پڑتا ہو، اور دوسروں کے اعمال کا اثر اس پر بھی پڑتا ہو۔

آئیڈیل ٹائپ (Ideal Type): کسی مظہر کے تعلق سے ذہن میں بنایا جانے والا ایک مثالی آلہ جسے ماہرین سماجیات ایک نمونے کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اور جس کی روشنی میں وہ سماجی حقیقت کا تجزیہ کرتا ہے۔

21.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

(1) ویبر کا تعلق کس ملک سے تھا؟

(a) امریکہ (b) جاپان (c) روس (d) جرمنی

(2) ویبر کی پیدائش کس سن میں ہوئی تھی؟

(a) 1864 (b) 1850 (c) 1890 (d) 1820

(3) دی پروٹسٹنٹ ایتھک اینڈ دی اسپرٹ آف کیپٹلزم (The Protestant Ethic and the Spirit of Capitalism) کس کی تصنیف ہے؟

(a) امائل درکھائم (b) میکس ویبر (c) کارل مارکس (d) اگست کومٹ

(4) آئیڈیل ٹائپ (Ideal Type) کا تصور کس نے پیش کیا؟

(a) آگبرن (b) ٹالکٹ پارسن (c) اسپینسر (d) ویبر

(5) ویبر کے مطابق کتنے طرح کے سماجی عمل ہیں؟

(a) تین (b) دو (c) چار (d) چھ

(6) ویبر نے اتھارٹی کی کتنی قسمیں بیان کی ہے؟

(a) چار (b) تین (c) دو (d) سات

(7) دی سٹی (The City, 1958) کے مصنف کا کیا نام ہے؟

(a) چارلس ڈاروِن (b) ہربرٹ اسپینسر (c) بی۔ آر۔ امبیڈکر (d) میکس ویبر

(8) اِکانمی اینڈ سوسائٹی (Economy and Society) کے مصنف کا کیا نام ہے؟

(a) میکس ویبر (b) سی۔ ایچ۔ کولے (c) ایم۔ این۔ سری نواس (d) ان میں سے کوئی نہیں

(9) آئرن کیج (Iron Cage) کا تصور کس نے پیش کیا؟

(a) میکس ویبر (b) ٹالکٹ پارسن (c) امائل درکھائم (d) ان میں سے کوئی نہیں

(10) سماجی علوم میں ورسٹیہِن (Verstehen) کے تصور کو کس نے فروغ دیا؟

(a) مہاتما گاندھی (b) بی۔ آر۔ امبیڈکر (c) میکس ویبر (d) اگست کومٹ

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. میکس ویبر کی زندگی پر ایک مختصر نوٹ لکھو۔
2. ویبر کی سماجیاتی خدمات کو بیان کرو۔
3. ویبر کا تصور کلاس، اسٹیٹس اور پارٹی کو واضح کرو۔
4. آئیڈیل ٹائپ کی تعریف اور اس کی اقسام کی وضاحت کرو۔
5. ویبر کا تصور اتھارٹی پر ایک مختصر نوٹ لکھو۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سرمایہ داری کے ظہور کے تعلق سے ویبر کا کیا نظریہ ہے؟ تفصیل سے بیان کیجئے۔

2. سوشل ایکشن کی اقسام کو واضح کیجیے۔

3. افسر شاہی کے بارے میں ویبر کے نظریے کی وضاحت کیجیے۔

21.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for further Readings)

6. Haralambos & Holborn, 2018, Sociology: Themes and Perspective, Harper Collins Publishers, New Delhi.
7. Ritzer, George, 2013, Sociological Theory, McGraw Hill Education, New Delhi.
8. Giddens, Anthony & Sutton, P.W, 2017, Sociology, Atlantic Publishers & Distributors, New Delhi
9. Osborne, Richard, 2016, Sociology for Beginners, Zidane Press, London.
10. Aron, Raymond. 1965. Main Currents in Sociological Thought. Vol. 1, Penguin: Harmondsworth.

اکائی 22۔ ویبر کا نظریہ آئیڈیل ٹائپ اور سماجی عمل

(Ideal Type and Social Action of Weber)

اکائی کے اجزا

22.0 تمہید

22.1 مقاصد

22.2 آئیڈیل ٹائپ کے معنی

22.3 آئیڈیل ٹائپ کی تشکیل

22.4 آئیڈیل ٹائپ کے اقسام

22.5 آئیڈیل ٹائپ کی خصوصیات

22.6 آئیڈیل ٹائپ کا مقصد اور اس کا استعمال

22.7 سماجی عمل کی تعریف

22.8 اکتسابی نتائج

22.9 کلیدی الفاظ

22.10 نمونہ امتحانی سوالات

22.11 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں

22.0 تمہید (Introduction)

علم وفلسفہ کی دنیا میں جرمنی کا بہت نمایاں مقام رہا ہے۔ فلسفہ، سیاسیات، معاشیات اور سماجیات میں اس نے بہت سے نامور اور جید مفکرین دنیا کو دیئے ہیں۔ ان تمام ہی مفکرین کے نظریات میں اس وقت کی سیاسی اور معاشی حالات کے گہرے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ میکس ویبر (1920-1864) کو بھی جرمنی کے ان مفکرین میں شمار کیا جاتا ہے جس نے علمی و تحقیقی میدان میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ اس نے سماجیات کو نئے نظریات و تصورات سے بہرہ مند کیا۔ ویبر کے افکار کی معنویت صرف سماجیات میں ہی نہیں ہے، بلکہ سیاسیات،

قانون اور نظم و نسق عامہ میں بھی انھیں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔

ویبر نے سماجی علوم میں نئے طریقۂ تحقیق کو متعارف کرایا جسے اس کے اہم کارناموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ایک محقق کو اپنی تحقیق میں معروضیت کو ضرور برقرار رکھنا چاہئے اور معروضیت کے حوالے سے اس نے نئے افکار وضع کئے ہیں۔ اس کی تحریروں کے مطالعے سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی فکر میں معروضیت کو بہت اہمیت دی ہے۔ وہ انسانی برتاؤ کو سمجھنے کے تیئں تجزیاتی طریقے کا زبردست حامی رہا ہے۔ مختلف سماجی اور سماجیاتی مسائل پر اس کی قیمتی تحریریں موجود ہیں جس سے آج بھی لوگ فیضیاب ہو رہے ہیں۔ ویبر کی علمی لیاقت اور سماجیات میں اس کی خدمات کا دنیا اعتراف کرتی ہے۔ اس کی تحریریں اتنی وسیع اور ہمہ گیر ہیں اور اس کے موضوعات میں اتنا تنوع پایا جاتا ہے کہ سماجیاتی نظریات کے مختلف پہلوؤں پر اس کے اثرات پڑے ہیں۔

ایک طرف ساختیاتی فنکشنل نظریات میں اس کے فکری اثرات ہیں ، وہیں دوسری طرف تصادمی نظریات (Conflict Theories) بھی اس کے نظریاتی اثرات سے بچ نہیں پائے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ہم سِمبولِک انٹریکشنزم (Symbolic Interactionism) کا مطالعہ کریں تو ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس پر ویبر کے نظریۂ ورسٹیہن (Verstehen) کا گہرا عکس ہے۔ اسی طرح الفرڈ شوز (Alfred Schutz) بھی ویبر کے افکار سے بہت متاثر تھا اور اس کی تحریروں میں ویبر کے فکری اثرات صاف طور پر نظر آتے ہیں۔ الغرض ویبر ایک ایسا ماہر سماجیات تھا جس کے افکار و نظریات نے بہت وسیع پیمانے پر لوگوں کو متاثر کیا ہے۔

سماجی علوم (Social Sciences) میں طریقۂ تحقیق کے تعلق سے ویبر کا سب سے نمایاں کارنامہ ہے۔ اس ضمن میں اس کے خیالات غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں اور اس کی معنویت آج بھی برقرار ہے۔ طریقۂ تحقیق کے حوالے سے ویبر نے "قدر سے مبرا تحقیق " (Value-free Research) کا تصور دیا۔ اس کا کہنا ہے کہ تحقیق کے دوران محقق کو اپنے افکار و جذبات سے آزاد ہونا چاہیے۔ یعنی تحقیق کے عمل میں محقق کی ذاتی رائے، افکار اور جذبات کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔ موضوع کے انتخاب میں تو اس بات کی اجازت ہے کہ محقق اپنے مزاج اور فکر کے مطابق کسی موضوع کا انتخاب کرے۔ لیکن موضوع کے انتخاب کے بعد محقق پر یہ لازمی ہے کہ وہ اپنے اقدار (Values)، احساس اور جذبات کو بالائے طاق رکھ کر بالکل سائنسی طور پر تحقیق کرے۔

22.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے سے آپ کو درج ذیل معلومات حاصل ہوں گی؛

- آپ کو آئیڈیل ٹائپ کے معنی اور اس کا فہم حاصل ہوگا کہ سماجیات میں اسے کن معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے،
- آئیڈیل ٹائپ کی تشکیل کیسے ہوتی ہے، یعنی اس کی اجزائے ترکیبی کے بارے میں آپ کو واقفیت حاصل ہوگی،
- اس اکائی کے مطالعے سے طلبہ کو آئیڈیل ٹائپ کی خصوصیات کے بارے میں معلومات ہوگی،
- اس اکائی میں سماجی اعمال (Social Actions) پر بحث کی گئی ہے۔ طلبہ کو اس کے مطالعہ سے سماجی اعمال کے معنی اور اقسام کے بارے میں معلومات حاصل ہوگی۔

22.2 آئیڈیل ٹائپ کے معنی (Meaning of Ideal Type)

جرمنی کے معروف ماہر سماجیات میکس ویبر نے آئیڈیل ٹائپ کی اصطلاح پیش کی۔ ویبر نے سماجی مطالعہ کے ایک آلے کے طور پر اس کی تخلیق کی۔ اس کا کہنا ہے کہ سماجی حقیقت کو ایک ایسے آلے (Tool) کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے جس کو وہ آئیڈیل ٹائپ کہتا ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آئیڈیل ٹائپ کیا ہے؟ یہ کیسے وجود میں آتا ہے؟ اور اس کو کس طرح استعمال کیا جاتا ہے؟ ویبر کہتا ہے کہ آئیڈیل ٹائپ ایک پیمانہ ہے جس کی مدد سے ایک محقق سماجی حقیقت کو پورا پورا سمجھ سکتا ہے۔ اس آلے کے استعمال سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ سماجی حقیقت اپنے آئیڈیل ٹائپ سے کتنی نزدیک یا دور ہے۔ اس کی تشکیل کافی مشکل آمیز اور چیلنجنگ ہے۔

ویبر درج ذیل طریقوں سے اسے استعمال کیا ہے جو درج ذیل ہیں؛

(a) تاریخی تفصیلات کی آئیڈیل ٹائپ (Ideal Types of Historical Particulars)

(b) سماجی حقیقت کے تجریدی عناصر کا آئیڈیل ٹائپ (Ideal Types of Abstract Elements of Social Reality)

(c) مخصوص طور طریقوں کی تشکیل کے تعلق سے آئیڈیل ٹائپ (Ideal Types Relating to the Construction of a Particular kind of Behaviour)

(d) ساختیاتی آئیڈیل ٹائپ (Structural Ideal Type)

کسی بھی سماجی مظہر (Phenomenon) کے اپنے کچھ مخصوص خصوصیات و امتیازات ہوتے ہیں۔ ان تمام ہی خصوصیات کا کسی دوسرے سماجی مظہر پر مکمل اطلاق ممکن نہیں ہے اسی لیے ان میں سے کچھ کو منتخب کر کے تحقیق میں اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اسی کو آئیڈیل ٹائپ کی تشکیل کہتے ہیں۔ ویبر آئیڈیل ٹائپ سے ایک خاص مفہوم مراد لیتا ہے اور اس کی تشکیل کے حوالے سے وہ چند مضمر اور پوشیدہ اصول کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہاں ہم پہلے اس لفظ کے عمومی معنی کو جاننے کی کوشش کریں گے پھر ویبر کے مطابق اس لفظ کے کیا معنی ہیں اس کو جانیں گے۔

نیو ویبسٹرس ڈکشنری (New Websters Dictionary 1985) کے مطابق لفظ 'آئیڈیل' کسی ایسی چیز کا تصور ہے جو اپنے آپ میں پوری طرح سے مکمل اور معیاری ہو۔ یعنی اس سے کوئی مادی اشیاء مراد نہیں ہے، بلکہ کسی بھی چیز کے تعلق سے انسان کے ذہن میں بننے والی تصوراتی صورت مراد ہے۔ یہ ایک نمونہ (Model) ہوتا ہے۔ دی کولنس کوبلڈ انگلش لنگویج ڈکشنری (The Collins Cobuild English Language Dictionary) کے مطابق کسی چیز کے تعلق سے آپ کا آئیڈیل وہ شخص یا چیز ہوتی ہے جس کی مثال اس مخصوص معاملے میں آپ کو سب سے اچھی لگے۔ اسی طرح لفظ ٹائپ (Type) کے معنی قسم، کلاس یا گروہ کے آتے ہیں جو دوسروں سے الگ اور ممتاز سمجھے جاتے ہوں۔ یعنی آئیڈیل ٹائپ کے معنی ایسی قسم، کلاس، اشیا یا انسانوں کے گروہ کو کہتے ہیں جو مخصوص خصوصیات کا حامل ہو اور جو اس حوالے سے سب سے بہترین مثال ہو۔ مثال کے طور پر کوئی کہے کہ اس معاملے میں میں فلاں شخص کو اپنا آئیڈیل مانتا

ہوں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کہنے والے کے مطابق وہ شخص اس مخصوص معاملے میں بہترین اور بلند مقام پر ہے جس سے وہ مسلسل رہنمائی لیتا رہتا ہے۔

میکس ویبر نے اس کو ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ ایک ذہنی پیداوار (Mental Construct) ہے جس طرح سے کسی چیز یا صورتحال کو جانچنے کے لئے انسان اپنے ذہن میں ایک نمونہ بنالیتا ہے اور اسی کی روشنی میں اسے جانچتا ہے۔ اسی لئے ویبر آئیڈیل ٹائپ کو طریقیاتی آلے (Methodological Tool) کے طور پر استعمال کرتا ہے جس سے سماجی حقیقت کو بہتر طریقے سے سمجھا جاسکے اور اس کا تجزیہ کیا جاسکے۔ طریقیات (Methodology) نام ہے تحقیق کے اس طریقے کا جو تصوراتی اور عقلی ہو اور جس کے ذریعے علم کی پیداوار اور اس کا ارتقا ہوتا ہے۔ سماجی علوم کی تاریخ کو اگر ہم طریقیاتی حوالے سے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ لوگوں کی حتی المقدور یہ کوشش رہی ہے کہ ان میں سائنسی عناصر کی تلاش کی جائے اور سائنس کی حیثیت سے انہیں متعارف کیا جائے۔

جیسا کہ پہلے اس بات کا ذکر کیا جاچکا ہے کہ سماجی علوم میں معروضیت کی اہمیت ویبر کے یہاں بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے اس نے آئیڈیل ٹائپ کے تصور کو طریقیاتی آلے کے طور پر استعمال کیا تاکہ وہ حقیقت کو بغیر کسی تعصب کے معروضی انداز میں سمجھ سکے، کیونکہ آئیڈیل ٹائپ کا اقدار اور نظریے سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ ریسرچ کا ایک آلہ ہے جو مماثلت و موازنہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ الغرض آئیڈیل ٹائپ کسی چیز یا صورتحال کے تعلق سے ایک محقق کے ذہن میں بننے والے وہ تصورات ہیں جو حقائق کی بنیاد پر بنتے ہیں۔

ویبر کا کہنا ہے کہ آئیڈیل ٹائپ ہماری تحقیق کی صلاحیت کو بڑھاتا ہے۔ یہ حقیقت کا عکس یا بیان نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت تک رسائی یا اس کے بیان کا ایک آلہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آئیڈیل ٹائپ وہ تصورات ہیں جو حقائق کی بنیاد پر بنتے ہیں وہ حقائق جنہیں بہت احتیاط اور غیر معمولی تجزیے کے بعد یکجا کیا گیا ہو تاکہ اس کی بنیاد پر تجربی تحقیق (Empirical Research) ممکن ہو سکے۔ اس معنی میں آئیڈیل ٹائپ وہ تصورات ہیں جو کوئی بھی سماجی مسئلے میں ہماری سوچ و فہم اور تجزیے کے حوالے سے طریقیاتی آلے (Methodological Tools) کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ سب سے مشہور آئیڈیل ٹائپ جسے ویبر نے بیان کیا ہے وہ ہے 'نوکرشاہی' (Bureaucracy)۔ آئیڈیل ٹائپ نوکرشاہی کی روشنی میں مروجہ نوکرشاہی کے رول اور اس کے نتائج کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ آئیڈیل ٹائپ کسی بھی مظہر کا مطالعہ کرنے میں بہت معاون ہوتا ہے۔ اس کی مدد سے آئیڈیل اور حقیقت کی پہچان کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس تصور کو مزید سمجھنے لئے اور یہ جاننے کے لیے کہ ویبر نے کس معنی میں اس اصطلاح کا ستعمال کیا ہے، ہمیں یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی تشکیل کیسے ہوتی ہے۔

22.3 آئیڈیل ٹائپ کی تشکیل (Construction of Ideal Type)

آئیڈیل ٹائپ ایک تجریدی (Abstract) تصور ہے۔ یہ ان تمام عناصر کا مرکب ہے جو ذہن میں تو موجود ہوتے ہیں لیکن ان کا ظہور کسی خاص شکل و صورت میں نظر نہیں آتا۔ اسی لیے ویبر یہ نہیں کہتا کہ وہ کوئی نیا تصوراتی طریقہ ایجاد کر رہا ہے بلکہ اس کا کہنا ہے کہ وہ محض اس چیز کو واضح کر رہا ہے جو پہلے سے ہی انسانی عمل میں موجود ہے۔ آئیڈیل ٹائپ کی تشکیل کے لئے ماہرین سماجیات اس متعلقہ شئی

یا حالت کی تمام خصوصیات میں سے چند اہم خصوصیات کو منتخب کرتے ہیں۔ پھر اس کی بنیادی شرائط و خصوصیات کی روشنی میں اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، اگر ہمیں ہندوستان میں جمہوریت کی صورتحال کا مطالعہ کرنا ہے تو سب سے پہلے ہم جمہوریت کی بنیادی شرائط و خصوصیات کی روشنی میں جمہوریت کے تصور کو بیان کریں گے۔

جمہوریت کی لازمی اور بنیادی خصوصیات ہندوستانی جمہوریت کے مطالعے میں معاون ہوگی۔ یہ جمہوریت کے مطالعے میں ایک آلے کے طور پر ہماری رہنمائی کریں گی۔ ان لازمی خصوصیات سے حقیقی صورت حال کا تقابل اس بات کی نشاندہی کرے گا کہ حقیقی صورت حال آئیڈیل کے کتنے قریب ہے اور مسئلے کی حقیقی تصویر سامنے آجائے گی۔ اس بات کا پتہ چل جائے گا کہ ہندوستان کی جمہوریت کی صحیح صورتحال کیا ہے۔ جمہوریت کے حوالے سے یہ آئیڈیل تصور محقق کے لیے ایک نمونہ اور آلہ کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ آئیڈیل ٹائپ عمومی خصوصیات کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ لازمی خصوصیات پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس ضمن میں سرمایہ داری کے عروج کے متعلق ویبر کی تحقیق کی مثال پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ویبر نے اپنی کتاب Protestant Ethic and the Spirit of Capitalism میں کالونی (Calvinist) گروہ کے اخلاق و عادات کا تجزیہ کیا۔ ویبر نے ان خصوصیات و عادات کا تجزیہ کیا جو اس کے مطابق کالونیت کے وجود کے لیے لازمی عناصر کے حیثیت رکھتے ہیں اور اس کے مطابق سرمایہ داری کے فروغ میں انہیں خصوصیات کا کلیدی کردار ہے۔ مختصر یہ کہ آئیڈیل ٹائپ ان خصوصیات و عناصر کا انتخاب ہے جو متعلقہ مطالعے میں بالکل ممتاز اور اہم ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آئیڈیل ٹائپ موجودہ ذہنی حقائق سے تشکیل پاتے ہیں اور وہ کسی بھی طرح سے مکمل طور پر حقیقی صورت حال میں موجود نہیں ہوتا۔ اسی لیے ویبر کہتا ہے کہ یہ محقق کے ذہن میں بننے والی ایک تصویر ہے، یعنی یہ ایک ذہنی خاکہ ہے جو کسی چیز یا حالت کے تعلق سے محقق کے ذہن میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ تجریدی عناصر (Abstract Elements) کا مرکب ہوتا ہے۔

22.4 آئیڈیل ٹائپ کے اقسام (Kinds of Ideal Types)

ویبر نے اپنی کتاب اکنامک اینڈ سوشل آرگنائزیشن (Economic and Social Organization)، دی سٹی (The City) اور سوشیالوجی آف رلیجن (Sociology of Religion) میں آئیڈیل ٹائپ کے تصور کو استعمال کیا ہے۔ ویبر کے اس تصور کی درج ذیل چار قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

(1) **تاریخی تفصیلات کی آئیڈیل ٹائپ (Ideal Types of Historical Particulars)** یہ آئیڈیل ٹائپ تاریخی مظہر کی تفصیلات سے متعلق ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر پروٹسٹنٹ کے مذہبی اقدار، سرمایہ داری۔

(2) **سماجی حقیقت کے تجریدی عناصر کا آئیڈیل ٹائپ (Ideal Types of Abstract Elements of Social Reality)** اس آئیڈیل ٹائپ کا تعلق تجریدی عناصر کے فروغ سے ہے۔ مثال کے طور پر سماجی عمل اور اتھارٹی جس کی روشنی میں سماجی مظہر کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

(3) مخصوص رویے کی تشکیل کے تعلق سے آئیڈیل ٹائپ (Ideal Types Relating to the Construction of a Particular kind of Behaviour) آئیڈیل ٹائپ کی اس قسم سے ویبر کی مراد مخصوص رویوں کے آئیڈیل ٹائپ ہیں۔ مثال کے طور پر معاشی یا سیاسی رویے۔

(4) ساختیاتی آئیڈیل ٹائپ (Structural Ideal Types) یہ آئیڈیل ٹائپ کی وہ قسم ہے جو سماجی عمل کے اسباب اور نتائج سے واقع ہوتا ہے۔ اس حوالے سے روایتی تسلط کو مثال کے طور پر پیش کرسکتے ہیں۔

22.5 آئیڈیل ٹائپ کی خصوصیات (Characteristics of Ideal Types)

مذکورہ بالا نکات کی روشنی میں آئیڈیل ٹائپ کی درج ذیل اہم خصوصیات اخذ کی جاسکتی ہیں:

1. آئیڈیل ٹائپ (Ideal Types) ذہنی اور تصوراتی تخلیق ہے۔ فطری اعتبار سے یہ ایک ذاتی اور داخلی (Subjective) تخلیق ہے۔ یہ عقلی لحاظ سے آئیڈیل ہے کیوں کہ یہ ہمارے قوت فکر اور تصور پر منحصر ہوتی ہے۔
2. چونکہ آئیڈیل ٹائپ خیالی اور ذہنی تصور کا نام ہے اسی لیے یہ حقیقت سے مکمل طور پر مطابقت نہیں رکھتی ہے۔ اس کی تشکیل حقیقی دنیا سے الگ بالکل علاحدہ قیاس کی بنیاد پر ہوتی ہے۔
3. آئیڈیل ٹائپ کا تعلق سماج کے اخلاقی اقدار سے نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ خالص عقل و منطق پر مبنی ہوتا ہے۔
4. آئیڈیل ٹائپ عمومی اور اوسط درجے کی خصوصیات سے تشکیل نہیں پاتا۔ یعنی ان کی تشکیل ہم ان خصوصیات کے ذریعے نہیں کر سکتے جو متعلقہ مطالعے میں عموم کی حیثیت رکھتے ہوں۔ بلکہ یہ ان عناصر اور خصوصیات پر مشتمل ہوتا ہے جو متعلقہ مطالعے کی آئیڈیل تصور کی تشکیل میں لازمی اور جزء لاینفک کی حیثیت رکھتا ہے۔
5. آئیڈیل ٹائپ مکمل حقیقت کی عکاسی نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ متعلقہ معاملے میں جزوی طور پر حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔
6. آئیڈیل ٹائپ حقیقت کے تعلق سے کسی متعین تصور کا اظہار اور بیان نہیں ہے اور نا ہی یہ مفروضہ (Hypothesis) ہے بلکہ یہ حقیقت کے بیان اور اظہار میں معاون ہوسکتا ہے۔
7. آئیڈیل ٹائپ غیر لچک دار نہیں ہوتا ہے کہ اس میں تبدیلی نہ کی جاسکے۔ بلکہ یہ لچک دار ہوتا ہے جس میں وقت کے اعتبار سے تبدیلی ممکن ہے۔ کیوں کہ یہ ہمارے ذہن میں بسنے والے تصورات کی بنیاد پر بنتے ہیں اور تصورات میں تبدیلی آئیڈیل ٹائپس میں تبدیلی کا سبب ہوسکتی ہے۔
8. کسی مسئلے کی عمومی کیفیت، اس کی نوعیت کے ادراک اور تقابلی تجزیے میں یہ معاون ثابت ہوتا ہے۔
9. آئیڈیل ٹائپ تجرباتی تحقیق (Empirical Research) میں رہنمائی کرتا ہے۔

22.6 آئیڈیل ٹائپ کا مقصد اور استعمال (Aims and Use of Ideal Types)

آئیڈیل ٹائپ کے کیا مقاصد ہیں؟ ان کا استعمال کب اور کیوں کیا جاتا ہے؟اس کے جواب میں ماہرین سماجیات کا کہنا ہے کہ آئیڈیل ٹائپس کی تشکیل تحقیقی سوالات (Research Questions) کو حل کرنے اور اس کا تجزیہ کرنے میں محقق کی رہنمائی کرتے ہیں۔اس آلے کے ذریعے محققین اپنے سوالات کو ایک طریقۂ تحقیق کے تحت حل کرتے ہیں۔ یہ طریقۂ تحقیق مختلف سماجیاتی سوالات کو سمجھنے کے لئے محققین کے ذریعے استعمال کیا جاچکا ہے۔ ویبر نے اس کا استعمال اتھارٹی کے تصور کو واضح کرنے اور دوسری تحقیق میں کیا ہے۔

آئیڈیل ٹائپ ذہن میں موجود تصورات اور فکر سے وجود میں آتے ہیں۔ ضرورت محسوس ہونے پر اس میں ترمیم کرکے اس کو ٹھوس بنایا جاتا ہے۔اس طرح آئیڈیل ٹائپ سماجی مسائل کے تجزیے کی صحت کے لئے مفید ہیں۔ غرض یہ کہ آئیڈیل ٹائپ طریقیاتی آلہ (Methodological Tool) ہے جو صرف تجربی سوالات کے تجزیے میں رہنمائی نہیں کرتا بلکہ استعمال ہونے والے تصورات میں ابہام والتباس کو بھی رفع کرتا ہے اور اس کو بالکل واضح کرکے پیش کرتا ہے۔ نیز یہ مسائل کے تجزیے کی صحت میں مزید مضبوطی کا باعث ہوتا ہے۔

22.7 سماجی عمل کی تعریف (Definition of Social Action)

سماجی عمل (Social Action) اس عمل کو کہتے ہیں جس میں کم از کم دو یا دو سے زائد افراد شامل ہوں اور باہم ایک دوسرے کے عمل کو متاثر کرتے ہوں۔ سماجیاتی زبان میں سماجی عمل ایک ایسے عمل کو کہتے ہیں جس کو فرد یعنی عامل شعوری طور پر انجام دے اور جس سے سماج بلواسطہ یا بلا واسطہ متاثر ہو۔ سماجی عمل کو سمجھنے کے لیے ماہرین سماجیات نے دو طرح کے نظریے قائم کیے ہیں۔ پہلا وہ جو سماجی ساخت کو حقیقت کے طور پر تسلیم کرتا ہے۔ اس کے نزدیک ہر سماجی عمل سماجی ساخت کے تابع ہوتا ہے۔ یہ سماجی عمل کے دوران فرد کی آزادی تسلیم نہیں کرتا ہے۔اس نظریے کے جاننے والے سماجیاتی مطالعے کے دوران سماجی عمل کے بجائے سماجی اداروں پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

دوسرا نظریہ وہ ہے جو سماجی ساخت کو اہمیت نہیں دیتا۔ ان کے نزدیک فرد سماجی عمل کے دوران بالکل آزاد اور خودمختار ہوتا ہے۔ فرد کے اپنے خیالات و عقائد ہوتے ہیں اور اپنی تخلیقی صلاحیت سے وہ سماجی حقیقت کی تعمیر کرتا ہے۔ سماجی عمل کی سطح پر سماج کے مطالعے کا باقاعدہ آغاز جرمنی کے معروف ماہر سماجیات میکس ویبر نے کیا تھا۔وہ سماجیات کی تعریف ہی اس طرح کرتا ہے "سماجی عمل کا سائنسی مطالعہ کرنا ہی سماجیات کا کام ہے"۔

ویبر کے مطابق سماجیات ایک سائنس ہے جس کا مقصد سماجی عمل کی تشریحی فہم (Interpretative Understanding) کا حصول ہے تاکہ اس (سماجیات) کے ذریعے عمل کے سبب (Cause) اور اس کے اثرات (Effects) کا موجبی بیان (Causal Explanation) کیا جاسکے۔ ویبر کی اس تعریف سے ہم درج ذیل نکات اخذ کرسکتے ہیں:

1. سماجی عمل تمام قسم کے انسانی برتاؤ کا احاطہ کرتا ہے۔
2. سماجی عمل عمل کرنے والے (Actor) کے داخلی اور ذاتی مفہوم سے تعلق رکھتا ہے۔
3. عمل خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ دوسرے لوگوں کے اعمال کو متاثر کرتا ہے۔

جس طرح امائل درکھائم نے سماجیات کا موضوع بحث سماجی حقائق قرار دیا ہے، اسی طرح میکس ویبر کے یہاں سماجی اعمال یعنی سوشل ایکشن سماجیات کا موضوع بحث ہے۔ ویبر نے آئیڈیل ٹائپ اور سوشل ایکشن کا استعمال نظریاتی خاکے کے طور پر کیا ہے۔ اس کے مطابق سماجیات کا دائرہ کار سماجی عمل ہے۔ اسی لیے ویبر نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ سماجیات سماجی عمل کی ایک وسیع وہمہ گیر سائنس ہے۔ اس لیے ہر محقق کو اس بات پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے کہ وہ لوگ جن کے اعمال پر تحقیق کی جارہی ہے وہ اپنے ان اعمال کا کیا مفہوم مراد لیتے ہیں۔ یعنی سماجیات کا مقصد لوگوں کے اعمال اور جن مخصوص پس منظر میں بین عمل (Interaction) جاری رہتا ہے اس کے داخلی (Subjective) مفہوم کو سمجھنا ہے۔ اس کے مطابق ہر عمل سماجی عمل نہیں ہوتا، سماجی عمل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ فرد کے عمل کا اثر دوسرے کے عمل پر پڑتا ہو۔

ویبر نے دو حالتوں (Conditions) کو بیان ہے کیا جس کی وجہ سے کوئی عمل سماجی عمل بنتا ہے۔

1. کوئی بھی عمل (Action) اس وقت سماجی (Social) ہوتا ہے جب عمل کرنے والا (Actor) اس عمل سے کوئی معنی اور مفہوم مراد لے۔ عمل کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عمل کے تعلق سے باشعور رہے۔
2. کوئی بھی عمل اس وقت سماجی عمل ہوتا ہے جب اس عمل کا اثر کسی دوسرے پر پڑتا ہو۔ یعنی صرف وہی عمل سماجی قرار پائے گا جس کا میلان (Orientation) کسی دوسرے پر بھی ہو۔

سماجی عمل کے وقوع سے پہلے کسی دوسرے فرد کی موجودگی کا یا اس کے عمل کا مفروضہ بنا رہتا ہے۔ یعنی کوئی بھی عمل اس وقت سماجی عمل ہوگا جب اس کے مقابلے میں کوئی فرد یا اس کا عمل موجود ہو۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کوئی بھی سماجی عمل علاحدگی (Isolation) میں واقع نہیں ہو سکتا۔ اس لیے سماجی عمل اسی وقت ممکن ہے جب کہ کوئی دوسرا فرد بھی ہو جس کا عمل یا ردعمل اس شخص کو ایک خاص طریقے پر عمل کرنے کے لیے اکسائے۔

اس حوالے سے دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ کوئی بھی عمل اس وقت سماجی عمل کہلائے گا جب عمل کے داخلی مفہوم سے واقفیت ہوگی۔ یعنی کسی بھی عمل کا مفہوم سمجھے بغیر اس عمل کی صرف اندھی تقلید کرنے کا نام سماجی عمل نہیں ہے۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ محقق عمل کا وہی مفہوم سمجھنے کی کوشش کرے جو عمل کرنے والا اپنے عمل کے بارے میں سمجھتا ہے۔

ویبر نے سماجی عمل کی چار قسمیں بیان کی ہے اور یہ چاروں اقسام انسانی برتاؤ کے تنوعات کو ظاہر کرتے ہیں۔

(3) **روایتی سماجی عمل (Traditional Social Action)** ۔ یہ وہ سماجی اعمال ہیں جن کا ماخذ سماج کے رسوم ورواج ہوتے ہیں۔ ہر سماج میں کام کرنے، ملنے جلنے اور بین عمل کے کچھ ایسے طریقے ہوتے ہیں جو روایتی طور پر مانے جاتے ہیں۔ یعنی وہ سماجی عمل جو مخصوص صورتحال میں لاشعوری طور پر ایک مخصوص طریقے سے انجام دیے جاتے ہیں۔

(4) **جذبات پر مبنی سماجی عمل** (**Affective or Emotional Type of Social Action**)۔ انسان ہمیشہ علم و عقل اور سماجی و مذہبی اقدار سے متاثر ہو کر ہی کوئی کام نہیں کرتا، بلکہ اس کے اندر مختلف قسم کے جذبات بھی ہوتے ہیں۔ اسے غصہ آتا ہے، خوش بھی ہوتا ہے، حسد و جلن کی کیفیت سے بھی گزرتا ہے، مختلف ذہنی و نفسیاتی پریشانی میں بھی مبتلا ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص اس طرح کی کیفیت سے متاثر ہو کے کوئی کام کرتا ہے تو ایسے عمل کو جذبات پر مبنی سماجی عمل کہتے ہیں۔

(3) **اقدار پر مبنی سماجی عمل** (**Evaluation Type of Social Action**) ۔ یہ سماجی عمل اقدار سے متاثر ہو کر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ہر سماج کے اندر کچھ مخصوص اقدار ہوتے ہیں۔ ان اقدار کو برقرار رکھنا سماج کی بقا کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح کے اعمال عقل و منطق کی روشنی میں نہیں سمجھے جاسکتے، بلکہ سماج کے مخصوص اقدار کی روشنی میں انھیں سمجھا جاسکتا ہے۔

(4) **عقلیت پر مبنی سماجی عمل** (**Rationalistic Type of Social Action**) ۔ سماجی عمل کی چوتھی اور آخری قسم عقلیت (Rationality) پر مبنی سماجی عمل ہے۔ اس میں لوگوں کے عمل کا ماخذ عقل اور منطق ہوتی ہے۔ جدید سماج چونکہ عقلیت پر مبنی سماج ہے، اس لئے اس میں اس طرح کے اعمال کو ترجیح دی جاتی ہے جن کے پیچھے عقلی جواز ہو، نا کہ جو جذبات اور روایات پر مبنی ہو۔

22.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے سے ہم نے درج ذیل چیزیں سیکھی ہیں:

1. اس کے مطالعے سے ہمیں آئیڈیل ٹائپ کے معنی و مفہوم کا علم ہوا۔ نیز ہم نے یہ بھی جانا کہ سماجیات میں یہ کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
2. آئیڈیل ٹائپ کی تشکیل کے تعلق سے بھی ہمیں اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ ہم نے جانا کہ اس کی تشکیل کیسے ہوتی ہے اور کون سے اجزا ہیں جن کا یہ مرکب ہے۔ اس کے علاوہ آئیڈیل ٹائپ کی خصوصیات کے بارے میں بھی معلومات ہوئی ہیں۔
3. اس اکائی کا دوسرا جز سوشل ایکشن یعنی سماجی اعمال پر مشتمل ہے۔ اس کے مطالعے سے ہمیں سماجی عمل کے معنی سے واقفیت ہوئی ہے۔ نیز میکس ویبر کے سماجی عمل کے تصور سے واقفیت ہوئی ہے۔ ویبر کے مطابق سماجی عمل کی چار قسمیں ہیں:

(1) روایتی سماجی عمل (Traditional Social Action) (2) جذبات پر مبنی سماجی عمل (Affective or Emotional Type of Social Action) (3) اقدار پر مبنی سماجی عمل (Evaluation Type of Social Action)، (4) عقلیت پر مبنی سماجی عمل (Rationalistic Type of Social Action) ۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. آئیڈیل ٹائپ سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
2. ویبر کا سماجی عمل (Social Action) کا کیا مطلب ہے؟

3. آئیڈیل ٹائپ کے کیا مقاصد ہیں؟

22.9 کلیدی الفاظ (Key Words)

آئیڈیل ٹائپ (Ideal Type): کسی مظہر (Phenomenon) کے تعلق سے ذہن میں بنایا جانے والا ایک مثالی خاکہ جسے ماہرین سماجیات ایک نمونے کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اور جس کی روشنی میں وہ سماجی حقیقت کا تجزیہ کرتا ہے۔

سوشل ایکشن (Social Action): میکس ویبر کے سماجیاتی نظریات میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ اس کے مطابق ہر وہ عمل سماجی عمل کہلاتا ہے جس میں کسی فرد کے عمل کا اثر دوسرے کے عمل پر پڑتا ہو، اور دوسروں کے اعمال کا اثر اس پر بھی پڑتا ہو۔

22.10 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

(1) آئیڈیل ٹائپ (Ideal Types) کا تصور کس نے دیا؟

(a) میکس ویبر (b) امائل درکھائم (c) اگست کومٹ (d) ٹالکٹ پارسن

(2) آئیڈیل ٹائپ کے تعلق سے درج ذیل میں سے کون سی بات درست ہے؟

(a) یہ ذہنی تخلیق ہے (b) یہ جسیم اور ٹھوس شئی کا نام ہے

(c) دونوں درست ہیں (d) دونوں غلط ہیں

(3) آئیڈیل ٹائپ کی حیثیت ایک ______ کی ہے۔

(a) طریقیاتی آلے (b) نظریے (c) دونوں درست ہیں (d) دونوں غلط ہیں

(4) ویبر کے مطابق سماجیات کا موضوع بحث کیا ہے؟

(a) سماجی حقائق (b) سماج عمل (c) سماجی ادارے (d) انجمن

(5) ویبر کے مطابق سماجی عمل کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a) چار (b) تین (c) دو (d) پانچ

(6) آئیڈیل ٹائپ کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a) چار (b) تین (c) دو (d) پانچ

(7) درج ذیل میں کون سماجی عمل کی قسم نہیں ہے؟

(a) روایتی سماجی عمل (b) جذبات پر مبنی سماجی عمل

(c) اقدار پر مبنی سماجی عمل (d) مذہب پر مبنی سماجی عمل

(8) درج ذیل میں کون آئیڈیل ٹائپ کی خصوصیات نہیں ہے؟

(a) یہ ذہنی اور تصوراتی تخلیق ہے (b) یہ تجربی تحقیق میں رہنمائی کا کام کرتی ہے

(c) اخلاقیات کے ضمن میں یہ آئیڈیل ہے (d) ان میں سے کوئی نہیں

(9) ویبر کے مطابق اتھارٹی کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a) تین (b) دو (c) چار (d) پانچ

(10) 'Protestant Ethic and the Spirit of Capitalism' کے مصنف کا نام بتایئے۔

(a) میکس ویبر (b) کارل مارکس (c) امائل درکھائم (d) ٹالکٹ پارسن

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. آئیڈیل ٹائپ کی خصوصیات کو مختصراً بیان کیجیے۔
2. سماجی اعمال کی تعریف بیان کیجیے۔
3. آئیڈیل ٹائپ کے مقاصد پر روشنی ڈالیے۔
4. آئیڈیل ٹائپ کی قسمیں بیان کیجئے۔
5. آئیڈیل ٹائپ کے مقصد کو مختصراً بیان کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. میکس ویبر کا تصور آئیڈیل ٹائپ کی تفصیل سے وضاحت کیجیے۔
2. سماجی اعمال (Social Actions) کے اقسام کی وضاحت کیجیے۔
3. آئیڈیل ٹائپ کی تشکیل کیسے ہوتی ہے؟ وضاحت کیجیے۔

22.11 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Bottomore, T.B. 1962, Sociology A Guide to Problems and Literature, George Allen & Unwin Ltd.: London.
2. Inkeles, A. 1975, What is Sociology? Prentice-Hall : New Delhi
3. Aron, Raymond. 1965. Main Currents in Sociological Thought. Vol. 1, Penguin: Harmondsworth.

اکائی 23۔ مذہب اور سماج پر ویبر کے افکار

(Weber on Religion and Society)

اکائی کے اجزا

23.0 تمہید

23.1 مقاصد

23.2 ویبر کے مذہبی نظریات

23.3 ویبر اور دنیا کے مختلف مذاہب

23.3.1 ہندوستانی مذہب

23.3.2 چینی مذاہب

23.3.3 کنفیوشیت

23.3.4 تاؤمت

23.3.5 پروٹسٹنٹ

23.3.6 کالونیت

23.4 اکتسابی نتائج

23.5 کلیدی الفاظ

23.6 نمونہ امتحانی سوالات

23.7 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

23.0 تمہید (Introduction)

مذہب انسانی سماج کا ایک اہم حصہ مانا جاتا ہے۔ انسانی زندگی کو سمجھنے اور مختلف سماجی صورت حال کی توضیح کے لئے مذہب کا استعمال قدیم اور جدید دونوں سماجوں میں دیکھا گیا ہے۔ سماجی مفکرین نے انسانی برتاؤ کو سمجھنے کے لئے ابتدا سے ہی مذہب کو ایک اہم عامل کے طور پر دیکھا ہے۔ ان کا یہ ماننا ہے کہ مذہب انسانی برتاؤ کے تعین میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ عظیم سماجیاتی مفکرین جیسے امائل درکھائم، کارل مارکس اور میکس ویبر وغیرہ نے انسانی برتاؤ کی پختگی میں اس کے اثر کا تجزیہ کیا ہے۔

درکھائم جو فنکشنلسٹ نظریے کا ماننے والا ہے وہ کہتا ہے کہ مذہب لوگوں کے درمیان اس اجتماعی شعور کو تقویت دیتا ہے جس کی عدم موجودگی میں سماجی زندگی ناممکن ہے۔ اس نے انسانی زندگی میں مذہب کی مختلف نوعیت کا ذکر کیا جو درکھائم کے مطابق انسانی زندگی کے ارتقائی مراحل کے ساتھ وجود پذیر ہوئے اور ان سب نے انسانی برتاؤ پر گہرا اثر ڈالا اور بسا اوقات ان کی رہنمائی کی۔ وہ لوگ جنہوں نے مذہب کو صرف تخیلات تک محدود ہونے کی بات کی ان کا جواب دیتے ہوئے درکھائم کا کہنا ہے کہ ایک ایسی چیز جو انسانی شعور پہ اثر انداز ہو اور اس کی گرفت کافی مضبوط ہو، وہ صرف تخیلات تک کیسے محدود ہو سکتی ہے۔

کارل مارکس نے سماج میں مذہب کے کردار پر تنقید کرتے ہوئے اس کے منفی ہونے کی بات کی ہے۔ اس کے مطابق مذہب لوگوں کے لئے افیم کا کام کرتا ہے۔ اس ضمن میں اس کا یہ قول کافی مشہور ہے 'Religion is the opium of the people'۔ اس حوالے سے وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ مذہب انسانوں کو انقلاب لانے سے روکتا ہے۔ اس کا ماننا ہے کہ مذہب افیم کی طرح لوگوں کے اس درد کو کم کر دیتا ہے جو سرمایہ داری کے استحصال کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ مذہب کو اس طرح سے اہمیت دیتا ہے کہ یہ سماجی کنٹرول کا ایک اہم ادارہ ہے جو سرمایہ دارانہ نظام میں موجود استحصالی ڈھانچے کو برقرار رکھنے اور سرمایہ دار اور مزدور کے طبقاتی رشتوں کو بحال رکھنے میں معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح سے میکس ویبر نے اپنی کتاب پروٹسٹنٹ اتھک اینڈ دی اسپرٹ آف کیپٹلزم (Protestant Ethic and the Spirit of Capitalism) میں اپنے تمام تجزیات کا محور مذہب کو بنایا ہے۔ اور اس نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح سے مذہب سرمایہ دارانہ نظام کی ابتدا و عروج کا باعث بنا۔ اسی طرح روڈنسن (Rodenson) نے اسلام کے حوالے سے سرمایہ دارانہ نظام کی ابتدا اور عروج پر تحقیق کی اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اسلام میں ایسے اخلاقی اصول نہیں ہیں جن کی بنیاد پر سرمایہ دارانہ معیشت وجود میں آسکے اور ترقی کر سکے۔

اسی طرح دوسرے محققین نے بھی مذہب کے تعلق سے تحقیق کی ہے۔ ان تحقیقات میں سماج پر مرتب ہونے والے مذہب کے مثبت اور منفی اثرات بیان کئے گئے ہیں۔ مگر اہم بات یہ ہے کہ کسی بھی محقق نے سماج کے تئیں مذہب کے کردار کی نفی نہیں کی ہے۔ یعنی کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی ہے کہ سماجی ڈھانچہ یا فرد کے برتاؤ پر مذہب کا اثر نہیں ہوتا ہے۔ لیکن بعض محققین نے مستقبل میں مذہب کی اہمیت کے کم ہونے کی بات کی۔ ان کا یہ ماننا تھا کہ جس طرح منطقی سوچ بڑھے گی اسی رفتار سے مذہب اپنی اہمیت کھوتا رہے گا۔ اس کا یہ

مطلب ہے کہ جیسے جیسے سائنسی سوچ بڑھے گی مذہبی ادارہ کمزور ہوتا جائے گا۔ اسی بنیاد پر یہ مانا جاتا ہے کہ شہری سماج میں عقلیت پسندی زیادہ پائی جاتی ہے جو کہ دیہی سماجوں میں نسبتاً کم ہوتی ہے۔ بین مذہبی اور دو مختلف ذاتوں کی شادیاں شہروں میں ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اسی طرح مختلف ذات کے لوگوں کا ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا، ہم جنس پرستی وغیرہ بڑے شہروں کی سماجی حقیقتیں ہیں۔ جبکہ یہ مذاہب کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ اس کے برعکس دیہی سماج میں مذہبی تعلیمات کی گرفت مضبوط ہوتی ہے۔ نتیجتاً یہ چیزیں یہاں نہیں پائی جاتی ہیں۔

مذکورہ بالا نکات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذہب انسانی سماج کا بہت اہم ادارہ ہے۔ اس کی اہمیت ابتدائی سماج سے لے کر آج تک تمام ادوار میں مستحکم رہی ہے۔ حالیہ دور میں مفکرین نے انسانی سماج میں مذہب کی بڑھتی ہوئی گرفت کا احساس بھی لوگوں کو کرایا ہے۔ لہٰذا مختلف وجوہات سے عقلیت پسند سماج بھی مذہبی گرفت سے بالاتر دکھائی نہیں دیتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ انسانی سماج کے حوالے سے مذہب کا مطالعہ بہت سے سماجی مفکرین نے کیا ہے۔ ان میں سے ایک اہم نام جرمن ماہر سماجیات میکس ویبر کا ہے۔ آئندہ صفحات میں مذہب کے بارے میں ویبر کے افکار کا ہم تفصیلی جائزہ پیش کریں گے۔

23.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہوسکیں گے کہ؛

- مذہب کے متعلق ویبر کے نظریات سے واقف ہوسکیں۔
- ویبر کی مذاہب میں دلچسپی اور دنیا کے مختلف مذاہب کے مطالعے کے اسباب سے بھی واقف ہوسکیں۔
- ویبر نے جن مذاہب کا مطالعہ کیا، ان کے بارے میں جان سکیں۔
- دوسرے مذاہب کے برعکس کالونیت کے کون کون سے عوامل تھے جو سرمایہ دارانہ معیشت کے ظہور اور اس کے عروج کا باعث بنے، ان کے بارے میں بھی جان سکیں۔

23.2 ویبر کے مذہبی نظریات (Weber's Views Related to Religion)

انیسویں صدی کے سماجیاتی نظریات کے تعلق سے میکس ویبر کا ایک بڑا نام ہے۔ ویبر نے سماج اور سماجیاتی نظریات پر بہت سارا کام کیا ہے۔ اس کے کام کو سماجیات میں کافی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ویبر کے اہم کاموں میں سماجی عمل، اتھارٹی، افسر شاہی، ویسٹیہن (Verstehen)، سماجی درجہ بندی اور مختلف مذاہب کے نظریات ہیں۔ ویبر کے یہاں تمام نظریات میں عقلیت پسندی مشترک عنصر ہے۔ مذہب کے مطالعے میں بھی ویبر نے عقلیت پسندی کو بنیادی اہمیت دی ہے۔

ویبر کی تحریریں پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے مذہبی تحقیق میں اپنا زیادہ تر وقت یہ واضح کرنے میں لگایا کہ کس طرح ابتدائی مذاہب تقریباً پوری دنیا میں عقلیت پسندی کے راستے میں رکاوٹ رہے ہیں۔ ویبر کا یہ ماننا تھا کہ مقدس (Sacred) چیزیں تبدیل

نہیں کی جا سکتیں ہیں۔ جب کہ اس کے برعکس مذہبی تاریخ میں یہ دیکھا گیا ہے کہ مغربی دنیا میں مذاہب میں تبدیلی ہوئی ہے اور یہ محسوس کیا گیا ہے کہ مذاہب نے اپنے اور سماج کے دوسرے اداروں کو عقلیت پسندی کی طرف مائل کیا ہے۔

ویبر کا ماننا ہے کہ ابتدائی مذاہب بہت سے خداؤں کا مجموعہ تھے جو عقلیت پسندی کی وجہ سے کم ہوتے گئے اور خداؤں کا ایک مخصوص گروہ بچا۔ مذاہب کے ابتدائی دور میں ہر گھر اور ہر کنبہ اپنا ایک خدا رکھتا تھا۔ اسی طرح مقامی سیاسی خدا اور ہر پیشے کے لئے الگ الگ خدا ہوتے تھے۔ ویبر کا ماننا تھا کہ اس طرح ہر گھر اور ہر کنبے کے الگ خدا رکھنے کے پیچھے تہذیبی و ثقافتی قوتیں کار فرما تھیں۔ ویبر کہتا ہے کہ عقلیت پسندی نے آفاقی خدا کے تصور کو فوقیت دی ہے۔ اس نے مختلف خداؤں کے دائرہ کار کو اور یکتا پرستی کو بھی موضوع بحث بنایا۔ مغربی ممالک کے علاوہ دنیا کے مختلف حصوں میں مذاہب کے اندر عقلیت پسندی کو اپنانے سے زیادہ عقلیت پسندی کے خلاف زور تھا۔

اگر چہ ویبر کا عقلیت پسندی کا تصور ثقافتی تھا مگر اس نے اس کو کبھی ایسی طاقت کی طرح نہیں سمجھا جو لوگوں کو عقلیت پسند ہونے پر مجبور کرے۔ مذہب میں عقلیت پسندی کا رشتہ عوام سے نا ہو کے ایک خاص گروہ سے ہوتا ہے۔ ویبر کے مطابق وہ گروہ خاص طور سے مذہبی علما اور پجاریوں (Priests) پر مشتمل ہوتا ہے۔ تربیت یافتہ مذہبی علما اور پجاری اس عقلیت سے نہ صرف یہ کہ متصف ہوتے ہیں بلکہ اس کو آگے بھی بڑھاتے ہیں۔ اس طریق میں علما اور پجاری جادوگروں کے بالمقابل ہوتے ہیں۔ پجاری یا علما عقلیت پسندی کی ترویج کرتے ہیں جبکہ جادوگر غیر عقلیت پسند مذہبی نظام کی وکالت کرتے ہیں۔ بہت سے معاملات میں علما اور پجاریوں کے یہاں عقلیت پسندی نسبتاً زیادہ پائی جاتی ہے۔ علما ار پجاری کی ایک منظم تربیت ہوتی ہے، جبکہ جادوگروں کے یہاں کوئی منظم تربیت نہیں ہوتی۔ ویبر کے مطابق پجاری تخصیص یافتہ (Specialized) جبکہ جادوگر غیر تخصیص یافتہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح پجاریوں کے یہاں مذہبی تصورات کا ایک منظم مجموعہ ہوتا ہے جو انہیں جادوگروں سے الگ کرتا ہے۔ اس طرح سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ پجاری ایک طرف تو عقلیت پسندی کی پیداوار ہیں اور دوسری طرف یہ اس کی ترویج کرتے ہیں۔

صرف پجاریوں کا گروہ ہی عقلیت پسندی کی ترویج میں اہم کردار نہیں ادا کرتا ہے بلکہ پیغمبر اور ان کے ماننے والے بھی اس طریق کا اہم ہوتے حصہ ہیں۔ مذہبی پیغمبروں کو پجاریوں اور مذہبی علما سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ مذہبی پیغمبر ذاتی طور پر لوگوں کو اپنے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور جذباتی طور سے لوگوں کو وعظ اور نصیحت کرتے ہیں۔ مذہبی پیغمبر کا بنیادی کردار اپنے متبعین کو متحرک کرنا ہوتا ہے کیونکہ متبعین کے گروہ کے بغیر کوئی مذہب زندہ نہیں رہ سکتا۔ ویبر دو قسم کے مذہبی پیغمبروں کا ذکر کرتا ہے۔ ایک اخلاقی مذہبی پیغمبر جسے وہ اتھیکل پروفیٹس (Ethical Prophets) کہتا ہے۔ اس قسم میں ویبر نے اسلام کے آخری نبی محمد ﷺ، اور بائیبل میں مذکورہ پیغمبر جیسے عیسی، موسی، داؤد وغیرہ کو رکھا ہے۔ اس کا یہ ماننا ہے کہ اخلاقی مذہبی پیغمبر وہ پیغمبر ہیں جن کو خدا سے بلاواسطہ ہدایت حاصل ہوئی ہے اور وہ اپنے متبعین سے اس ہدایت کی تابعداری کو اخلاقی طور پر ضروری اور فرض سمجھتے ہیں۔

دوسرے مثالی پیغمبر (Exemplary Prophets) جن کی مثال وہ گوتم بدھ سے دیتا ہے۔ یہ وہ پیغمبر ہیں جو اخروی نجات کا راستہ خود مثال بن کر لوگوں کو بتاتے ہیں۔ دونوں قسموں میں کامیاب پیغمبر وہی مانا جاتا ہے جو زیادہ لوگوں کو اپنی طرف بلا سکے اور یہی متبعین، علما یا پجاری مذہبی گروہ کی بنیاد بنتے ہیں۔ ابتدا میں پیغمبر لوگوں کو اپنی اتباع کی طرف بلاتے ہیں لیکن متبعین کے اس گروہ کو ایک مستقل جماعت

میں تبدیل کرنا مذہب کی بقا کے لئے ضروری ہے۔ ویبر کا کہنا ہے کہ مذہب جب ایک مستقل گروہ کو مستحکم کر لیتا ہے تو پھر وہ عقلیت پسندی کے راستے پر چل پڑتا ہے۔

ویبر کے مطابق بلاشبہ پیغمبر مذہب کے ابتدائی دور میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مگر مستقل مذہبی گروہ بن جانے کے بعد ان کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ بھی ماننا ہے کہ زیادہ تر پیغمبر غیر عقلیت پسند ہوتے ہیں اس لئے وہ مذہب کی عقلیت پسندی کی راہ میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔ ویبر کے نزدیک علما یا پجاری اور پیغمبر کے درمیان ایک تصادمی رشتہ پروان چڑھتا ہے جس میں بالآخر عقلیت پسند پجاری یا علما کی جیت ہوتی ہے۔ اس تصادمی رشتے کا مطلب ویبر کے یہاں یہ ہے کہ پیغمبر غیر عقلیت پسند ہوتے ہیں اور علما و پجاری عقلیت پسند ہوتے ہیں۔ اس سے اس کا مطلب یہ ہے کہ علما اور پجاری ایک منظم تربیت کے مرحلے سے بالکل اسی طرح گزرتے ہیں جس طرح دنیا میں دوسرے اور پیشوں کی تربیت ہوتی ہے جبکہ پیغمبر اس طرح کے کسی تربیت کی پیداوار نہیں ہوتے۔ لہٰذا دونوں کے درمیان عقلیت پسندی اور غیر عقلیت پسندی کی بنیاد پر تصادمی رشتہ پروان چڑھتا ہے۔ جیسے جیسے سماج تعلیم یافتہ اور عقلیت پسندی کی وجہ سے پیشہ وارانہ اختصاص کی طرف بڑھتا ہے، ویسے ویسے لوگوں کو تعلیم یافتہ بنانے کا کام علما اور پجاریوں کے ذمے ہوتا جاتا ہے۔

ویبر کہتا ہے کہ لوگوں کو تعلیم یافتہ بنانے کا یہ عمل علما اور پجاریوں کو عوام سے پیغمبروں کے مقابلے میں زیادہ قریب کرتا ہے۔ اس عمل میں لوگوں کا راست تعلق پجاریوں اور علما سے ہوتا ہے یہاں تک کہ لوگ پیغمبروں کے بارے میں بھی وہی تصورات اور کردار ذہن نشین کرتے ہیں جو علما اور پجاری انہیں پیغمبروں کے بارے میں بتاتے ہیں۔ مزید براں پیغمبر عوام کو نصیحت کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں جبکہ علما و پجاری لوگوں کی روز مرہ زندگی میں ان کا خیال بھی رکھتے ہیں۔ علما اور پجاریوں کا یہ رویہ بھی انہیں عوام سے زیادہ قریب کرتا ہے۔ ویبر کہتا ہے کہ وعظ و نصیحت کی اپنی زمانی و مکانی اہمیت تو ہوتی ہی ہے مگر روز مرہ زندگی میں متبعین کی مذہبی تربیت زیادہ اہم ہے اور یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جو ان کے متبعین پر علما اور پجاریوں کی گرفت کو مضبوط کرتا ہے۔

ویبر کہتا ہے کہ مغربی دنیا میں چرچ نے عقلیت پسندی کو اخلاقی مذہب سے ملایا۔ اس کے نتیجے میں عقلیت پر مبنی مذہب کا وجود ہوا۔ اس عقلیت پر مبنی مذہب نے عام شہری کو اپنی طرف متوجہ کیا اور اس طرح اس نے لوگوں کی معاشی زندگی کے ساتھ ساتھ زندگی کے دوسرے شعبوں میں عقلیت پسندی کو پروان چڑھایا۔

23.3 ویبر اور دنیا کے مختلف مذاہب (Weber and Different Religions of the World)

میکس ویبر نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ مختلف مذاہب کی تحقیق میں گزارا ہے۔ اس نے دنیا کے مختلف مذاہب جیسے عیسائیت، ہندومت، کنفیوشیت وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے۔ دنیا کے مذاہب کی تحقیق کرتے وقت ویبر کے سامنے سب سے اہم سوال یہ تھا کہ سرمایہ دارانہ معیشت اور مذاہب میں کیا رشتہ ہے؟ کیا وجہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت صرف مغرب میں ابھری؟ اسی سوال کو حل کرنے کی کوشش میں اس نے دنیا کے مختلف مذاہب کا مطالعہ شروع کیا اور نتائج اخذ کئے۔ ایسا کرتے ہوئے ویبر دنیا کے مذاہب میں وہ افکار تلاش رہا

تھا جو سرمایہ دارانہ نظام کی روح کے موافق ہوں۔ اس کی دلچسپی دنیا کے مختلف مذاہب کے ساخت کو سمجھنے میں بھی تھی۔ وہ یہ سمجھنا چاہتا تھا کہ مذاہب میں موجود وہ ساختی عناصر کون سے ہیں جو مذاہب کو عقلیت پسندی پر ابھارتے ہیں اور کون اس راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

23.3.1 ہندوستانی مذہب (Indian Religion)

ویبر نے ہندو مذہب کا مطالعہ کیا اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ سرمایہ دارانہ معیشت کے اقدار اور ہندو مذہب میں کیا رشتہ ہے۔ اس نے ہندو مذہب کے بہت سے وہ نکات اجاگر کئے جو سرمایہ دارانہ معیشت کے اقدار سے میل نہیں کھاتے تھے۔ مثال کے طور پر، ویبر نے ہندوستانی مذہب کے ذات پات کے نظام کو سرمایہ دارانہ معیشت کے وجود اور ترقی میں رکاوٹ سمجھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ذات پات کے نظام کی ساخت ایسی ہے جو لوگوں کو سرمایہ دارانہ معیشت کے اقدار سے دور لے جاتی ہے۔ یہ ذات پات کا نظام لوگوں کی سماجی نقل پذیری میں بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبے کو چھوٹی سے چھوٹی سطح پر منضبط کرتا ہے۔ برہمن نظریے کے نظام میں اس طرح کے بہت سے عناصر موجود ہیں۔ مثال کے طور پر، برہمن سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ سماجی طور پر پست پیشوں سے کنارہ کشی کرے گا اور لوگوں سے ملاقات کے وقت اپنے برتاؤ میں شائستگی اور اعلیٰ اقدار کو برتے گا۔ دنیاوی کاموں سے برہمنوں کی لاتعلقی کا نظریہ ہندو مذہب کا اہم نظریہ ہے۔ برہمنوں نے اپنے لئے معیاری ادبی تعلیم پر کافی زور دیا ہے۔ برہمن اور کنفیوشیت کو ماننے والوں کے درمیان اگرچہ کافی فرق پایا جاتا ہے مگر دونوں کے مزاج میں ایسی بہت ساری چیزیں موجود ہیں جو سرمایہ دارانہ معیشت کی ترقی میں رکاوٹ ہیں۔

ہندو مذہب کے اندر بھی اس طرح کی بہت سی رکاوٹیں ہیں جو سرمایہ دارانہ معیشت کو ابھرنے نہیں دیتی ہیں۔ اس کا بنیادی تصور انسانوں کی دوبارہ پیدائش ہے۔ ہندو مذہب کے حساب سے ایک شخص کسی مخصوص ذات میں اس لئے پیدا ہوتا ہے کیوں کہ وہ اپنی پچھلی زندگی کے برتاؤ کی وجہ سے اسی میں پیدا ہونے کا مستحق ہوتا ہے۔ ذات پات سے متعلق رسم و رواج کو یقین کے ساتھ ماننے اور ان پر عمل کرنے سے ایک ہندو کو آنے والی زندگی کے لئے بہتری میسر ہوتی ہے۔ ہندو مذہب کے مطابق نجات کا راستہ مذہبی اصولوں کو یقین کے ساتھ ماننے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ان بتائے گئے اصولوں سے ہٹنا بطور خاص معاشی زندگی میں ایک ہندو کو اس کی اگلی زندگی میں اونچی ذات میں پیدا ہونے سے روکنے کی وجہ بن سکتا ہے۔ ہندو مت کے مطابق دنیاوی کام انسانی زندگی کی کامیابی کے لئے اہم نہیں ہے کیونکہ یہ دنیا مستقل رہائش گاہ نا ہو کر ایک عارضی مسکن ہے اور روحانی تسکین کے راستے میں ایک رکاوٹ ہے۔ اس طرح سے ویبر کے مطابق ہندو مت کا نظریاتی نظام ایسے لوگوں کو پیدا کرنے میں ناکام رہا جو سرمایہ دارانہ معیشت کو قائم کرنے میں معاون ثابت ہوں اور یہ نظریاتی نظام عام طور سے ایک عقلیت پسند سماج بنانے میں بھی ناکام رہا۔

23.3.2 چینی مذاہب (Chinese Religions)

ویبر نے چین کے مذاہب کا مطالعہ بھی اسی سوال کے ساتھ کیا ہے کہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے چین میں اسی طرح کا سرمایہ دارانہ معاشی نظام ترقی نہ کر سکا جیسا مغرب میں ہوا۔ مغربی دنیا اور چین دونوں میں سرمایہ دارانہ معاشی نظام کی ترقی کے لئے بنیادی چیزیں موجود تھیں۔ چین میں زیادہ سے زیادہ چیزوں کے حصول کے لئے اخلاقیات سے ماوراز بردست مسابقت کا رویہ موجود تھا۔ بڑے بڑے

کارخانے تھے اور وہاں کی عوام میں کام کرنے کا جذبہ بھی کافی تھا۔اس سماج میں بڑے بڑے تاجر بھی موجود تھے۔وہاں کی آبادی بڑھ رہی تھی جو سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے لئے کام کرنے کی خواہاں تھی۔ان تمام موزوں اور معاون حالات کے باوجود کیا وجہ تھی کہ چین میں مغرب جیسا سرمایہ دارانہ نظام نہیں ابھر سکا۔

میکس ویبر کا جواب اس سوال کے تعلق سے وہی تھا جو اس نے ہندوستان کے بارے میں دیا تھا۔اس کا ماننا تھا کہ چین میں سماجی ساختیاتی اور مذہبی رکاوٹوں نے چین میں سرمایہ دارانہ معیشت کو پروان چڑھنے سے روکا۔اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ چین میں سرمایہ دارانہ نظام مفقود تھا۔وہاں قرض دینے اور بچولئے تاجروں کا گروہ تھا جو کافی منافع کا خواہاں تھا۔البتہ یہاں عقلیت پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام سے متعلق وہ سارے عناصر نہیں پیدا ہو سکے جو مغربی دنیا میں پیدا ہوئے تھے۔

ویبر نے اس تعلق سے بہت سی ایسی چیزیں گنوائی ہیں جو سماجی ساخت کی سطح پر چین میں سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی و استحکام کی مخالف تھیں جیسے وہاں کا اس وقت کا خاندانی اور قرابت داری کا نظام اور اس وقت کی حکومت اور اس کی انتظامیہ۔ویبر نے ان چیزوں کو تفصیل کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔یہاں صرف ان رکاوٹوں پر توجہ مرکوز کی جائے گی جن کا تعلق صرف مذہب سے ہے۔

ویبر کا ماننا تھا کہ سرمایہ دارانہ معیشت کے لئے سماجی ساختی رکاوٹوں کے علاوہ سب سے اہم وجہ اس سماج میں ایسی ذہنیت اور ایسے نظریاتی نظام کا فقدان تھا جو سرمایہ دارانہ معیشت کے وجود اور ترقی کے لئے ضروری تھا۔اسی پس منظر میں اس نے چین کے دو اہم مذہبی نظریات کا مطالعہ کیا۔جن میں ایک کنفیوشیت اور دوسرا تاؤمت(Taoism) ہے۔اس مطالعے میں ویبر نے دونوں مذاہب کی ان خصوصیات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی میں رکاوٹ بنے۔

23.3.3 کنفیوشیت (Confucianism)

کنفیوشیت کی اہم خاصیت ادبی تعلیم پر اصرار تھا۔اس کے تحت ادبی تعلیم سرکاری کام کاج اور سماجی حیثیت کے لئے بنیادی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔جو بھی شخص کے لئے حاکموں کے درجے میں شامل ہونا چاہتا تھا اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ ادبی تعلیمی گروہ کا رکن ہو۔لوگوں کی اوپر کی طرف سماجی نقل پذیری کا نظام ایسی بنیادوں پر تھا جو ان کی ادبی جانکاری جانچتا تھا۔یعنی وہ شخص جو ادبی تعلیم میں زیادہ ماہر تھا وہ سماجی حیثیت اور حکومتی نظام میں کافی ترقی کر سکتا تھا۔سرکاری ملازمت کے حصول کے لئے صرف ادبی جانکاری دیکھی جاتی تھی اور ویبر کے مطابق، تکنیکی جانکاری جو دفتر کو چلانے کے لئے اہم ہوتی ہے، سے کوئی سروکار نہ تھا۔اس نظریاتی نظام میں اس بات کی زیادہ اہمیت تھی کہ کون کتنا مہذب اور ذہنی طور سے کون کتنا تہذیبی میلان رکھتا ہے۔ویبر کی اصطلاح میں کنفیوشیت نے اعلیٰ کتابی ادبی تعلیم (Highly Bookish Literary Education) پر زور دیا۔

اس نظام فکر کے پیدا کردہ ادبی لوگ اپنے دفتری کاموں کو صرف اپنے ماتحتوں کو سونپنے آتے تھے۔انہیں دفتر سے متعلق تکنیکی اصولوں سے زیادہ ادبی ذہانت میں دلچسپی تھی۔اس پس منظر میں یہ کہنا بہت آسان ہے کہ ادبی گروہ جو کہ اس سماج کے اعلیٰ لوگ تھے، ان کی دلچسپی سماج کی معیشت اور معاشی کاموں سے بالکل نہیں تھی۔کنفیوشیت کی سوچ چین کی حکومتی پالیسی پر بھی اثر انداز رہی۔نتیجتاً چین کی حکومت نے بھی وہاں کی معیشت اور سماج کے دوسرے شعبوں میں عقلیت پسندی کو پروان چڑھانے کے لئے خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔

چین میں کنفیوشیت کا غلبہ بر قرار رہا۔ وہاں ایک دستوری حکم نامہ صادر ہوا۔ جس کے مطابق صرف کنفیوشیت کے ماننے والے ہی وہاں کے دفتروں میں کام کر سکتے تھے۔ ان کے علاوہ اور سارے لوگوں کو سرکاری دفتروں میں کام کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں تک کہ اگر کسی حکمراں نے اس قانون سے روگردانی کی کوشش کی تو اسے حکومت سے ہاتھ دھونے کی نوبت آجاتی تھی۔

ان کے علاوہ کنفیوشیت کے اور بھی سماجی عناصر تھے جو سرمایہ دارانہ نظام کی روح کے منافی تھے۔ کنفیوشیت خارجی دنیا سے ہم آہنگی کا ایک اخلاقی راہ مہیا کرتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے برخلاف اس میں نجات (Salvation) کا کوئی تصور نہیں ہے۔ لہٰذا کنفیوشیت اور دنیاوی معاملات میں کوئی تناؤ نہیں پایا جاتا۔ دونوں کے درمیان تناؤ کا نہ پایا جانا بھی سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی میں رکاوٹ ثابت ہوا ہے۔ اس کے برخلاف کالونیت کے یہاں دولت کے حصول میں کامیابی اخروی نجات کی نشاندہی سمجھی جاتی ہے۔ کنفیوشیت میں چیزوں کے محتاط استعمال کو برا مانا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ عام لوگ کرتے ہیں۔ منافع کمانا اور اس سے متعلق کاموں میں ملوث ہونا ان کے نزدیک معیوب عمل ہے۔

ان کے نزدیک اچھی حیثیت والے شخص کی اہمیت زیادہ منافع کمانے والے شخص سے کہیں بہتر ہے۔ ایک مہذب آدمی کی حیثیت اس سماج میں زیادہ بہتر ہوتی ہے اس شخص کے بالمقابل جو تکنیکی صفات اور علوم کا حامل ہو اور جو سرمایہ دارانہ معیشت میں مدد کے لئے کارآمد ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ کنفیوشیت روایتوں کا ایک پٹارہ بن گیا اور جس کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ نظام جو کہ سماجی تبدیلی، منافع خوری اور تکنیک وغیرہ سے عبارت ہے اس سماج میں پروان نہ چڑھ سکا۔

23.3.4 تاؤمت (Taoism)

ویبر کے مطابق تاؤمت ایک صوفیانہ مذہب ہے۔ اس کے مطابق دنیاوی عمل کے ذریعے بہتری کا حصول نہیں ہو سکتا بلکہ یہ ایک نفسیاتی اور ذہنی سطح ہے۔ اسی سوچ کے تحت تاؤمت عقلیت پسندی کی بنیاد پر خارجی دنیا کو متاثر نہیں کرتا۔ یہ ایک روایتی مذہب ہے اور اس کی بنیادی فکر یہ ہے کہ "جدت مت پیدا کرو" (Don't introduce innovation)۔ لہٰذا ایسا فکری نظام کسی طرح کی بڑی تبدیلی نہیں پیدا کر سکتا۔ جب کہ سرمایہ دارانہ نظام کا وجود ایک بڑی تبدیلی ہے۔

23.3.5 پروٹسٹنٹ (Protestant)

ویبر نے اپنے بہت مشہور کام پروٹسٹنٹ اتھکس اینڈ دی اسپرٹ آف کیپٹلزم (Protestant Ethics and the Spirit of Capitalism) میں پروٹسٹنٹ کے ان نکات کو اجاگر کرنے کی کوشش ہے جن کے سبب سرمایہ دارانہ نظام کا ظہور ہوا جنھوں نے سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی میں معاونت کی۔ یہ ویبر کے کام کا بہت چھوٹا سا حصہ ہے جو اس نے دنیا کے دوسرے مذاہب اور جدید سرمایہ دارانہ نظام کے رشتے کو سمجھنے کے لئے کیا۔ ویبر نے بہت صاف الفاظ میں یہ ظاہر کیا ہے کہ اس کا مقصد مغربی دنیا میں عقلیت پسندی کی ترقی کا مطالعہ کرنا تھا۔ سرمایہ دارانہ نظام اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ عقلیت پسندی کا ایک حصہ ہے۔

ویبر نے اس دور کی دوسری اور متوازی ترقیات جیسے عقلیت پسند علوم، قانون، سیاست، فنون لطیفہ، ادب، تعمیرات، جامعات اور سیاسی طریقوں کو بھی انہیں کے ساتھ منسلک کیا ہے۔ اس کام میں ویبر نے پروٹسٹنٹ کے نظریاتی ڈھانچے کو سرمایہ دارانہ معیشت کے

ساختیاتی ڈھانچے سے ملانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ بلکہ پروٹسٹنٹ نظریات کو سرمایہ دارانہ معیشت کے نظریات جسے وہ سرمایہ دارانہ معیشت کی روح (Spirit of Capitalism) کہتا ہے، سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو نظریاتی نظام ہیں جنہیں ایک ساتھ سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ویبر نے اس کام میں سرمایہ دارنہ نظام کی ابتدا کے لئے پروٹسٹنٹ نظریات کو سبب نہیں بتایا ہے بلکہ اس کا یہ کہنا ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت بہت پہلے سے کسی نا کسی شکل میں موجود تھی۔ البتہ ویبر پروٹسٹنٹ نظریات کو اس روح (Spirit) کے لئے ذمہ دار مانتا ہے جس نے جدید سرمایہ دارانہ معیشت کو عقلیت کی بنیا فراہم کی ہے۔

ویبر نے اس وقت موجود ان سارے نظریات کو کالعدم قرار دیا جو اس سوال کا جواب دینے کے لئے کوشاں تھے کہ سرمایہ دارانہ نظام سولہویں اور سترہویں صدی کے مغرب میں ہی کیوں شروع ہوا۔ اس کے جواب میں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس وقت مادی حالات اس کے موافق تھے۔ انہیں ویبر کہتا ہے مادی حالات اور بھی بہت سے اوقات میں موافق تھے مگر سرمایہ دارانہ معیشت اس طرح نہیں ابھری۔ ویبر اس نفسیاتی تجزیے سے بھی انکار کرتا ہے جن کے مطابق سرمایہ دارانہ معیشت انسان کی اس جبلت کی دین ہے جس کے تحت انسان زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ویبر کہتا ہے کہ یہ جبلت ہمیشہ سے انسان میں موجود رہی ہے مگر اس کی وجہ سے سرمایہ دارانہ معیشت کہیں نہیں ابھری۔

ویبر نے مختلف مذاہب والے ممالک کا مشاہدہ کیا اور یہ محسوس کیا کہ ان ممالک کے معاشی نظام میں جو لوگ بہتر جگہوں پر ہیں وہ زیادہ تر پروٹسٹنٹ ہیں۔ اس نتیجے نے ویبر کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ کوئی تو ایسی چیز پروٹسٹنٹ کے یہاں ہے جو انہیں یہ مقام دیتی ہے۔

ویبر کے مطابق سرمایہ دارانہ نظام کی روح کی تعریف صرف معاشی لالچ سے نہیں کی جا سکتی۔ معاشی لالچ ان سماج میں سرمایہ دارانہ نظام کی روح کے منافی ہوتی ہے جہاں اسے برا اور اخلاقی گراوٹ کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی روح وہ اخلاقی نظام ہیں جو زندگی کے دوسرے شعبوں میں کامیابی کی طرح معاشی کامیابی پر بھی زور دیتے ہیں۔ یہ سماجی تبدیلی بہت اہم ثابت ہوئی۔

سماج کی یہ تبدیلی جس میں منافع کمانے کو ایک غیر اخلاقی حرکت سے تعبیر نا کر کے اسے اخلاقی ذمہ داری قرار دیا گیا۔ دنیا کے بہت سے سماج میں منافع کمانا معیوب اور غیر اخلاقی سمجھا جاتا ہے۔ پروٹسٹنٹ اسے اخلاقی برائی کے بدلے اخلاقی ضرورت میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اسی اخلاقی نظام کی مدد سے منافع کمانے کی فکر اور روح کو بڑھاوا ملا اور بالآخر سرمایہ دارانہ نظام میں ترقی ہوئی۔

ویبر نے پروٹسٹنٹ اور سرمایہ دارانہ نظام کی اخلاقیات کے مابین تعلقات کے مطالعے کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے نظریاتی نظام پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔ رٹزر لکھتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی روح کو ایک ایسے معیاری نظام کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے جو بہت سے متعلق نظریات کا مجموعہ ہے۔ مثلاً، اس کا مقصد لوگوں کے درمیان ایک ایسا رویہ قائم کرنا ہے جہاں وہ منافع کے خواہاں ہوں۔ اس کے علاوہ یہ لوگوں کو عیش و عشرت سے دور رہنے کی نصیحت کرتا ہے۔ "وقت پیسہ ہے"، "چیزوں کی قدر کرو"، "وقت کی پابندی"، "ایمانداری اور بالآخر پیسہ کمانا زندگی" کا مستند حصہ ہے۔ اور ان سب کے ساتھ یہ کہ دولت کو بڑھاتے رہنا انسان کی مستقل ذمے داری ہے۔ یہ سب سرمایہ دارانہ معیشت کی تعلیمات ہیں جنہوں نے سرمایہ دارانہ نظام کی روح کو انفرادی خواہشات کی سطح سے نکال کر سماجی و اخلاقی رجحانات کی سطح پر پہنچا دیا۔ ویبر نے صرف سرمایہ دارانہ نظام کی روح کے اخلاقی نظام کو بیان نہیں کیا بلکہ یہ بھی بتانے کی کوشش کی ہے کہ اس کا ماخذ کیا

ہے۔اس کے مطابق پروٹسٹنٹ مذہب اور بطور خاص کالونیت سرمایہ دارانہ نظام کی روح کو بڑھانے میں وجہ رہے ہیں۔ مگر اب اس کی بقا کے لئے کالونی مذہب کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام اور اس کی روح اس حد تک مستحکم ہو گئی ہے کہ درکھائم کے الفاظ میں یہ سماجی حقائق بن چکے ہیں۔ دنیا میں کسی کے آنے یا جانے سے ان پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

ویبر کا یہ بھی کہنا ہے کہ کالونیت کا سرمایہ دارانہ معیشت کی ترقی بطور خاص اس کی روح کی تشکیل میں بنیادی کردار رہا ہے مگر کالونیت کا مقصد کبھی بھی ایسے نظام کی تشکیل نہیں تھا۔انسان کے کاموں کے بہت بار غیر متوقع نتائج نکلتے ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام کی تشکیل بھی اسی طرح کے نتائج میں سے ایک ہے۔

23.3.6 کالونیت (Calvinism)

کالونیت پروٹسٹنٹ مذہب کی ایک شکل ہے۔ویبر نے اس میں خاص دلچسپی دکھائی ہے۔کالونی مذہب کا یہ ماننا ہے کہ اخروی نجات صرف چند لوگوں کو ملے گی۔اور یہ پہلے سے طے ہے کہ وہ کون لوگ ہوں گے جنہیں اخروی نجات ملے گی۔ فرد یا مذہب میں سے کوئی بھی اس کو بدل نہیں سکتا۔یعنی اس مذہب کے ماننے والوں میں ایک غیر یقینی صورتحال ہے کہ کس کو اخروی نجات ملے گی اور کس کو نہیں۔اسی غیر یقینی صورتحال کو آسان بنانے کے لئے کالونیت کو ماننے والوں نے ایک نظریہ بنایا کہ کچھ نشانیوں کی بنیاد پر یہ جانا جاسکتا ہے کہ کس کو اخروی نجات مل پائے گی۔اس نظریے کے مطابق لوگوں کو محنت کرنی چاہئے تاکہ وہ معاشی کامیابی حاصل کرسکیں۔یہ معاشی کامیابی اخروی نجات کے لئے ایک نشانی کے طور پر دیکھی گئی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کالونیت نے اپنے متبعین کو دنیاوی کاموں میں محنت کرنے پر اکسایا تاکہ وہ پیشہ ور آدمی بن سکیں۔کالونیت لوگوں سے صرف انفرادی کاموں کی توقع نہیں کرتی ہے بلکہ یہ ایک منظم اجتماعی زندگی چاہتی ہے اور بطور خاص اجتماعی تجارتی کام۔یہ مذہب ایسے متوسط طبقے کی زیادہ تعریف کرتا ہے جو موروثی نہیں بلکہ خود کمائی ہوئی دولت کے مالک ہوں۔کالونی نظریے کے تحت ایک سرمایہ دار اپنے معاشی مقاصد کو بلا جھجھک حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے وہ نہیں سوچے گا کہ وہ صرف اپنے لئے کر رہا ہے بلکہ ایسا کرنا اس کی اخلاقی ذمے داری ہے۔کالونیت نے کارخانوں کی ضرورت کے مطابق ایسے کام کرنے والے مہیا کئے جو اپنے کام کے تئیں بہت ایماندار اور وقت کے پابند تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کا ایسا ہونا خدا کی چاہت ہے۔کالونیت نے غیر مساوی درجہ بندی کو قبولیت دی اور اپنے ماننے والوں کو یہ سمجھایا کہ ایسا ہونا خدا کی مرضی ہے۔ غرض یہ کہ کالونیت نے سرمایہ دارانہ نظام کی روح کی تشکیل میں کافی اہم کردار ادا کیا ہے۔

23.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

انسانی زندگی میں مذہب کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ زندگی کے تمام پہلوؤں پر اس کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ مذہب کی اس غیر معمولی اہمیت کے مد نظر سماجی مفکرین نے انسانی برتاؤ کو سمجھنے کے لئے ابتدا سے ہی مذہب کو ایک اہم عامل کے طور پر دیکھا ہے۔ان کا یہ ماننا ہے کہ مذہب انسانی برتاؤ کے تعین میں اہم کردار نبھاتا ہے۔اس اکائی کی مدد سے ہم نے سرمایہ دارانہ معیشت، عقلیت اور مذہب کے

رشتوں کے حوالے سے ویبر کے نظریات کو جاناہے۔ نیز ہمیں اس بات سے بھی واقفیت ہوئی کہ مختلف مذاہب کے برعکس کالونیت کی وہ کون سی مذہبی تعلیمات تھیں جن کی وجہ سے مغرب میں سرمایہ دارانہ معیشت کا ظہور اور اس کا عروج ہوا۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. ویبر کے مذہبی نظریات کیا ہیں؟
2. کالونیت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟
3. سرمایہ دارانہ معیشت اور مذہبی اقدار کے مابین تعلق کو آپ کیسے سمجھتے ہیں؟

23.5 کلیدی الفاظ (Key Words)

کنفیوشیت (Confucianism): یہ ایک مذہبی فلسفہ ہے جو چینی سماج میں پایا جاتا ہے۔ یہ فرد کی ذاتی خصوصیات، اخلاقیات، کمیونٹی کا احترام اور اقدار پر زور دیتا ہے۔

تاؤمذہب (Taoism): یہ چینی فلسفہ ہے جو لاؤزو (Lao-tzu) کی تحریروں پر مشتمل ہے۔ یہ فلسفہ تواضع، خاکساری اور دوسرے مذہبی اقدار کو اپنانے کی وکالت کرتا ہے۔

کالونیت(Calvinism): یہ عیسائی مذہب میں پروٹسٹنٹ گروہ سے تعلق رکھنے والے جان کالوِن (John Calvin) کے مذہبی تشریح کی طرف نسبت ہے۔

23.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

(1) 'Protestant Ethic and the Spirit of Capitalism' کے مصنف کا نام بتائیے۔

(a) میکس ویبر　　(b) کارل مارکس

(c) امائل درکھائم　　(d) ٹالکٹ پارسن

(2) درج ذیل میں سے یہ کس کا کہنا ہے کہ مذہب لوگوں کے لئے افیم کا کام کرتا ہے؟

(a) لینن　　(b) مارکس

(c) ویبر　　(d) ہبرماس

(3) تاؤمذہب (Taoism) کس ملک کا مذہب مانا جاتا ہے؟

(a) افریقہ　　(b) ہندوستان

(c)چین (d)سعودی عرب

(4)کالونیت کس مذہب کی ایک شکل ہے؟

(a)پروٹسٹنٹ کی (b)کیتھولک کی

(b)ہندومت کی (d)یہودیت کی

(5) کنفیوشیت کیا ہے؟

(a)ایک مذہب ہے (b)رسم ہے

(c)جگہ کا نام ہے (d)ان میں سے کوئی نہیں

(6)درج ذیل میں سے کس مذہب کے اخلاقی اقدار سرمایہ دارانہ نظام کے ظہور کے باعث بنے؟

(a)ہندومت (b)اسلام

(c)کالونیت (d)کنفیوشیت

(7)ویبر نے ہندومذہب کی کس خصوصیت کو سرمایہ دارانہ معیشت کے وجود اور ترقی میں رکاوٹ سمجھا ہے؟

(a)ذات پات کے نظام کو (b)تہذیب کو

(c)دونوں کو (d)ان میں سے کوئی نہیں

(8)اس سماج میں ایسی ذہنیت اور ایسے نظریاتی نظام کا فقدان تھا جو سرمایہ دارانہ معیشت کے وجود اور ترقی کے لئے ضروری تھا۔

درج بالا اقتباس کس ملک کے مذہب سے متعلق ہے؟

(a)ہندوستان (b)چین

(c)افریقہ (d)ان میں سے کوئی نہیں

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. کنفیوشیت کے بارے میں ویبر کے خیالات مختصراً بیان کیجئے۔
2. ویبر کے مطابق کالونیت میں وہ کون سے عناصر ہیں جو سرمایہ دارانہ معیشت کے ظہور کا باعث ہوئے ہیں؟ بیان کیجئے۔
3. عقلیت پسندی کی ترویج میں مذہبی علما و پجاری کے کردار پر بحث کیجئے۔
4. ویبر کے مطابق عقلیت پسندی کی ترویج میں پیغمبر کا رول کب اور کیوں ختم ہو جاتا ہے؟ مختصراً بیان کیجئے۔
5. ویبر کے مطابق پجاری یا علما عقلیت پسندی کی ترویج کرتے ہیں جبکہ جادوگر غیر عقلیت پسند مذہبی نظام کی وکالت کرتے ہیں۔ اس پر ایک مختصر مضمون لکھئے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. مذہب کے بارے میں ویبر کا کیا کہنا ہے؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔
2. ویبر کا دنیا کے مختلف مذاہب کا مطالعہ کرنے کے پیچھے کیا مقصد تھا؟ واضح کیجیے۔ نیز ہندوستان کے مذاہب پر اس کی خیالات بیان کیجیے۔
3. کنفیوشیت پر ویبر کے خیالات کو تفصیل سے بیان کیجیے۔

23.7 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Coser, Lewis A, 1971. Masters of Sociological Thought: Ideas in Historical and Social Context, Harcourt Brace Jovanovich. Inc: New York.
2. Baert, Patrick, 1998, Social Theory in the Twentieth Century, Polity.
3. Haralambos & Holborn, 2018, Sociology: Themes and Perspective, Harper Collins Publishers, New Delhi.
4. Ritzer, George, 2013, Sociological Theory, McGraw Hill Education, New Delhi.
5. Aron, Raymond. 1965. Main Currents in Sociological Thought. Vol.1, Penguin: Harmondsworth.

اکائی 24۔ ویبر کے مطابق اتھارٹی کے اقسام

(Weber's Type of Authority)

اکائی کے اجزا

24.0	تمہید
24.1	مقاصد
24.2	روایتی اتھارٹی
24.3	کرشمائی اتھارٹی
24.4	قانونی اتھارٹی
24.5	اتھارٹی کی قسمیں اور حقیقی دنیا
24.6	اکتسابی نتائج
24.7	کلیدی الفاظ
24.8	نمونہ امتحانی سوالات
24.9	مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

24.0 تمہید (Introduction)

میکس ویبر کے اہم نظریات میں اتھارٹی کا بھی نظریہ ہے۔ میکس ویبر کو سیاست میں کافی دلچسپی تھی۔ اور اسی کو ویبر کی اتھارٹی میں دلچسپی کی وجہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ ویبر انقلابی سوچ کا حامل نہیں تھا۔ وہ کبھی بھی نیا نظام انقلاب کے ذریعے نہیں لانا چاہتا تھا۔ بلکہ وہ ہمیشہ سماج میں آہستہ آہستہ تبدیلی لانے کا حامی تھا اور کارل مارکس کی طرح وہ بھی جدید سرمایہ دارانہ نظام کا ناقد تھا۔ اس کا ماننا تھا کہ لوگ خود ایک دن بہتر نظام پیدا کر لیں گے۔ اگرچہ ویبر کو سماج کے متوسط طبقے سے بھی تبدیلی کی توقع تھی مگر وہ کہتا تھا کہ یہ طبقہ کوتاہ نظروں اور چھوٹے چھوٹے افسروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہٰذا ویبر کو تبدیلی کی امید بڑے سیاسی رہنماؤں سے تھی۔ ویبر جمہوریت کو اچھا سیاسی نظام اس لئے نہیں مانتا ہے کہ اس کا بھروسہ عوام میں زیادہ ہے بلکہ اس لئے مانتا ہے کہ اس کے ذریعے بہتر سیاسی رہنما پیدا ہوتے ہیں۔

ویبر نے یہ محسوس کیا کہ اتھارٹی کا ڈھانچہ ہر سماجی ادارے میں موجود ہوتا ہے اور اس کے سیاسی افکار مختلف سیاسی نظام میں موجود ان ہی ڈھانچوں سے متعلق ہیں۔ اس نے اتھارٹی کے ڈھانچے کا تجزیہ اپنے سماجی عمل سے متعلق نظریے سے جوڑ کر کے کیا ہے۔ اس کا ماننا ہے کہ انسان کا ہر عمل مختلف طرح کے احکام کی تعمیل ہوتا ہے۔ اور احکام ہمیشہ اتھارٹی کے ذریعے دئے جاتے ہیں۔

ویبر لوگوں پر تسلط (Domination) کو لوگوں کے ذریعے تسلیم کئے گئے احکامات کے امکانات سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی تسلط یہ ہے کہ لوگ آپ کے ذریعے دئے گئے احکامات کو کس حد تک مانتے اور اتباع کرتے ہیں۔ ویبر کہتا ہے کہ تسلط کی کئی بنیادیں ہو سکتی ہیں۔ یعنی جائز (Legitimate) اور ناجائز (Illegitimate)۔ تسلط کی جائز (Legitimate) بنیاد ہی ویبر کی دلچسپی کا محور ہے۔ اور اسی کو وہ اتھارٹی کہتا ہے۔ اس کے مطابق کسی بھی تسلط کو جائز بنانے کی تین بنیادیں ہیں جو اس کو اتھارٹی کے زمرے میں لاتی ہیں۔ وہ ہے روایت، کرشمہ اور عقلیت۔

24.1 مقاصد (Objectives)

یہ اکائی میکس ویبر کے نظریۂ اتھارٹی کے اقسام پر مشتمل ہے۔ اس کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- روایتی اتھارٹی (Traditional Authority) سے واقف ہو سکیں۔
- کرشمائی اتھارٹی (Charismatic Authority) کے بارے میں جان سکیں۔
- قانونی اتھائٹی (Legal Authority) سے واقف ہو سکیں۔
- اتھارٹی کے اقسام اور حقیقی دنیا کے بارے میں ویبر کے نظریات کو جان سکیں۔

24.2 روایتی اتھارٹی (Traditional Authority)

روایتی اتھارٹی عقلیت پسند قانونی نظام پر مبنی نہیں ہوتی ہے۔ اس کی ابتدا قائدانہ صلاحیت کے حامل کسی فرد کے ذریعے ہوتی ہے جو اپنے آپ کو روایتی طور پر بااختیار ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ روایتی اتھارٹی کے استحکام کے لئے صرف یہ دعوی کافی نہیں ہوتا بلکہ اس شخص کے ماننے والوں کا اس بات پر یقین بھی ضروری ہے کہ روایتی طاقت ان کے لئے بہتر اور مقدس ہے۔ یہ دونوں چیزیں یعنی دعویٰ اور اس کے پیروکاروں کا یقین کسی بھی روایتی اتھارٹی کے استحکام کے لئے ضروری ہیں۔ اس نظام میں دعویٰ کرنے والا شخص دوسروں سے بہتر نہیں ہوتا بلکہ خود ساختہ مالک ہوتا ہے۔ اسی طرح اس نظام کا عملہ افسران پر مشتمل نہیں ہوتا ہے بلکہ خود مامور لوگوں پر ہوتا ہے۔ افسران کا عملہ عقلیت پسند قانونی اتھارٹی کے نظام میں پایا جاتا ہے۔ ویبر کے مطابق روایتی اتھارٹی میں انتظامی عملے کا آقا (Master) سے تعلق مکمل ذاتی بنیادوں پر ہوتا ہے۔ اس طرح عقلیت پسند قانونی اتھارٹی نظام کے برخلاف روایتی اتھارٹی کے نظام کا عملہ اپنے رہنما کی ہر بات صرف اس لئے مانتا ہے کہ وہ روایتی طور پر ان کا منتخب رہنما ہے۔ عملہ کے نزدیک اپنے منتخب رہنما کی ہر بات کی تائید ضروری ہے۔

رٹزر کا کہنا ہے کہ ویبر روایتی رہنماؤں کے عملے کو جاننے میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا اور وہ روایتی اتھارٹی کے نظام کے عملے اور عقلیت پسند اتھارٹی کے نظام کا عملہ جسے وہ افسر شاہی کہتا ہے، میں تقابل کرنا چاہتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ

1. روایتی اتھارٹی نظام میں کام کے واضح اور طۓ شدہ اشارے موجود نہیں ہوتے جو عملے کو معروضی انداز میں کام کرنے اور فیصلے لینے کے قابل بناتے ہیں۔ یہ یہاں معدوم ہے۔
2. ان دفاتر میں عقلیت پسندی پر مبنی صاف اور واضح درجہ بندی کا نظام نہیں ہوتا۔ یعنی اس کی توضیح نہیں ہوتی ہے کہ کون افسر درجے میں کس سے اوپر ہے اور کون نیچے۔
3. ان دفاتر میں تقرری اور ترقی کا مستقل نظام بھی نہیں ہوتا ہے۔
4. ان دفاتر میں تقرری کے لئے کسی خاص تکنیکی تربیت کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی ہے۔
5. ان میں تنخواہیں بھی متعین اور مقرر نہیں ہوتی ہیں۔

مذکورہ بالا ساری چیزیں افسر شاہی نظام کی خصوصیات میں شامل ہیں۔ ویبر نے اپنی مشہور تحقیق کے طریقہ کار یعنی آئڈیل ٹائپ (Ideal Type) کو استعمال کرتے ہوئے اس تفریق کو لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔

ویبر تاریخی تجزیے کے ذریعے روایتی اتھارٹی کے اقسام بیان کرتا ہے۔ اس کے مطابق روایتی اتھارٹی کی دو بہت پرانی شکلیں ہیں۔ ایک جیرنٹوکریسی (Gerontocracy) جس میں عمر دراز لوگوں کے پاس اتھارٹی ہوتی ہے اور وہ حکمرانی کرتے ہیں۔ دوسری قسم ابتدائی پدر شاہی (Primary Patriarchalism) ہے۔ اس نظام میں رہنما یا حکمراں کو اتھارٹی کو وراثت سے میں ملتی ہے۔ ان دونوں نظام میں ایک اعلیٰ سربراہ ہوتا ہے مگر انتظامی عملہ نہیں ہوتا ہے۔

ویبر کہتا ہے کہ روایتی اتھارٹی کی ایک جدید قسم بادشاہت ہے جسے وہ پٹریمونولیزم (Patrimonialism) کہتا ہے۔ اس نظام میں انتظامی عملہ اور فوجی طاقت کے ذریعے روایتی انداز میں لوگوں پر قابو پایا جاتا ہے۔ اس نظام میں انتظامی عملہ اور فوجی طاقت دونوں تسلط حاصل کرنے کی ذاتی چیزیں سمجھی جاتی ہیں اور سربراہ انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے ویبر کے مطابق روایتی اتھارٹی کی نسبتاً ایک جدید قسم جاگیردارانہ نظام (feudalism) ہے۔ اس نظام نے آقا یا حاکم کے اختیارات کو محدود کر دیا تھا۔ اس میں حاکم اور ماتحت کے درمیان نسبتاً ایک منظم رشتہ قائم ہوتا ہے جس میں اختیارات کا استعمال خالص حاکم کی صوابدید پر نہیں ہوتا ہے۔ روایتی اتھارٹی کی یہ چاروں اقسام ساخت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اور چاروں عقلیت پسند قانونی اتھارٹی سے خاصی مختلف بھی ہیں۔

ویبر نے روایتی اتھارٹی کی چاروں قسموں میں ایسے ساختیاتی عناصر اجاگر کیے ہیں جو عقلیت پسندی کے راستے میں رکاوٹ تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ویبر نے مغربی سماج میں موجود ان ساختیاتی اسباب کی بھی نشاندہی کی ہے جو عقلیت پسند قانونی اتھارٹی کے لیے سازگار حالات بنانے میں کامیاب ہوئے۔ ویبر نے کہا ہے کہ روایتی اتھارٹی کے نظام میں موجود ساختیاتی عناصر اور عمل کے طریقے عقلیت پسند سماجی نظام اور بطور خاص عقلیت پسند معاشی ساخت کے راستے میں رکاوٹ ہیں۔

24.3 کرشمائی اتھارٹی (Charismatic Authority)

کرشمہ ایک ایسا تصور ہے جس سے روزمرہ کی زندگی میں عموماً سابقہ پڑتا ہے۔ عام آدمی کسی سیاسی لیڈر، فلم اداکار، گلوکار یا پھر کسی موسیقی کار کے لیے اس لفظ کا استعمال بہت آسانی سے کرتا ہے۔ اس اصطلاح کے استعمال کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس کے لیے اسے استعمال کیا جارہا ہے چند اہم خصوصیات کا مالک ہے۔

ویبر کے نظریاتی افکار میں 'کرشمہ' (Charisma) کی کافی اہمیت ہے مگر اس کی سمجھ اس اصطلاح کے تئیں عام لوگوں سے مختلف ہے۔ ویبر کرشمائی شخصیات کی مخصوص اور مختلف خصوصیات سے انکار نہیں کرتا مگر اس کا یہ ماننا ہے کہ کرشمہ کی بنیاد ان لوگوں کی سمجھ پر ہے جو اس کو مانتے ہیں یعنی کرشمہ کی اہمیت ہرگز اس شخص سے نہیں ہے جس کے پاس یہ ہے بلکہ ان لوگوں سے ہے جو اسے مانتے ہیں اور اس کی نوعیت بھی اسی طرح ہے جس طرح سے لوگ اس کو سمجھتے ہیں۔ آسان لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ویبر کے مطابق اگر لوگ کسی کو کرشمائی رہنما سمجھتے ہیں تو وہ کرشمائی رہنما ہے چاہے اس کے پاس کوئی خاصیت ہو یا نہ ہو۔ اس میں سب سے اہم وہ طریق (Process) ہے جس کے ذریعے ایک شخص عام آدمی سے اپنے آپ کو الگ کرلیتا ہے اور یہ مانا جاتا ہے کہ اس کے پاس کچھ ایسی خصوصیات ہیں جو عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہیں۔

ویبر کے مطابق کرشمہ ایک انقلابی طاقت ہے۔ کرشمائی رہنما سماج کے موجودہ نظام کو تبدیلی کی طرف مائل کرسکتے ہیں۔ اس کے برخلاف روایتی اتھارٹی پورے طور پر روایتوں پر مبنی ہوتی ہے۔ کرشمہ لوگوں کے سوچنے اور سمجھنے کے انداز میں تبدیلی لاتا ہے۔ یہ ایسی تبدیلی ہے کہ لوگوں کا ذہن سماجی مسائل کے تئیں بدل جاتا ہے۔ لوگ خارجی دنیا کو الگ طریقے سے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں اور یہی تبدیلی کرشمہ کو انقلابی بناتی ہے۔ ویبر کہتا ہے کہ جب سماج میں اتھارٹی کا ڈھانچہ تبدیل ہوتا ہے تو لوگوں کے سوچنے اور سمجھنے کا انداز بھی بدل جاتا ہے۔

ویبر کرشمائی اتھارٹی کے ڈھانچے کا عقلیت پسند افسر شاہی یعنی عقلیت پسند قانونی اتھارٹی کے ڈھانچے سے اسی طرح تقابل کرتا ہے جس طرح اس نے روایتی اتھارٹی کا کیا تھا اور اس کے ذریعے وہ درج ذیل نکات اجاگر کرتا ہے؛

1. وہ کہتا ہے کہ کرشمائی اتھارٹی کا عملہ تکنیکی طور پر تربیت یافتہ نہیں ہوتا بلکہ اسے منتخب کیا جاتا ہے۔
2. اس نظام کے تحت دفاتر میں درجہ بندی نہیں ہوتی۔ یعنی اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہوتی کہ کون افسر بڑا ہے اور کون چھوٹا۔
3. اس نظام کے تحت دفاتر میں کام کرنے والوں کی نہ تو تقرری نہ تو برطرفی اور نہ ہی ترقی یا تنزلی کی امید ہوتی ہے۔
4. اس نظام میں کرشمائی رہنما ہر اس چیز میں مداخلت کرنے کا حقدار ہوتا ہے جس کے بارے میں وہ یہ محسوس کرے کہ اس کا عملہ فیصلہ نہیں لے پائے گا یا حالات پر قابو نہیں پائے گا۔
5. اس نظام میں نہ تو طے شدہ قوانین ہوتے ہیں اور نہ ہی متعین انتظامی اجزا۔ اس نظام میں نئے فیصلوں کی رہنمائی کے لئے پہلے کئے گئے فیصلوں کی بھی اہمیت نہیں ہوتی ہے۔

درج بالا بنیادوں پر ویبر کے مطابق اس نظام میں کام کرنے والا عملہ افسر شاہی نظام کے عملے سے بہت کمتر ہوتا ہے۔ یہ نظام صرف اس وقت تک رہتا ہے جب تک کرشمائی رہنما زندہ رہتا ہے۔ ویبر نے چونکہ کرشمائی رہنما کے پیچھے کرشمائی تنظیم اور اس میں کام کرنے والے عملے میں بھی دلچسپی لی اور اپنی توجہ اس سوال پر مرکوز کیا کہ کرشمائی رہنما کے فوت ہونے کے بعد کیا یہ نظام اور عملہ باقی رہتا ہے یا یہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس سوال کا جواب اس عملے اور نظام کے لئے بہت اہم ہے کیونکہ دونوں کرشمائی رہنما کے بعد بھی زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ ویبر کہتا ہے کہ عملہ اور تنظیم دونوں کا مفاد اسی میں ہے کہ یہ باقی رہیں اگر یہ نظام ختم ہو جائے گا تو اس میں کام کرنے والے لوگ بیکار ہو جائیں گے۔ لہٰذا کرشمائی رہنما کے بعد اس نظام کے لئے سب سے بڑا چیلنج یہی ہوتا ہے کہ وہ کس طرح سے اس کرشمہ کو باقی رکھے۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ کیونکہ ویبر کے مطابق کرشمہ غیر مستحکم چیز ہے اور یہ اپنی اصل حالت میں اسی وقت تک رہتا ہے جب تک رہنما باقی رہتا ہے۔

رہنما کی وفات کے بعد کرشمائی نظام کی بقا کے لئے اس میں کام کرنے والا عملہ کچھ تدبیریں کرتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کسی اور کرشمائی رہنما کی تلاش کی جائے مگر کسی اور رہنما کی تلاش کے باوجود بھی پرانے رہنما کے مقام کو حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عملہ کچھ ایسے قوانین بنالے جس کے ذریعے مستقبل میں کرشمائی رہنما کی نشاندہی کی جائے۔ مگر ویبر کہتا ہے کہ یہ قوانین بہت جلد روایت بن جاتے ہیں اور کرشمائی رہنما روایتی رہنما بن جاتا ہے۔ ایک اور ممکن طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ کرشمائی رہنما اپنے بعد رہنمائی کے لئے کسی کو نامزد کر دے۔ عملہ کسی کو کرشمائی رہنما کا وارث بنادے اور لوگ اس کو قبول کرلیں۔ مگر یہ ساری تدبیریں بالآخر ناکام ہوتی ہیں۔ کرشمہ ہمیشہ نہیں رہ سکتا اور بالآخر اسے یا تو روایتی اتھارٹی یا پھر عقلیت پسند قانونی اتھارٹی میں تبدیل ہونا ہی پڑتا ہے۔

24.4 قانونی اتھارٹی (Legal Authority)

قانونی اتھارٹی کی مختلف ساختیاتی شکلیں ہو سکتی ہیں مگر ویبر کی خاص دلچسپی افسر شاہی میں تھی۔ افسر شاہی کو وہ خالص عقلیت پسند اتھارٹی کی شکل مانتا ہے۔ ویبر نے افسر شاہی نظام کو مکمل طور سے آئیڈیل طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تکنیکی نقطۂ نظر سے افسر شاہی ہی اتھارٹی کی ایسی قسم ہے جو سب سے زیادہ عقلیت پسندی پر مبنی ہے اور اسی کے ذریعے کسی بھی نظام میں زیادہ سے زیادہ بہتری لائی جا سکتی ہے۔ یہ درستگی، استحکام، اپنے قوانین کے تئیں سختی اور بھروسہ مندی میں دوسرے اقسام سے بہت بہتر ہے۔ یہ انتظامیہ کے سربراہان اور اس میں دوسرے کام کرنے والے عملہ کے لئے نتائج اخذ کرنے کے تعلق سے بہت موزوں ہے۔ یہ کسی بھی طرح کے انتظامی امور میں بآسانی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ویبر نے افسر شاہی کی مثبت خصوصیات گنوائے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اپنے کچھ بنیادی خدشات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ویبر نے افسر شاہی پر مبنی تنظیموں کے تئیں کچھ باتیں کی جو منفی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ویبر افسر شاہی نظام میں "لال فیتہ" (Red Tape) کے منفی اثرات سے باخبر تھا۔ اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ شاہی دفاتر میں لوگوں سے کام کروانا کتنا مشکل ہوتا ہے۔

ویبر اداروں کی افسر شاہی کے اس طریق سے خوفزدہ ضرور تھا مگر وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ وہ افسر شاہی نظام کو اسکیپ پروف (Escape Proof) مانتا تھا یعنی ایسا نظام جس سے نجات نہ مل سکے۔ اس کا ماننا تھا کہ اس نظام کے مستحکم

ہو جانے کے بعد اسے ختم کرنا ممکن ہے کیونکہ یہ دنیا کا سب سے مضبوط اور سخت ادارہ ہے۔ ویبر کا یہ بھی ماننا تھا کہ مستقبل اسی ادارے سے جڑا ہوا ہے۔ ادارہ عقلیت پسندی کا سفر طے کرتا ہوا افسر شاہی کی طرف پہنچے گا۔ ایسا لگتا ہے کہ ویبر کے ذریعے افسر شاہی کی گنوائی گئی خصوصیات اس کے ذہن کی آئیڈیل پیداوار تھی۔ یہ آئیڈیل ذہنی پیداوار عقلیت پسندی کی وہ مبالغہ آمیز خصوصیات تھیں جن کی بنیادوں پر افسر شاہی کو کام کرنا چاہئے۔ اس طرح کا آئیڈیل ٹائپ (Ideal Type) حقیقی زندگی میں موجود انتظامیہ کے مطالعے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ غلط فہمی ہرگز نہیں ہونی چاہئے کہ حقیقی زندگی میں بھی افسر شاہی ان ہی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے۔

ویبر نے آئیڈیل افسر شاہی کو آئیڈیل افسروں سے الگ کیا ہے۔ اس کے مطابق افسر شاہی نظام ایک ڈھانچہ ہے اور افسر اس ڈھانچے کے اندرونی حصے ہیں۔ آئیڈیل افسر شاہی ایک طرح کی تنظیم ہے۔ اس کے دفاتر اس کی بنیادی اکائیاں ہیں جو ایک دوسرے سے درجہ بند طریقے سے کچھ قواعد وضوابط اور تحریری دستاویزات وغیرہ سے متعلق و مربوط ہوتے ہیں۔ افسر شاہی نظام کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں؛

1. افسر شاہی نظام ایسے دفاتر کی مستقل تنظیم ہے جو قوانین کے تابع ہوتی ہے۔
2. ہر دفتر ایک خاص کام کی مہارت رکھتا ہے۔ دفتر پر مختلف کاموں کی ذمے داری ہوتی ہے، اور اس کام کو مکمل کرنے کے اختیارات بھی ہوتے ہیں۔
3. دفاتر درجہ بند طریقے سے منظم ہوتے ہیں۔
4. دفاتر میں کچھ خاص تکنیکی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ بھی اس دفتر میں کام کرنا چاہیں انہیں اس کی تربیت لینی ہوگی۔
5. اس نظام کے دفاتر میں کام کرنے والے اس سے متعلق پیداوار کے ذرائع کے مالک نہیں ہوتے ہیں۔ کام کرنے والوں کو کام کے لئے درکار سہولیات بہم پہنچائی جاتی ہیں۔
6. آفس میں کام کرنے والا کوئی بھی شخص اپنی جگہ (Position) کو تبدیل نہیں کرسکتا۔ وہ صرف اس تنظیم کا حصہ ہوتا ہے۔
7. انتظامی امور سے متعلق فیصلے لئے جاتے ہیں اور قوانین بنائے جاتے ہیں اور انہیں تحریری شکل میں محفوظ کیا جاتا ہے۔

افسر شاہی عقلیت پسند ڈھانچوں میں سے وہ ڈھانچہ ہے جو جدید سماج میں روز بروز فروغ پا رہا ہے۔ ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ کیا کبھی افسر شاہی نظام ختم ہوگا؟ اس کا جواب ویبر نفی میں دیتا ہے جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔ ویبر کا ماننا ہے کہ افسر شاہی ایک اسکیپ پروف (Escape Proof) نظام ہے جس سے نجات ممکن نہیں۔

افسر شاہی جدید سرمایہ دارانہ نظام کی خاصیت ہے۔ مگر کیا اشتراکیت پسند (Socialism) نظام میں بھی افسر شاہی برقرار رہے گی۔ اس کا بھی جواب ویبر نفی میں دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر لوگ سرمایہ داری میں موجود افسر شاہی نظام سے نجات چاہتے ہیں تو اس کے لئے بھی انہیں ایک دوسرا افسر شاہی نظام بنانا ہوگا۔ یعنی ایک دوسرا افسر شاہی نظام ہی سرمایہ دارانہ دور کے افسر شاہی نظام سے نجات دلا سکتا ہے۔ البتہ اشتراکی سماج میں پیداوار کے ذرائع کی ملکیت بھی افسروں کے ہی ہاتھ میں ہوگی جو کہ سرمایہ دارانہ نظام میں نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا سوشلزم میں افسر شاہی اور مضبوط ہوجائے گی۔

رٹزر (Ritzer) کا کہنا ہے کہ ویبر کے مطابق افسر شاہی کے نقصانات کو وہ لوگ ایک حد تک کنٹرول کر سکتے ہیں جو اس نظام سے باہر ہوں۔ ویبر نے اس میں پیشہ ور سیاستداں، سائنسداں، دانشور، سرمایہ دار اور افسروں کے سربراہوں کو رکھا ہے۔ اس کا ماننا ہے کہ یہ لوگ افسروں کو ایک حد تک قابو میں رکھ سکتے ہیں۔

بہر کیف یہ سب محض ایک امید ہے۔ افسر شاہی نظام عقلیت پسندی کی پیداوار ہے اور دونوں ایک دوسرے کو تکمیل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو فروغ دیتے ہیں۔

24.5 اتھارٹی کی قسمیں اور حقیقی دنیا (Types of Authority and Real World)

اوپر ہم لوگوں نے اتھارٹی کے تین اقسام کے بارے میں جانا۔ یہ تینوں اقسام ویبر کے مطابق "آئیڈیل ٹائپ" (Ideal Type) کے ہیں۔ لہٰذا جس طرح آئیڈیل ٹائپ کا تعلق حقیقی دنیا سے نہیں ہوتا ہے اسی طرح کوئی بھی اتھارٹی اپنی پوری یا مکمل شکل میں حقیقی دنیا میں نہیں پائی جاتی ہے۔ دنیا میں موجود کسی بھی اتھارٹی کی شکل کم و بیش ان تینوں خصوصیات کی حامل ہوتی ہے۔ مثلاً امریکی صدر فرینکلن روزویلٹ (Franklin Roosevelt) تھے جس نے اتھارٹی کی ان تینوں بنیادوں پر حکومت کی۔ وہ عقلیت پسند قانونی طریقے سے امریکہ کے صدر منتخب ہوئے۔ اپنے چوتھی بار صدر منتخب ہونے تک ان کی حکومت میں روایتی عناصر شامل ہو گئے تھے اور اسی دوران ان کے چاہنے والے انہیں ایک کرشمائی رہنما سمجھتے تھے۔

اگرچہ اتھارٹی کی یہ تینوں اقسام متوازی طور پر سماج میں پائے جاتے ہیں مگر ان کے آپسی رشتوں میں ترشی و تلخی (Tension) اور بسا اوقات تصادم بھی پایا جاتا ہے۔ کرشمائی رہنما دوسرے دونوں اتھارٹی کی قسموں کے لئے مستقل خطرہ (Threat) رہتا ہے۔ اسی طرح کرشمائی رہنما کو اپنی برقراری کے لئے دوسری قسم کی اتھارٹی کے ذریعے پیدا کئے گئے ڈر اور چیلنج کو ختم کرنا ہوتا ہے۔

ویبر کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک وقت کے بعد اتھارٹی کے اقسام کے درمیان ترشی (Tension) ختم ہو جائے گی اور دنیا میں صرف عقلیت پسند قانونی نظام اور اتھارٹی ہو گی۔ یہ وہ وقت ہو گا جب سماج پوری طرح سے عقلیت پسند ہو گا جسے ویبر "آئرن کیج" (Iron Cage) کہتا ہے۔

24.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

ویبر کے ذریعے پیش کی گئی اتھارٹی کی یہ تین بنیادی قسمیں تھیں۔ ویبر کے مطابق پورا سماجی نظام عقلیت پسندی کی طرف جا رہا ہے۔ لہٰذا لوگوں کو کنٹرول کرنے اور ان پر احکامات نافذ کرنے کا طریقہ بھی عقلیت پسندی پر مبنی ہوتا جا رہا ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے جسے ویبر عقلیت پسند قانونی اتھارٹی یعنی 'Rational Legal Authority' کہتا ہے۔ اس کے مطابق روایتی اور کرشمائی اتھارٹی بھی بالآخر عقلیت پسند اتھارٹی کی شکل اختیار کر لیں گی اور دنیا میں صرف یہی طریقہ رہ جائے گا جس کے ذریعے لوگوں پر اتھارٹی کا استعمال ہو گا۔ کیونکہ یہی ایک طریقہ ہے جو سب سے زیادہ موزوں، مستحکم اور بھروسے مند ہے۔ ویبر کے مطابق یہ طریقہ ہو گا اور اس سے کبھی بھی نجات نہیں مل

سکے گی۔ یہاں تک کہ اگر دنیا میں اشتراکیت بھی قائم ہو جائے تب بھی افسر شاہی برقرار رہے گی۔ ان کو صرف سیاستداں، دانشور اور سائنسداں کسی حد تک کنٹرول کرسکتے ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ کریں (Check Your Progress)

1. ویبر کے تصور اتھارٹی کیا ہے؟
2. عقلیت اور اتھارٹی کے مابین کیا تعلق ہے؟
3. قانونی اتھارٹی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

24.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

روایتی اتھارٹی (Traditional Authority): یہ اس قسم کی اتھارٹی ہے جس کا جواز روایت پر مبنی ہوتا ہے۔
کرشماتی اتھارٹی (Charismatic Authority): یہ اس قسم کی اتھارٹی ہے جس کا جواز کرشمہ پر مبنی ہے۔
قانونی اتھارٹی (Legal Authority): یہ اس قسم کی اتھارٹی ہے جس کا جواز عقلیت پر مبنی قوانین سے حاصل ہوتا ہے۔

24.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

(1) سماجیات میں اتھارٹی کا تصور کس نے پیش کیا ہے؟

(a) ویبر (b) مارکس

(c) درکھائم (d) لینن

(2) اتھارٹی کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a) چار (b) تین

(c) دو (d) سات

(3) سماجیات میں افسر شاہی کے تصور پر کون بات کرتا ہے؟

(a) ہبر ماس (b) ویبر

(c) پارسن (d) ان میں سے کوئی نہیں

(4) درج ذیل میں سے کون سی اتھارٹی سب سے زیادہ عقلیت پر مبنی ہے؟

(a) قانونی اتھارٹی (b) روایتی اتھارٹی

(c)دونوں (d)ان میں سے کوئی نہیں

(5)افسر شاہی نظام قوانین سے بندھے دفاتر کی مستقل تنظیم ہے۔ درج ذیل میں سے یہ کس کی خصوصیت ہے؟

(a) قانونی اتھارٹی (b)روایتی اتھارٹی

(c) کرشمائی اتھارٹی (d)ان میں سے کوئی نہیں

مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. روایتی اتھارٹی پر ایک مختصر مضمون لکھیے۔
2. اتھارٹی کی قسمیں اور حقیقی دنیا پر ایک مضمون لکھیے۔
3. اتھارٹی اور عقلیت پسندی کے درمیان تعلق کو بیان کیجیے۔
4. قانونی اتھارٹی کی تعریف بیان کیجیے۔

طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. روایتی اتھارٹی عام طور سے کس طرح کے سماج میں پائی جاتی ہے؟ مثال کے ساتھ اس کی وضاحت کیجیے۔
2. قانونی اتھارٹی اور عقلیت کے مابین کیا تعلق ہے؟ نیز افسر شاہی نظام کی خصوصیات کو واضح کیجیے۔
3. کرشمائی اتھارٹی کی مثالوں سے وضاحت کیجیے۔

24.9 مزید مطالعے کے لئے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books For Further Readings)

1. Coser, Lewis A, 1971. Masters of Sociological Thought: Ideas in Historical and Social Context, Harcourt Brace Jovanovich. Inc: New York.
2. Baert, Patrick, 1998, Social Theory in the Twentieth Century, Polity.
3. Haralambos & Holborn, 2018, Sociology: Themes and Perspective, Harper Collins Publishers, New Delhi.
4. Ritzer, George, 2013, Sociological Theory, McGraw Hill Education, New Delhi.
5. Aron, Raymond. 1965. Main Currents in Sociological Thought. Vol.1, Penguin: Harmondsworth.

نمونہ امتحانی پرچہ

سماجیاتی نظریات

Time 3: Hours | Marks: 70 :نشانات

حصہ اول

(i) ابن خلدون کس جگہ پیدا ہوئے؟

(a) تیونس (b)مراکش (c)اندلس (d)مصر

(ii) تاریخ پر ابن خلدون کی کتاب کا نام کیا ہے؟

(a) البدایہ والنھایہ (b)کتاب العبر (c)تاریخ الامم والملوک (d)الکامل فی التاریخ

(iii) درج ذیل میں سے کس کے مطابق اب تک کی انسانی تاریخ صرف اور صرف طبقاتی تصادم کی تاریخ رہی ہے؟

(a)ہیگل (b)پارسن

(b)ویبر (d)مارکس

(iv)اضافی قدر(Surplus Value)کا تصور کس ماہر سماجیات کے یہاں مرکزی حیثیت رکھتا ہے؟

(a)میکس ویبر (b)کارل مارکس

(c)امائل درکھائم (d)ہربرٹ اسپنسر

(v)درج ذیل میں کس ماہر سماجیات نے علاحدگی (Alienation)کے تصور کا استعمال کیا ہے؟

(a)کارل مارکس (b)اگست کومٹ

(c)امائل درکھائم (d)ایس۔ سی۔ دوبے

(vi) آئرن کیج(Iron Cage) کا تصور کس نے پیش کیا؟

(a) میکس ویبر (b) ٹالکٹ پارسن

(c) امائل درکھائم (d) ان میں سے کوئی نہیں

(vii)سماجی علوم میں ورسٹیہن(Verstehen) کے تصور کو کس نے فروغ دیا؟

(a) مہاتما گاندھی (b) بی۔ آر۔ امبیڈکر

(b)میکس ویبر (d) اگست کومٹ

(viii) ‘Protestant Ethic and the Spirit of Capitalism’ کے مصنف کا نام بتائیے۔

(a) میکس ویبر (b) کارل مارکس

(c) امائل درکھائم (d) ٹالکٹ پارسن

(ix) درج ذیل میں سے یہ کس کا کہنا ہے کہ مذہب لوگوں کے لئے افیم کا کام کرتا ہے؟

(a) لینن (b) مارکس

(c) ویبر (d) ہبرماس

(x) درج ذیل میں سے کون سی اتھارٹی سب سے زیادہ عقلیت پر مبنی ہے؟

(a) قانونی اتھارٹی (b) روایتی اتھارٹی

(c) دونوں (d) ان میں سے کوئی نہیں

حصہ دوم

2۔ سماجی حقائق کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

3۔ سماجی حقائق کی خصوصیات پر مختصراً تبصرہ کیجیے۔

4۔ درکھائم کی بنیادی فکر کیا ہے؟ مختصراً بیان کیجیے۔

5۔ جبر پر مبنی خودکشی کو مختصراً بیان کیجیے۔

6۔ سادہ سماج اور میکانکی یکجہتی کے درمیان تعلق کی وضاحت کیجئے۔

7۔ میکانکی یکجہتی میں اجتماعی شعور کی تشکیل کیسے ہوتی ہے؟

8۔ روایتی اتھارٹی پر ایک مختصر مضمون لکھئے۔

9۔ اتھارٹی کی قسمیں اور حقیقی دنیا پر ایک مضمون لکھئے۔

حصہ سوم

10۔ سماجیات کے موضوع پر بحث کریں۔

11 علوم کے باہمی انحصار کو بیان کیجئے۔

12 علوم کی درجہ بندی کا نقشہ اور اس کی بنیاد بتائیۓ۔

13۔ سماجی حقائق کیا ہیں؟ اور اس کا مقصد کیا ہے؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔

14 سماجی حقائق کے مطالعے کے اصول بیان کیجیے۔

اہم نکات

اہم نکات

یہ کتاب مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ڈی ٹی پی سیل کاؤنٹر پر دستیاب ہے۔

ملنے کا پتہ:

ڈی ٹی پی سیل کاؤنٹر، ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد-500032 (تلنگانہ)

DTP Sale Counter, Directorate of Translation & Publications

Room No. G-09, H. K. Sherwani Centre for Deccan Studies
Maulana Azad National Urdu University, Gachibowli,Hyderabad-500032
M: 9394370675, 9966818593, Email: directordtp@manuu.edu.in

Account Name: DTP Sale Counter **Account No.:** 187901000009349
Bank Name: Indian Overseas Bank **IFSC:** IOBA00001879
Branch: Gachibowli, Hyderabad

Counter Timings

Monday To Friday
09:30 a.m. To 05:30 p.m.

کتابوں کی قیمت پر رعایت کی شرح:

1۔عام قارئین کے لیے 25%

2۔طلبا، کالجز اور دیگر اداروں کے لیے 30%

کتابیں ڈاک سے بھی منگوائی جاسکتی ہیں۔

نوٹ: -/500 روپے سے زائد کے بل پر ڈاک خرچ نہیں لیا جائے گا۔